تاریخ جرم و سزا

جلد اوّل کا دوسرا حصہ

حسب فرمایش

نیا کتاب گھر، اردو بازار جامع مسجد دہلی

از

امداد صابری

قیمت تین روپے

جناح پریس دہلی

میں اِس جیل کی زندگی کے یادگار مجموعہ کو

اپنی والدہ محترمہ مسماۃ اللہ بندی کے نام معنون کرتا ہوں

جنہوں نے

میرے جیل کے زمانہ میں رو رو کر میری یاد میں اپنی آنکھیں کھوئیں

اور

کبھی کسی تکلیف و دُکھ کو قومی کاموں میں حائل نہ ہونے دیا

اللہ تعالیٰ

مجھے ان کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امداد صابری (نظربند)

یکم جون ۱۹۴۲ء

چوڑی والان دہلی۔

مختصر حالاتِ زندگی مولانا امداد صابری

وجہ تسمیہ امداد صابری کا پیدائشی نام امداد الرشید ہے ان کے والد ماجد مولانا شرف الحق صاحب مرحوم و مغفور، حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر مکی رح کے مرید و خلیفہ، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے شاگرد رشید تھے۔ جن کو اپنے پیر و اُستاد دونوں سے انتہائی محبت تھی۔ اسی محبت و عقیدت نے پیر و اُستاد کے متبرک و مقدس ناموں کے جوڑ سے صاحبزادے کا نام رکھوایا۔

معترضوں نے کہا بدعتی ہو گئے، رشید گنگوہی رح کی امداد کیسی؟ عقیدت مند نے دندان شکن جواب دیا۔ "رشید" خدا کا نام ہے۔ خدا کی امداد سے کون منحرف ہو سکتا ہے۔

پیدائش جنگ عظیم ۱۴ء کے جنگی زمانے میں یہ جنگی اسپرٹ کا آدمی ۱۶ اکتوبر مطابق ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بروز جمعہ بوقت علی الصبح پیدا ہوا۔ گھر میں کوئی لڑکا نہ تھا۔ انتہائی خواہشوں کے بعد خدا نے گھر والوں کی مُراد پوری کی۔

تعلیم ہوش سنبھالا، اور ابتدائی دینی تعلیم اور اردو لکھنی پڑھنی سیکھی۔ ۱۹۲۴ء میں گھر پر انگریزی کا استاد رکھا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں حافظ رحمت اللہ صاحب سے مدرسہ دار الہدیٰ گشن گنج میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اور پہلی محراب مسجد حوض والی چیچی والان میں سنائی۔ فارسی عربی کی کتب مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھیں۔ ۱۹۳۰ء میں ادیب فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی میں دیا۔ عروض حضرت نواب سراج الدین احمد خاں سائل

اور مولانا ناصر جلالی سے حاصل کی اور ۱۹۳۵ء میں ہندی جیل کے اندر سیکھی۔ ادبی ذوق پیدا ہوا۔ ان کے والد نے مولانا راشد الخیریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ اور ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرایا۔

سیاسی ماحول

زمانہ پلٹ چکا تھا۔ مذہبی اکھاڑے، دیوبندی بریلوی قضیئے ٹھنڈے ہو چکے تھے اور اقتصادی بدحالی نے سیاسی جھگڑے چھیڑ دئے تھے۔ ماحول نیز طبیعتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور انتہائی بُرے مدارج پر پہنچ گئی ہے تو آپ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کی وجہ وہ شریف ٹولیاں اور راڈے ہیں جو مسلمانوں کے اوقاف پر قابض ہیں اور مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اوقاف کے سرمایہ کی حفاظت اور اس کے صحیح مصرف کرانے کا بیڑہ اٹھایا اور ۱۹۳۶ء میں جامع مسجد دہلی کے ممبر پر اصلاحی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔

جاہ پرست بھلا اس اصلاحی تحریک کو خاموشی سے کیسے برداشت کر سکتے تھے انھوں نے بھی مخالفت شروع کی اور تحریک کو دبانا چاہا، جتنی دبانے کی کوشش کی گئی وہ اُتنی ہی اُبھری۔ چنانچہ لوگوں نے منتظمہ کمیٹی جامع مسجد کی شکایتیں پیش کرنا شروع کیں دبی ہوئی چیزیں اُبھرنے لگیں۔

جہاں اور پریشان کن واقعات سامنے آئے وہاں ایک واقعہ یہ بھی آیا کہ امام جامع مسجد سید حمید سودی دستاویز لکھتے ہیں۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر جامع مسجد کے مقتدیوں کے لئے انتہائی پریشانی کا باعث بنا۔ شہر میں ایک بے چینی سی

پھیل گئی۔ سب کو اپنی نمازوں کی فکر ہوئی مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سود لینے یا دینے والا فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

چنانچہ ۳۶ء کے ایک جمعہ کا واقعہ ہے کہ جب مولانا صابری نے یہ واقعہ نماز جمعہ کے بعد جلسہ میں پیش کیا تو حاضرین جلسہ جن کی تعداد تقریباً پانچ ہزار تھی انہوں نے جمعہ کی دوبارہ نماز پڑھی اور آئندہ کے لئے فیصلہ کیا کہ وہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے

دعوتِ مباہلہ اس فیصلہ نے شہر کے کونہ کونہ میں منتظمہ کمیٹی کے خلاف آواز پہنچا دی ممبران منتظمہ کمیٹی بوکھلا گئے اور اعلان نکالا کہ یہ الزام غلط ہے۔ سید حمید نے سودی دستاویز نہیں لکھی۔ اس سلسلہ میں کافی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ آخر جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو مولانا صابری نے ۹ جولائی ۳۶ء جمعہ کے لئے ایک پوسٹر دعوتِ مباہلہ نکالا۔

مقدمات جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۹ جولائی کو نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد کے ارد گرد تقریباً پانچ سو پولیس کی جمعیت نے آکر مولانا صابری کو جامع مسجد کے دریبہ والے دروازے سے داخل ہوتے وقت ۱۰۷ نقص امن کی دفعہ کی ماتحت گرفتار کر لیا جس میں سال بھر کی ضمانت ایک ہزار روپیہ لی گئی ۳ جنوری ۳۷ء کو سردار دیو سنگھ مجسٹریٹ درجہ اوّل نے یہ فیصلہ سنایا۔

اسی اثناء میں اس مقدمہ کی کارروائی تیج میں شائع ہوئی اس میں سید حمید کی جگہ امام سید احمد کا نام کاتب کی غلطی سے کہیں کہیں لکھا گیا۔ یہ تیج کی شائع کردہ کارروائی نقل کر کے چند آدمیوں نے پوسٹر کی شکل میں شائع کر دی جس پر شمس العلماء "ہند" سید احمد نے ان چند آدمیوں (جن میں شیخ عبدالستار جنرل سکریٹری ملک مرچنٹ یونین سلیم الدین اور

میاں اکبرا مولانا صابری کے خلاف دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ مسٹر لوئیس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔ مولانا صابری اور ان کے حامیوں کی اس تحریک سے کیا غرض تھی وہ آپ امام سید احمد کی زبانی سُنئے۔ جو انہوں نے اس مقدمہ میں بحیثیت مستغیث عدالت مذکور میں ۲۵ مئی ۳۸ء کو اپنے بیان میں کہا۔

> مسلمانوں نے مجھے امام جامع مسجد منتخب نہیں کیا۔ میرے پاس کوئی سند عالم ہونے کی نہیں ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مسلمان پبلک کا یہ منشا ہے کہ وہ امامت کے عہدہ کا تقرر وراثتاً تبدیل کر کے کسی بہتر سے بہتر آدمی کا تقرر اس کی جگہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ملزمان کی پارٹی کا یہ منشا ضرور ہے جو ان کے شائع کردہ لٹریچر سے جو وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہتے ہیں پایا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ جب امام صاحب سے جرح کی گئی اور ان کو سودی دستاویزات دکھائی گئیں تو اس پر انہوں نے جو فرمایا وہ یہ تھا۔

> رہن نامہ یکم ستمبر ۳۰ء اور رہن نامہ دوئم ۱۲ جون ۳۰ء کو میرے بیٹے سید حمید نے تحریر کئے ہیں اس میں جو شرائط تحریر کی گئی ہیں وہ سود کی حد تک پہنچتی ہیں۔ ان رہن ناموں کا میرے بیٹے نے سود دیا لیکن بعد میں توبہ کر لی تھی۔ یہ رہن نامے رجسٹری شدہ ہیں۔

اس بیان کے بعد عدالت نے مولانا صابری کو ۱۷ ستمبر ۳۸ء کو دفعہ ۵۰۰ کے ماتحت چھ ماہ اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی اور عدم ادائیگی کی شکل میں تین مہینے مزید قید کی سزا دی جس کا اپیل عدالتِ سشن میں کیا گیا۔ ۲۰ جنوری ۳۹ء کو

اس کا فیصلہ مسٹر بھنڈاری سشن جج نے سنایا اور مولانا صابری کو بری کیا۔

کانگریس کمیٹی کی سکرٹری شپ

ان اصلاحی اور سیاسی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا صابری ۱۹۳۷ء میں دہلی کانگریس کمیٹی کے سکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ ہی کی سرگرمی میں دہلی صوبہ کی توسیع اور صوبہ اسمبلی کے قیام کی تحریک شروع کی گئی۔ اور ۲۲ جولائی ۱۹۳۸ء کو بطور پروٹسٹ ہڑتال کا پروگرام رکھا گیا جس کی قیادت کرتے ہوئے مولانا صابری مع اپنے ستر ساتھیوں کے سبزی منڈی پر پکیٹنگ کرنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے اور مسٹر کپور کی عدالت سے سزا پاکر جیل بھیج دیئے گئے۔

اس سزایابی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا صابری کی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت جو ۱۰۷ کے پہلے مقدمہ میں دی گئی تھی ضبط کر لی گئی۔

چوتھا مقدمہ ۵ اگست ۱۹۳۹ء کو فراش خانہ پر فار ورڈ بلاک کا جلسہ کرنے پر چلایا گیا۔ گرفتار ہوئے اور ۱۱ اگست کو سزایاب ہوئے۔ پانچواں مقدمہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۰ء کو دہلی سی۔ آئی۔ ڈی کے ڈپٹی گوپال داس نے ڈیفنس آف انڈیا ۳۹ دفعہ کے ماتحت خلاف قانون لٹریچر قبضہ سے نکلنے کے الزام میں دائر کیا۔ جس کی شنوائی کچھ عرصہ مسٹر لوئیس نے اور بعد میں ان کے تبدیل ہونے پر مسٹر البیر نے کی۔ چنانچہ انہوں نے ۷ فروری ۱۹۴۱ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا۔ اور ڈپٹی گوپال داس کے بیان پر یقین نہ کرتے ہوئے مولانا صابری کو بری کیا۔

چھٹا مقدمہ آپ پر میونسپل کمیٹی نے اگست ۱۹۴۱ء میں چلایا۔ جس میں ان کو ناکامیابی ہوئی اور مولانا صابری بری ہوئے۔

جماعتی ذمہ داریاں

آپ ۱۹۳۸ء و ۱۹۳۹ء میں دو سال تک مسلسل دہلی کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۴۰ء میں دہلی صوبہ فارورڈ بلاک کانفرنس کے صدر استقبالیہ اور ۱۹۴۱ء میں دہلی صوبہ فارورڈ بلاک کے صدر منتخب ہوئے۔ اور اسی سال آپ نے سی پی برار فارورڈ بلاک امراؤتی کانفرنس کی صدارت فرمائی۔

شادی

۹ اپریل ۱۹۳۹ء مطابق ۱۸ صفر ۱۳۵۸ھ کو حافظ عبدالحکیم صاحب مالک جنرل بوٹ ہاؤس کی صاحبزادی کے ساتھ عقد ہوا عقد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ العلماء ہند نے پڑھایا۔

حکومت کا عتاب

آپ ۱۹۴۰ء میں علاقہ نمبر ۸۔ انتخابی میں میونسپل کمیٹی کے انتخاب کے لئے امیدوار ہوئے۔ تو دہلی حکومت نے اجازت نہ دی اور وجہ یہ بیان کی کہ یہ شخص خطرناک ہے اور پولیٹیکل مقدمات میں سزا پاچکا ہے۔

امپرومینٹ یونین

۱۹۳۸ء کے وسط میں امپرومنٹ ٹرسٹ دہلی نے دہلی اجمیری گیٹ اسکیم چلانی چاہی اور اس میں صفائی وستھرائی کے بجائے علاقوں کا صفایا کرنا چاہا تو علاقہ اجمیری دہلی گیٹ کے باشندوں نے امپرومنٹ یونین کی بنیاد رکھی اور مولانا صابری کو اس کی صدارت پر فائز کیا۔

جس میں صابری صاحب نے حیرت انگیز کام کیا۔ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات جانا۔ شب و روز کے ایک طوفانی پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہوگئے میونسپل کمیٹی پر ہزاروں غمزدہ اور بیتاب انسانوں کے مظاہروں سے ممبران کو مجبور کیا

کہ وہ اس اسکیم کو اپنے اجلاس میں مسترد کر دیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا میونسپل کمیٹی کی میٹنگ میں وہ اسکیم مسترد ہوئی۔ جو اسکیم کے حامی تھے وہ بھی مخالفت کرتے نظر آرہے تھے اور حمایت کہتے نہ بنتی تھی۔ اس اسکیم کا میونسپل کمیٹی سے جنازہ نکالنے کے بعد اس کو دفنانے کے لئے نیو دہلی امپرومنٹ ٹرسٹ کے دفتر پر ماتمی جھنڈیوں سے مظاہرہ کیا گیا۔ جو اثر کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس جلوس کے بعد اس اسکیم نے اب تک سر نہیں اٹھایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈی ہو گئی۔

اصلاح میونسپل کمیٹی

سنہ ۱۹۳۸ء کے اختتام پر جب کہ امپرومنٹ ٹرسٹ دہلی کی اجمیری گیٹ دہلی سکیم سے مولانا صابری فارغ ہوئے تو میونسپل کمیٹی کی طرف توجہ دی اور ضروری سمجھا کہ جب تک پبلک کی دلچسپی میونسپل کمیٹی کے معاملات میں نہ پیدا کی جائے گی اس وقت تک میونسپل کمیٹی کا درست ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ دہلی کے آزاد خیال نوجوان طبقہ نے جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی قائم کی اور اس کا انتخاب کرکے مولانا صابری کو اس کا صدر بنایا۔

پانچ منٹ کے لئے بجلی گل

جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے میونسپل کمیٹی سے مطالبہ کیا کہ وہ خود دہلی میں بجلی سپلائی کرنے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے تاکہ ملکی سرمایہ غیر ملکی کمپنی کو نہ ملے۔

اس آواز پر میونسپل کمیٹی نے دہلی حکومت سے بجلی کے لائسنس کے ملنے کی اجازت چاہی جو نامنظور کر دی گئی۔ اس کشمکش میں میونسپل کمیٹی نے چیف کمشنر کے پاس اپنا پروٹسٹ بھیجا ادھر جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے بجلی کمپنی کے

خلاف قدم اٹھایا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ بجلی کے ریٹ میں تخفیف کرے اور جو یونٹ اس کو تین پیسہ میں پڑ رہا ہے اس کے چار آنے وصول نہ کرے۔

یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ دہلی کی پبلک غیر ملکی بجلی کمپنی کے ہاتھ میں بجلی سپلائی کرنے کا انتظام دینا پسند نہیں کرتی اور موجودہ بجلی کی قیمت کو زیادہ سمجھتی ہے جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے عملی قدم یہ اٹھایا کہ ۱۱ مئی ۱۹۳۹ء کو رات کے آٹھ بجے پانچ منٹ کے لئے بجلی گل کی جائے چنانچہ بجلی گل ہوئی اور رات کے آٹھ بجتے ہی آناً فاناً میں تمام شہر میں اندھیرا چھا گیا۔

ٹرامویے بائیکاٹ

دوسرا احتجاجی قدم ٹرامویے بائیکاٹ کا اٹھایا گیا ۷ جولائی ۱۹۳۹ء کو کوئی شخص ٹرامویے پر سوار نہیں ہوا اور ٹانگوں پر سفر ہوا۔

مکانات پر دگنا ٹیکس

۱۹۴۱ء میں مولانا صابری جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی کے دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ کمیٹی نے دگنا ہاؤس ٹیکس کرنا چاہا تو زبردست ایجی ٹیشن ہوا۔ ۲۷ جون ۱۹۴۱ء کو شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔

ٹیکس کا جنازہ

دگنے ہاؤس ٹیکس کے خلاف دوسرا قدم ۳ جولائی ۱۹۴۱ء کو میونسپل کمیٹی پر مظاہرہ کرنے کا اٹھایا گیا۔ اس مظاہرہ میں خاص چیز ڈبل ہاؤس ٹیکس کا جنازہ تھا جس نے واقعتاً دگنے ہاؤس ٹیکس کے حامیوں کے دم خم ختم کر دئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ یہ تجویز جنگ کے بعد تک ملتوی کر دی جائے۔

ایک لاکھ روپے سے آٹے کی دکانیں

خنگ کی وجہ سے دہلی میں غلّہ کے بیوپاریوں نے جب غریب و مفلس پبلک کو تنگ و پریشان کرنا شروع کر دیا تو جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے میونسپلٹی سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک لاکھ روپے سے آٹے کی دکانیں کھولے جس میں سستا اور اچھا آٹا سپلائی کیا جائے۔

اس تجویز کو کامیاب کرنے کے لئے احتجاجی جلسے ہوئے جلوس نکالے گئے جس کے سامنے کمیٹی کو جھکنا پڑا۔ اور اس نے دہلی کے تمام علاقوں میں ایک لاکھ روپے سے آٹے کی سستی دکانیں کھولیں۔

آل انڈیا غلّہ کانفرنس

۱۹۴۳ء میں کنٹرول کی بدانتظامیوں کے خلاف اصلاح میونسپل کمیٹی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان آل انڈیا غلّہ کانفرنس پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کی صدارت میں ہوئی۔ اس کے کرتا دھرتا یعنی جنرل سکریٹری مولانا صابری تھے۔ اس کانفرنس میں مسٹر ستیہ مورتی مسٹر ست نرائن سنہا ایم ایل اے۔ مسٹر سری پرکاش ایم ایل اے، مسٹر موہن لال سکسینہ ایم ایل اے وغیرہ نے تقریریں کیں۔

پیٹوں پر پتھر بندھا جلوس

اس کانفرنس کے روز پیٹوں پر پتھر باندھ کر جلوس نکلنے کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ جو انتہائی کامیاب ہوا۔ اور ہزاروں انسانوں نے بے کسی و بے بسی اور بھوک کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے اور "ہائے روٹی" "ہائے روٹی" کے نعرے لگا رہے تھے۔

تیغ کی ایڈیٹری

فروری ۱۹۴۳ء سے آپ نے اخبار تیغ دہلی کے ادارہ میں شرکت کی اور اڈیٹری کے فرائض اگست ۱۹۴۲ء تک انجام دیتے رہے۔ اخبار کی پالیسی اصلاحی رہی۔

نظربندی

۱۵ اگست ۱۹۴۲ء کو رات کے ڈھائی بجے فارورڈ بلاکسٹ ہونے کی حیثیت سے ڈیفنیس آف انڈیا ایکٹ میں گرفتار ہو کے نظر بند کر دئے گئے۔ اور پندرہ ماہ کی نظربندی کے بعد آپ دہلی جیل سے ۳۰ نومبر ۱۹۴۳ء کو رہا کئے گئے۔

دہلی جیل کے دروازے پر آپ کو نوٹس دیا گیا کہ آپ کسی سیاسی جلسہ میں شامل نہ ہوں۔ نہ دس آدمیوں سے زیادہ کے مجمع میں شریک ہوں۔ نیز علاقہ نمبر ۹ میں نظر بند رہیں۔ بلا اجازت اس سے باہر نہ جائیں۔ چنانچہ مولانا صابری آج کل علاقہ نمبر ۹ میں نظر بند ہیں۔

جیل کی زندگی

آپ کی جیل کی زندگی ہمیشہ خود دارانہ رہی۔ آپ نے کبھی جیل افسران کی خوشامد نہیں کی۔ جیل میں کبھی خاموش نہیں بیٹھے۔ اپنے اور ساتھیوں کے حقوق کے لئے جیل افسران سے لڑتے رہے مجھے مولانا صابری کے ساتھ دہلی جیل، ملتان جیل اور فیروز پور جیل کی نظربندی کے زمانے میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لئے میں یہ ذاتی تجربے اور مشاہدات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا صابری جب رہا ہونے کے لئے فیروز پور کیمپ سے دہلی جیل جا رہے تھے اور آپ کی رہائی کی اطلاع آئی تھی تو اس وقت

مسٹر ڈوگرہ انچارج کیمپ نے خاص طور پر مجھ کو یہ خوش خبری سنائی تھی کہ آپ کے خاص دوست آج رہائی کے لئے جا رہے ہیں میں نے اس پر ان سے پوچھا کہ ذرا صاف طور پر بتائیے تو انہوں نے کہا "ایک ایسا شخص رہا ہو رہا ہے جس کو دہلی حکومت بھی خطرناک سمجھتی ہے اور جیل افسران بھی۔"

تصنیف و تالیف مولانا صابری نے کافی عرصہ تک رسائل میں ادبی علمی مضامین لکھے اور جامعہ، عالمگیر، کلیم، تیغ، جمالستان، عروس خیال کے صفحات کو مزین کیا۔ آپ کو آغاز زمانہ سے تحقیقی مضامین لکھنے کا شوق تھا چنانچہ آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں اس بات کی شاہد ہے۔ جس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اور ہر طبقہ کے علماء مثلاً مولانا اشرف علی صاحب مرحوم، مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا محمد اسلم جے راجپوری، مولانا اصغر حسین دیوبندی، شمس العلماء مولانا عبد الرحمٰن، مولانا محمد قطب الدین عبد الوالی، مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا سید احمد ناظم مرکزی حزب الاحناف لاہور نے مولانا صابری کو داد تحسین دی تھی۔ اور ان کی مدلل تنقید کو سراہا تھا۔ چنانچہ حضرت سائل دہلوی کی بزرگانہ داد ملاحظہ ہو۔

میرے مرحوم دوست کا بچہ — قول کا پکا، بات کا سچا
مذہبی نوجوان، عالم دین — پیرو امر حق و شرع مبین
نور چشم جناب شرف الحق — دیکھنے والا دین کی رمز ادق
پوت اپنے پتا کا ہے وہ سپوت — اس کے اعمال سے ہیں ثبوت

اپنی سے نہیں ہوا وہ جُدا ندوہی علّامہ سے نہیں چوکا

گو رچہ بہر بڑا سلیماں سے بات کہنی پڑی ہے ایماں سے

بحث ہے جن امور پر باہم سامنے ہیں وہ بے زوائد و کم

اسپر آرائے مفتیان دیکھو داد اس کی سمجھ کی دل سے دو

طرز تحریر کس قدر ہے متین جس کا مطلق ملا جواب نہیں

پیش از پیش کر کے استصواب عاجز آیا نہ پایا کوئی جواب

مفتیانِ زماں سے کر کے اپیل حق بجانب سمجھ لی اپنی دلیل

کر لی تدوین مبحث و آراء از الف تا بہ حرف آخر یا

نیک نیت سے کر دیا اعلان ہیں غلط وہ معانی قرآن

جو لکھے ندوہ کے سلیماں نے جن کو مانا نہ ان کے ایماں نے

مندرج ہیں جو ذیل میں حضرات مستند باب دیں میں ہے بر ذات

مفتی صاحب کفایت اللہ ہیں محقق جن کے علم و فضل کا ہیں

مایۂ نازِ عالمانِ اسلم جن کا جیرا جپور ہے مقیم

دیوبندی محمد طیب ہے بجا گر کریں وہ نازِ ادب

واعظِ دہلوی یگانہ سعید احمد از ابتدا تا آخر عید

حضرت اشرف علی تھانہ بھون جو تھا کہنا وہ کہہ چکے بعلن

قائل امداد صابری کا چھپا اسکی مدحت سے کیوں رہیگا چپا

وہ تو دے گا اسے دعا ماثور اسکی آنکھوں کا ہے یہ تجیہ نور

ذوق علمی ہے اس کا اس کی مراد
وہ تہ دل سے دے گا اس کو داد

آپ کی دوسری تصنیف تاریخ جرم و سزا ہے۔ جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔ دوسری جلد آپ کے سامنے ہے۔ بقایا چار جلدیں چھپنی ہیں جن سے امید ہے کہ یہ جلدیں بھی پہلی جلد کی طرح ملک کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔

خورشید احمد کاظمی (سابق نظر بند)
فیروزپور کیمپ جیل۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی

فہرست مضامین

موجودہ ہندوستانی جیلوں میں قیدیوں کیساتھ سلوک

قیام

چکی کوٹھڑی۔ ۲۵

بارک۔ ۲۷

قیدیوں کا بند ہونا اور کھلنا۔ ۲۷

حوالاتی اور جیل۔ ۲۸

قیدی۔ ۲۹

بی کلاس قیدی۔ ۳۰

دیوانی قیدی۔ ۳۰

قیدی عورتیں۔ ۳۲

پھانسی کوٹھی۔ ۳۳

منڈا بارک ۳۴

ہسپتال ۳۵

پنجا ۳۵

گل قیدی ۳۶

یورپی کے ہندوستانی قیدیوں کا فرنیچر۔ ۳۷

یورپین کی کوٹھریاں اور فرنیچر۔ ۳۷

ہندوستانی قیدیوں کے سونے کی جگہ۔ ۳۷

یورپی کے پاگل قیدی۔ ۳۸

طعام

۳۸

روٹی کی نوعیت ۔ ۳۹

دال۔ ۴۰

ترکاری۔ ۴۰

کھانے کا برتن۔ ۴۰

چاول۔ ۴۱

بی کلاس کی خوراک ۴۱

اے کلاس کی خوراک ۴۲

خوراک یورپین قیدی ۴۲

خوراک ہندوستانی قیدی ۴۷

یو۔پی کے سی کلاس قیدیوں کی خوراک	۴۷	بال کٹائی۔	۵۹
حاملہ کی خوراک۔	۴۸	جھاڑو دینا۔	۶۰
سول قیدی کی خوراک۔	۴۸	پوچا۔	۶۰
تہواروں پر مراعات۔	۴۸	چرخہ کتائی۔	۶۰
لباس۔	۴۹	کھانا پکائی۔	۶۱
کپڑوں کی نوعیت۔	۴۹	پتّرہ چیلائی۔	۶۱
یوروپین قیدی کے کپڑے۔	۵۰	کپڑا سلائی۔ دُھلائی۔	۶۴
ہندوستانی قیدیوں کے کپڑے	۵۱	پریس۔	۶۵
نسلی امتیاز اور جیل کمیٹی۔	۵۱	لوہار۔	۶۵
یو۔پی کے سی کلاس قیدیوں کے کپڑے	۵۳	منشی گیری۔ پیشکاری۔	۶۶
بچّوں کا لباس۔	۵۴	جیل کی سزائیں	۶۸
نمبرداروں کا مزید لباس	۵۴	پھانسی۔	۶۹
سول قیدی کا لباس۔	۵۴	بیت لگانا۔	۷۱
کپڑے دھونا۔	۵۵	کال کوٹھڑی کی قید تنہائی	۷۶
جیل کی مشقتیں۔	۵۶	ڈنڈا بیڑی۔	۷۷
جگائی۔	۵۷	بیٹھی ہتکڑی۔	۷۸
مونجھ کٹائی۔	۵۷	کھڑی ہتکڑی۔	۷۹
آٹا پسوائی۔	۵۸	کھڑی بیڑی۔	۷۹
بان بٹائی۔	۵۸	ٹاٹ وردی۔	۷۹

لال دروازہ	۸۰
کوٹھڑی اور چکی	۸۰
کم خوراکی۔	۸۰
پولیس کی درگت۔	۸۱
رعایت یا رمیشن۔	۸۲
قیدیوں کی شرارتیں۔	۸۵
جیل میں عورتوں کا آنا۔	۸۵
شراب کا آنا۔	۸۶
بلیڈ کی چوری۔	۸۶
بیمار پڑنا۔	۸۶
بیمار پڑنے کی دوائیاں۔	۸۷
جیل کا جنگلہ کاٹنے کا طریقہ۔	۸۸
خطوط کی روانگی۔	۸۹
لواطت	۹۱
انگری کا تقرر۔	۹۱
قیدیوں کا گونہ میں روپیہ رکھنا	۹۲
جیلوں میں قیدیوں کی تجارت	۹۳
جیل میں اشیاء ممنوعہ پہنچانیکے طریقے	۹۳
جیل میں اشیاء ممنوعہ کی قیمت۔	۹۷
بیڑیوں کا راج	۹۸
حکام جیل کی بدعنوانیاں	۱۰۰
قیدی کی تلاشی۔	۱۰۰
پیشی۔	۱۰۱
ملکی سبزی۔	۱۰۲
مشقت لگانے کی فیس	۱۰۳
ملاقات کی فیس	۱۰۴
ہڑتال	۱۰۵
مجرم عورتیں۔	۱۰۷
زنانہ جیلیں۔	۱۰۷
مشقت۔	۱۰۸
مانٹلے جیل۔	۱۱۰
تعلیم۔	۱۱۱
جرم کی درجہ بندی۔	۱۱۱
دایہ۔	۱۱۱
عورتوں میں میڈیکل افسر مرد	۱۱۱
جیل کی عمارتیں۔	۱۱۲
ہندوستان کے قیدیوں کی تعداد	۱۱۲
جیلیں مشہور عمارتوں میں۔	۱۱۳

سرائے کارواں یا دہلی جیل ۱۱۴
جیلوں کی نوعیت۔ ۱۱۵
جیلوں کی مقام آبادی۔ ۱۱۵
اولڈ سنٹرل ملتان جیل۔ ۱۱۶
مطبخ۔ ۱۱۷
گندا پوچا۔ ۱۱۸
بے پردہ بیت الخلاء۔ ۱۱۸
نہانا۔ دھونا۔ ۱۱۸
انبالہ جیل۔ ۱۱۹
پانی کی قلت۔ ۱۱۹
نیو سنٹرل ملتان جیل ۱۲۰
فیروزپور کیمپ جیل۔ ۱۲۱
پکا کچن۔ ۱۲۱
بے پردہ بیت الخلاء۔ ۱۲۲
غسل خانہ۔ ۱۲۲
بجلی ۱۲۲
اکھاڑہ۔ ۱۲۳
کیمپ کی جائے وقوعہ۔ ۱۲۳
کیمپ کی قیام کی وجہ۔ ۱۲۳
جیل کا عملہ۔ ۱۲۴
نچلہ عملہ۔ ۱۲۵
جیل افسران ۱۲۶
وارڈر۔ ۱۲۷
وارڈر کی ڈیوٹیاں۔ ۱۲۸
وارڈر کی حیثیت ۱۲۹
نمبردار ۱۳۰
نمبرداروں کی تنخواہ ۱۳۲
غیر سرکاری وزیٹر۔ ۱۳۴
نابالغ قیدی۔ ۱۳۷
جرم کے اسباب۔ ۱۳۸
مجرم والدین کی اولاد ۱۳۹
بچوں کو قید کرنا جرم ہے ۱۴۰
ریمانڈ ہومز۔ ۱۴۱
بچوں کی عدالتیں۔ ۱۴۲
مصدقہ سکول۔ ۱۴۳
ریفارمٹری سکول۔ ۱۴۴
بورسٹل ۱۴۸
بورسٹل تعلیم کی چار ضروری باتیں ۱۴۸

جسمانی -	۱۴۹
دماغی تعلیم -	۱۵۱
اخلاقی تعلیم -	۱۵۱
صنعتی تعلیم -	۱۵۲
اچھا اسٹاف -	۱۵۲
آزمائشی رہائی -	۱۵۵
پیرول	۱۵۸
اتفاقی مجرم	۱۶۴
عادی مجرم	۱۷۳
جرائم کے اسباب	۱۷۵
انگریزی جرائم -	۱۷۵
ہندوستانی جرائم -	۱۷۶
عادی مجرموں کی قسمیں	۱۷۷
دوبارہ مجرموں کا علاج -	۱۷۸
مجرموں کی بستیاں -	۱۷۹
عادی مجرموں کی تقسیم -	۱۸۳
علاج	۱۸۶
دماغی حالت اور جرم	۱۸۷
بیماروں کی جیلیں -	۱۸۹
ہندوستانی جیل ہسپتالوں کی ناگفتہ بہ حالت	۱۸۹
یونانی ادویات اور جیل افسران -	۱۹۳
یونانی مفردات کا عجیب طریقہ استعمال	۱۹۳
میڈیکل عملہ کی ناواقفیت	۱۹۴
قیدیوں کے ساتھ رہائی کے بعد سلوک	۱۹۵
جماعت امداد قیدیاں -	۱۹۵
پولٹیکل قیدی -	۲۰۵
کھانا -	۲۰۶
لباس	۲۰۷
ڈاڑھی مونڈنے کا دستور	۲۰۸
کاغذ کوٹنے کی مشقت -	۲۰۸
پیدل چالان -	۲۰۸
سنہ ۱۹۰۵ء کا لباس -	۲۰۹
ریل کا کرایہ -	۲۱۰
کثیف وغلیظ بدبودار کپڑے	۲۱۰
کتابیں جلانا -	۲۱۰
منتقمانہ سلوک -	۲۱۰
برہنہ کرکے تلاشی لینا -	۲۱۱

پیخانہ پریڈ۔ ۲۱۲
مشقتیں۔ ۲۱۳
کولھو چلانا۔ ۲۱۳
رکشا چلانا۔ ۲۱۴
پتھر پھوڑنا۔ ۲۱۴
ٹاٹ وردی کی سزا۔ ۲۱۵
خودکشی۔ ۲۱۶
پاگل پن ۲۱۷
سنہ ۱۹۱۵ء میں پولیٹیکل قیدی ۲۱۷
خراب کھانا اور جوُ دار کپڑے۔ ۲۱۸
کھانا پریڈ۔ ۲۱۹
پولیٹیکل قیدی کے بینتیں لگنا ۲۱۹
مراعات یا تفریق۔ ۲۲۰
خودداری کا خون۔ ۲۲۲
ہتکڑی لگنا۔ ۲۲۳
بی کلاس قیدی۔ ۲۲۴
سی کلاس قیدی۔ ۲۲۵
ہسپتال کی ادویات۔ ۲۲۷
تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش۔ ۲۲۷
نظربندی سنہ ۳۲ء ۲۲۸
دہلی جیل کا کارخانہ۔ ۲۲۹
یورپین وارڈر۔ ۲۳۰
اے کلاس نظربند کا سامان ۲۳۰
لباس گرمی۔ ۲۳۱
لباس سردی۔ ۲۳۱
برتن و خوراک۔ ۲۳۱
بی کلاس نظربند کا سامان ۲۳۲
سردی کا لباس۔ ۲۳۲
خوراک و برتن۔ ۲۳۲
اولڈ سنٹرل ملتان جیل ۲۳۳
گاندھی ٹوپی پہننا ممنوع ۲۳۴
مہنت کی شان۔ ۲۳۵
کلاس کا خاتمہ ۲۳۵
سپرنٹنڈنٹ ملتان جیل قیدیوں کا دشمن ہے۔ ۲۳۶
انبالہ جیل ۲۳۸
چھ آنہ یومیہ کی خوراک۔ ۲۳۸
دلیسری۔ ۲۳۹

تفریح - ۲۴۰
ماتمی فضا - ۲۴۱
انبالہ جیل کا سامان ۲۴۱
ایڈوائزری بورڈ کی آمد ۲۴۲
قدرتی انتقام ۲۴۳
فیروزپور کیمپ جیل ۲۴۴
ہیڈ وارڈ کی شرارت ۲۴۶
انسپکٹر جنرل کی آمد ۲۴۸
پی-بی کا سامان - ۲۴۸
آٹھ خط ۲۴۹
الاؤنس ۲۴۹
مشترکہ کچن ۲۵۰
مصروفیات ۲۵۰
کھیل ۲۵۱
مشاعرے ۲۵۱
ڈرامہ ۲۵۲
پیٹ پوجا ۲۵۳
سیوا - ۲۵۳
ہون ۲۵۴
رہائیاں ۲۵۴
رہائی یا قید - ۲۵۵
جمعداری ۲۵۶
ہمارا ڈاک گھر ۲۵۹
مٹھائیاں ۲۶۰
گنے کی چوری ۲۶۱
سیاسی قیدیوں کی قسمیں - ۲۶۳
لیڈر ۲۶۳
ڈکٹیٹر ۲۶۸
والینٹیئرز ۲۷۱
جیل کی شاعری ۲۷۳
بنئے کی جیل یاترا - ۲۷۳
بنئے کی وطن پرستی - ۲۷۴
گھی چھ تولا - ۲۷۵
ہماری کمزوریاں ۲۷۷
ضمیمہ ۲۸۱
سنہ ۱۹۴۲ء کی تحریک کے مخصوص نظر بندان دہلی کے حالات

۱۹۸۶ء

تالیف کی دقتیں

علاقہ کی نظربندی اور پھر جنگ کا زمانہ ان دونوں چیزوں نے حسب منشا جلد اول کا دوسرا حصہ مرتب نہیں ہونے دیا۔

جیل سے یہ خیال لے کر باہر نکلا تھا کہ تمام صوبوں کی جیل رپورٹیں منگا کر ہر صوبہ کی تاریخ جیل کا مطالعہ کیا جائے گا اور اپنی ذاتی معلومات کے ساتھ اس رپورٹی معلومات کو کتابی شکل دیجائے گی۔ مگر افسوس یہ خیال بدرجہ اتم پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

صوبوں کے سرکاری پبلشنگ ہاؤسوں کو لکھا تو انہوں نے اس لٹریچر کے دینے سے گریز کیا۔ بعض نے نہ دینے اور نہ بھیجنے کے بہانے تراشے مگر سب سے صحیح اور دل کی بات گورنمنٹ پرنٹنگ بنگال کے سپرنٹنڈنٹ نے

تھی کہ جنگ کے دوران میں اس قسم کا لٹریچر فراہم نہیں کیا جا سکتا۔

اس حاکمانہ جور اور دقت کی موجودگی میں علاقہ سے باہر قدم نہ رکھنا اور دہلی کی لائبریریوں کی کتب سے بھی محروم رہنا بڑی رکاوٹ کو فت تھی۔ جو ہر لمحہ محسوس ہوتی تھی۔

ان مجبوریوں کی موجودگی میں یہ تالیف تیار ہوئی ہے جو پیش نظر ہے الحمدللہ پہلی جلد اہل علم حضرات نے پسند کی اور اہل ذوق نے ہاتھوں ہاتھ لی جس کی وجہ سے اس کا دوسرا ایڈیشن فوراً ہی شائع کیا جا رہا ہے۔

ہم اس سلسلے میں مولوی عبدالحق صاحب فاروقی مالک "نیا کتاب گھر" دہلی کے مشکور ہیں۔ جنہوں نے مارکیٹ میں کتاب کو مقبول کرانے کی بے انتہا کوشش کی۔ اور اس کی جلدیں خرید کر نکاسی کا بار برداشت کیا۔

امداد صابری (نظر بند)

چوڑیوالان۔ دہلی

(مطبوعہ جناح پریس دہلی)

(پبلشر امداد صابری۔ چوڑیوالان۔ دہلی)

مولینا امداد صابری پولس کے نرغه میں

موجودہ ہندوستانی جیلوں میں قیدیوں کیسا سلوک

قیام سی کلاس کے سیاسی قیدیوں کو جیل میں داخلے کے بعد کال کوٹھری" یعنے چکی کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ جس کی مدت تمام قید بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ عموماً ہر قیدی کو رات دن ایک ماہ اس میں رہنا پڑتا ہے۔ یوں جیلر یا جیل حکام کی عنایت یا ساز باز سے جلد بھی کال کوٹھری سے قیدی کو چھٹکارا مل سکتا۔

چکی کوٹھری کال کوٹھری ساڑھے چار فٹ چوڑی، چھ فٹ لمبی ہوتی ہے جس میں ایک مٹی کا دو فٹ چوڑا اور ڈھائی فٹ اونچا چبوترا ہوتا ہے، جو نا ہموار اونچا نیچا کھٹملوں اور چیونٹوں سے پُر ہوتا ہے۔ باقی جگہ جو بچتی ہے اس میں ایک بستره (آہنی پارٹ) رکھا جاتا ہے۔ جس میں سے قیدی حوائج ضروری سے فارغ ہوتا ہے۔ پانی پھیلنے کی وجہ سے سیل پیدا ہو جاتی ہے۔ مچھروں کی کثرت، روشنی نہ ہونے کی وجہ سے اندھیارا ہی اندھیارا ہوتا ہے

کبھی کھٹمل کاٹتے ہیں، کبھی مچھر حملہ آور ہوتے ہیں۔ کبھی چیونٹے گھس جاتے ہیں۔ ایک کروٹ کل سے نہیں گذرتی۔ کروٹ بدلتے بدلتے رات یوں ہی گذر جاتی ہے غنودگی طاری بھی ہوتی ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد نمبردار، جمعدار تالہ کھٹ کھٹانے لگتا ہے اور اسکو "بول جوان" کی صدا دماغ کو چوکنا کر دیتی ہے اور پلکیں ہٹ دیتی ہے۔

شروع میں متمول قیدی کے دن تکلیف دہ گذرتے ہیں۔ جس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ جگائی (کاغذ بنوائی) کی مشقت لی جاتی ہے۔ مونجھ کٹوایا جاتا ہے۔ چکی پسوائی جاتی ہے اور اس وقت تک اس پر رحم نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس سے کچھ جھپٹ نہ لیا جائے۔

ایک بنئے قیدی کا یہی حشر ہوا جو انکم ٹیکس کے حساب میں گڑ بڑ کرنے کے سلسلے میں قید ہو کر آیا تھا۔ اس کو جیل حکام نے ایک ماہ تک چکیوں میں بند رکھا جس کی بناء پر وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ رشتہ داروں نے بھاگا دوڑی کی اور جیل حکام کو کچھ چٹایا۔ ماہوار مقرر کیا تو اس کو ایک ماہ کے اندر ہی اندر نمبردار بنا دیا گیا۔ حالانکہ قانوناً نمبردار تین ماہ پہلے ہرگز کوئی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح ایک مسلمان قیدی کا بھی مشہور واقعہ ہے کہ وہ سی کلاس میں اخلاقی قیدی ہو کر آیا۔ مالدار ہونے کی وجہ سے اس کو تنگ و پریشان کیا گیا۔ جس نے آخر تنگ آکر ہتھیار ڈال دئے۔ حکام جیل کا نذرانہ مقرر ہوا۔ تو اس کو انتہائی رعایتیں ملنا شروع ہو گئیں۔ وہ دفتر میں جاتا اور اپنے گھر کے آئے ہوئے کھانے اس کو کھانے کے لئے ملتے۔ پھل اور ترکاریاں اس کو دی جاتیں۔

حالانکہ جیل کے قانون کے مطابق کسی سی کلاس اخلاقی قیدی کو سوائے جیل کے کھانے کے باہر کا کھانا دینا سخت ممنوع ہے۔

بارک ایک ماہ بعد سی کلاس قیدی کال کوٹھری سے "بارک" میں جاتا ہے ان بارکوں میں ۳۵ قیدیوں سے لے کر سو قیدیوں تک رکھے جاتے ہیں۔ بارکیں محراب دار، ہر محراب کی دیوار میں جالی دار دروازہ "اور دو رخی کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ دیواریں کچی مٹی سے لپی ہوئی اور اس کے گیارہ گیارہ پٹڑ تک کھٹملوں سے بھرے رہتے ہیں۔ ایک بارک میں ایک بیت الخلا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بارک موسم گرما میں بھاڑ کوڑی کا در بھٹی معلوم دیتی ہے

قیدیوں کا بند ہونا اور کھلنا قیدیوں کو بارک میں سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے بند کیا جاتا ہے۔ اور صبح کو سورج نکلنے سے پیشتر کھولا جاتا ہے۔ بارک میں سب سے زیادہ تکلیف دہ نمبرداروں کی آوازیں ہوتی ہیں۔ جو نمبردار اسی بارک میں بند ہوتے ہیں اور رات کے ۹ بجے سے صبح ۶ بجے تک "سب اچھا" کی آوازیں لگاتے ہیں۔ یہ نمبردار تین ہوتے ہیں جن کی ڈیوٹی تین تین گھنٹے کی ہوتی ہے۔

صبح ہوتے ہی نمبردار قیدیوں کو جگانے کے لئے آتا ہے اور "اٹھ جوان" کی آواز لگا لگا کر قیدیوں کو اٹھاتا ہے۔ بارک کے تمام قیدی بیدار ہونے کے بعد بارک کے باہر لائن میں دو دو کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں ان کی گنتی ہوتی ہے۔ گنتی ہونے کے بعد ضروری چیزوں سے فارغ ہو کر قیدی مشقت کے لئے کارخانے بھیج دیئے جاتے ہیں جہاں اُن کو آدھ پاؤ بھنے

ہوئے چنے، چھٹانک بھر گڑ ملتا ہے۔ جو بالکل سیاہ اور نکمہ ہوتا ہے۔ قیدی ان چیزوں کو کھا کر اپنی مشقت پر لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو بارہ بجے سے دو گھنٹے کے لئے چھٹی مل جاتی ہے۔ دو بجے تک وہ بارکوں میں رہتے ہیں۔ لیکن موسم سرما میں قیدیوں کو کارخانے میں ہی رکھا جاتا ہے۔ مطبخ سے ان کے لئے وہی کھانا آتا ہے۔ دو بجے پھر مشقت پر چل جاتے ہیں۔ شام کے پانچ بجے چھٹی ہو جاتی ہے بارکوں میں کھانا دیا جاتا ہے۔ اور گنتی کے بعد بارکوں میں قیدی بند کر دئے جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ دہلی جیل کا ہے۔

حوالاتی اور جیل

جب پولیس کسی حوالاتی کو معہ اس کے وارنٹ گرفتاری کے جیل حکام کے سپرد کر دیتی ہے تو سب سے پہلے اس کا معائنہ اسسٹنٹ آفیسر کرتا ہے۔ اور اس کی جسمانی حالت اور ملکیت کی تفصیلات رجسٹر میں درج کر لیتا ہے۔ دوسرے دن جیل کا سپرنٹنڈنٹ اس کا معائنہ کرتا ہے۔ یہی طریقہ سزا یافتہ قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حوالاتیوں کو قیدیوں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ بڑے جیل خانوں میں ان کے لئے علیحدہ احاطے ہوتے ہیں جن کا دروازہ بھی لازماً علیحدہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حوالاتیوں میں ڈاکے وغیرہ کے خطرناک ملزمین آ جاتے ہیں۔ تو انھیں مزید تحفظ کے لئے جیل کے اندر علیحدہ کوارٹر میں رکھا جاتا ہے۔

حوالاتیوں کو اپنے کپڑے اور بسترے استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ کھانا بھی گھر سے آ سکتا ہے۔ کتابیں بھی دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنے خرچ پر مناسب مقدار میں سگرٹ تمباکو حاصل کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ کسی دوسرے شخص کو یہ

چیزیں نہ دیں۔

قیدی عمر اور سابقہ حالات کے لحاظ سے ہندوستان کے قیدی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ درجہ مجسٹریٹ مقرر کر دیتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے درجہ بندی سپرنٹنڈنٹ جیل کرتا ہے۔ جو حسب ذیل ہوتی ہے۔

نوعمر قیدی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک پندرہ سال کی عمر تک اور دوسری ۱۵ سے ۲۱ سال تک کی عمر کے۔ یہ دونوں قیدی اتفاقیہ قیدی کہلاتے ہیں عام قیدی کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ اتفاقی اور عادی۔ اتفاقی بھی دو قسم کی ہوتے ہیں سٹار اور غیر اسٹار قیدی۔

جب سے بچونکا ایکٹ اور بوسٹل ایکٹ نافذ ہوا ہے۔ نوعمر قیدیوں کی درجہ بندی کر کے انھیں جونیر اور سینیر مستند قیدیوں میں بھیجا جاتا ہے یا کچھ عرصے کے لئے بورسٹل انسٹی ٹیوشن میں رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی نوعمر قیدی بورسٹل سکول کے قابل نہ ہو تو اس کو بچوں کی جیل میں رکھا جاتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سزا یافتہ قیدی اپنی سزا کا پہلا حصہ اپنے مقامی ڈسٹرکٹ جیل میں گذارتے ہیں۔ اگر سزا مختصر ہو تو اسی جیل میں رہا کر دئے جاتے ہیں۔ ورنہ کچھ عرصے کے بعد انھیں سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی قیدی کو خاص درجہ بندی کلاس دی جاتی تو اسے جلد سے جلد کسی ایسے اسپیشل جیل میں بھیجا جاتا ہے جہاں اس درجہ کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔ سلہ انڈین پریزنس صفحہ ۱۰، ۱۱

پنجاب کی جیلوں میں صبح کو بیدار ہوتے ہی روٹی یا دلیہ دیا جاتا ہے۔ جس میں ان کو اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ منہ ہاتھ دھو سکیں جب قیدی کھانا کھا کے کلی کرنے جاتے ہیں تو کلی کرتے ہوئے منہ پر پانی کا چھپکا مار لیتے ہیں۔ گویا وہ ان کا منہ دھل جاتا ہے۔ جب کارخانہ بھیجتے ہیں تو بیت الخلاء جانے کا وقت ملتا ہے۔ بارہ ایک بجے چنے اور گڑ تقسیم ہوتے ہیں۔ بارہ سے دو بجے تک چھٹی ہوتی ہے۔ اور پھر قیدی مشقت میں جُت جاتے ہیں۔ اور پانچ بجے بارکوں میں پہنچتے ہیں۔

بی کلاس قیدی

بی کلاس قیدیوں کو دہلی جیل میں چیچک ہسپتال کی پختہ بلڈنگ میں رکھا جاتا ہے۔ اس میں دو کمرے ہیں اور ایک صحنچی ہے جس میں بمشکل تمام سات چارپائیاں آتی ہیں۔ صحنچی کے سامنے مغربی جانب سلاخوں والی جالیدار دیوار ہے۔ صحنچی کی اونچائی ساڑھے آٹھ فٹ ہے اور کمروں کی اونچائی گیارہ فٹ ہے۔ دونوں کمرے چوڑائی اور لمبائی میں بارہ بارہ فٹ ہیں، جس میں چار چار آدمی چارپائی بچھا کر لیٹ سکتے ہیں۔ فلش سسٹم اندرون بلڈنگ مغربی جانب ہے۔ وہیں دو نل ہیں۔ بجلی لگی ہوئی ہے۔ اسی بلڈنگ میں ڈاکٹر انصاری مرحوم رہ چکے ہیں۔ اور یہاں دور حاضرہ کے لیڈر رکھے جاتے ہیں۔

دہلی جیل میں بی کلاس کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے جب تک حوالاتی پوزیشن رہتی ہے اس وقت تک قیدی کو یہیں رکھا جاتا ہے۔ سزا ہونے کے بعد فوراً بی کلاس قیدی کو لاہور سنٹرل جیل میں بھیجدیا جاتا ہے۔

دیوانی قیدی

جو لوگ قرضدار ہوتے ہیں، یا دھندگی کے جرم میں سزا پاتے

ہیں ان کو دیوانی قیدی کہا جاتا ہی۔ دیوانی قیدی مجرم قیدی کے ساتھ نہیں رہتے بلکہ
ان کے لئے ایک علیحدہ کوٹھری ہوتی ہے۔ ان کے الگ کپڑے ہوتے ہیں یہ علیحدہ
اپنا کھانا پکاتے ہیں۔ ان کو سگرٹ بیڑی پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ کتابوں کا
بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ان کو یہ بھی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے
میں کارروائی کر سکیں۔ ان کے اس کھانے کپڑے اور ظروف کی قیمت کا ذمہ دار
ڈگری دار ہوتا ہے۔ جو ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو رقم مقررہ پہنچا دیتا ہے۔ اگر پہلی تاریخ
کو رقم جیل افسران کے پاس نہ پہنچی تو وہ اس کو رہا کر دیتے ہیں۔

عام طور پر جیل افسران دیوانی قیدیوں سے خوب کمائی کرتے ہیں۔ پہلی
تاریخ کو ڈگری دار خوراک کا خرچ جمع کرنے آتا ہے تو اس کو ٹال دیتے ہیں۔ اور
اس سے رقم مقررہ نہیں لیتے۔ دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد قیدی کو چھوڑ دیتے
ہیں۔ اور اس کے سمن پر لکھ دیتے ہیں کہ خرچ خوراک ڈگری دار نے داخل نہیں
کیا۔ اس لئے رہا کیا جاتا ہے۔

ان طریقوں سے کافی دیوانی قیدی رہا ہو چکے ہیں۔ اور ڈگری داروں
نے کف افسوس و حماقت ملا ہی۔

یہ دیوانی قیدی عام طور پر اچھے حالتوں میں نہیں رکھے جاتے۔ پانچ پانچ
چھ چھ قیدیوں کی جگہ بارہ بارہ قیدی ٹھونس دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یوپی کے
جیلوں کی تحقیقاتی کمیٹی ۱۹۲۹ء گورکھپور جیل کے دیوانی قیدیوں کی رہائش کے
بارے میں لکھتی ہی۔

کہ دیوانی قیدیوں کا انتظام رہائش قابل اطمینان نہیں ہی ہمنے دو ورقے

وقت دیکھا کہ ایک وقت میں بارہ بارہ آدمی اس مقام پر رکھے ہوئے پائے گئے۔ جس میں چھ آدمی سے زیادہ نہیں رکھے جا سکتے۔

پنجاب کے سنٹرل جیلوں میں اور خاص طور پر لاہور سنٹرل جیل میں قیدی کی چار حیثیتیں ہیں۔ شاہی قیدی، یورپین قیدی، پولیٹیکل قیدی، اخلاقی قیدی۔ ان قیدیوں کے لئے الگ الگ وارڈ بنے ہوئے ہیں۔ یورپین قیدیوں کی رہنے کی جگہ کو یورپین وارڈ کہتے ہیں۔ پولیٹیکل قیدیوں کے قیام کی جگہ کو ٹیررسٹ وارڈ کہا جاتا ہے۔ ایک کوٹھری تین تین پولیٹیکل قیدیوں کے لئے ہوتی ہے۔ جو مقفل نہیں بلکہ ہر وقت کھلی رہتی ہے۔ جب پولیٹیکل قیدی زیادہ ہو جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک بارک کھل جاتی ہے۔ جس میں ان کو رکھا جاتا ہے۔ شاہی قیدیوں کے لئے الگ کوٹھریاں ہیں۔

صبح کو اٹھتے ہی اخلاقی سی کلاس قیدیوں کے علاوہ ہر سہ قیدیوں کو چاء ملتی ہے اور ہر پڑھے لکھے قیدی کو پریس میں مشقت کے لئے بھیجدیا جاتا ہے پریس میں گورنمنٹ کے دفتری کاغذات چھپتے ہیں جن کو یہ لوگ اپنی نگرانی میں مختلف صوبوں کی کچہریوں اور سرکاری دفتروں میں بھجواتے ہیں۔ وہاں بھی بارہ بجے تک کام ہوتا ہے اور بارہ سے دو بجے تک آرام لینے کے لئے چھٹی دی جاتی ہے۔ اور پھر پانچ بجے تک پریس میں رہتے ہیں اور اپنی مشقت کو انجام دیتے ہیں۔

ہر سہ قیدی ڈنڈ بیٹھک، والی بال کھیل سکتے ہیں۔ تاش کھیلنے کی عام اجازت ہے۔ شاہی قیدی اور نظر بندوں سے کچھ کام نہیں لیا جاتا۔

قیدی عورتیں | سی کلاس عورتیں دہلی جیل میں فیمل وارڈ میں رہتی ہیں اور کافی

تالوں میں بند کی جاتی ہیں۔ فیمیل وارڈ ایک مکان نما الگ تھلگ وارڈ ہے جس کا صحن تین گز لمبا اور تین گز چوڑا ہے۔ اور دو ڈھائی گز لمبائی اور چوڑائی پر مشتمل ہے ایک صحن کے سامنے بارک ہے۔ اور دوسری بارک دالان میں ہے جس میں عورتیں بند کردی جاتی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال اور کھانے وغیرہ پہنچانے اور تلاشی لینے کے لئے ایک عورت ملازمہ رکھی جاتی ہے۔ جس کے پاس اس کی کنجی ہوتی ہے۔ اسکی دوسری کنجی چیف وارڈر اپنے پاس رکھتا ہے۔ لیکن فیمیل وارڈ کے تالہ کو اسوقت تک نہیں کھول سکتا جب تک میٹرن اس کے ساتھ نہ ہو۔ اسی وارڈ میں قیدی عورتوں سے مشقت لی جاتی ہے۔

بی کلاس قیدی عورتوں کے لئے یورپین بارک کے سامنے ایک زنان خانہ ہے جس میں ایک بارک ہے ایک برآمدہ ہے اور بیچ میں صحن ہے اور ایک غسل خانہ اور فلش سسٹم ہے۔ عورتیں برآمدے یا صحن میں سوسکتی ہیں۔ یہ عورتیں اس وقت تک زنانخانہ یا فیمیل وارڈ میں رکھی جاتی ہیں۔ جب تک ان کو سزا کا فیصلہ نہیں سنا دیا جاتا۔ سزا ہوتے ہی اسی دن یا زیادہ سے زیادہ دوسرے دن ان کو "زنانہ جیل" لاہور میں بھیجدیا جاتا ہے۔ جہاں عورتیں ہی عورتیں قیدی ہوتی ہیں۔ اور سرکاری ملازمان بھی عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں۔

پھانسی کوٹھی

قتل کے قیدی مقدمہ کے فیصلے ہو جانے سے پہلے بارکوں وغیرہ میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رہتے ہیں۔ لیکن پھانسی کی سزا ہونے کے بعد پھانسی کوٹھی میں بند کردئے جاتے ہیں۔ پھانسی کوٹھی پر سخت پہرہ لگا دیا جاتا ہے اس لئے کہ کہیں قیدی اپنی جان کو زک نہ پہنچائے یا خودکشی نہ کرلے

جو بیس گھنٹے میں قیدی کو دو گھنٹے پھانسی کے سامنے ٹہلنے کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ جس کے دونوں ہاتھوں میں بیڑیاں لگادی جاتی ہیں اور ایک جمعدار اس کی سخت نگرانی رکھتا ہے۔ پھانسی کوٹھی میں رات کو ہر وقت روشنی رہتی ہے۔ بجلی کی بتیاں گل نہیں کی جاتیں۔ پھانسی قیدی سے جیل حکام بہت گھبراتے اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ پھانسی ہونے سے پہلے قیدی اپنا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ اگر پھانسی قیدی بہادر اور عالی حوصلہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے جیل حکام بہت جھکے رہتے ہیں اور اپنی ذراسی غلطی پر قیدی سے معافی مانگ لینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ قیدی کو پھانسی دینے کے بعد اس کی لاش کو اس کے عزیز و اقارب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پنجاب کی جیلوں کی طرح یوپی کے جیلوں میں ان قیدیوں کو علیحدہ کوٹھری میں رکھا جاتا ہے اور نگراں بھی علیحدہ مقرر ہوتے ہیں۔

یوپی کی جیل کمیٹی ۱۹۲۹ء نے ان قیدیوں کے پھانسی گھر کے قیام پر جو پھانسی کوٹھریوں سے بہت دور فاصلے پر بنے ہوئے ہیں اعتراض کیا تھا اور سفارش کی تھی کہ ان کو قریب بنانا چاہیئے تاکہ قیدیوں کو پھانسی کوٹھری کو پھانسی گھر میں جانے میں دقت نہ ہو۔ ان قیدیوں کو "کنڈم قیدی" کہا جاتا ہے[1]

منڈا بارک لڑکوں کے لئے ایک منڈا بارک ہے۔ جس میں قیدی حوالاتی شکل میں رہتے ہیں۔ بالغ قیدی اس میں نہیں رکھے جاتے سزا ہونے کے بعد فوراً ان قیدیوں کو بوسٹل جیل لاہور میں بھیجدیتے ہیں۔ جو لڑکوں کے لئے مخصوص جیل ہے۔ اس میں لڑکوں کو دستکاری پڑھنا لکھنا وغیرہ سکھایا جاتا ہے۔

---

[1] رپورٹ انتظامیہ صوبہ یوپی ۱۹۲۸ء

ہسپتال بیمار قیدیوں کو ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اگر قیدی کی حالت رات کو بھی خراب ہو جاتی ہے تو نمبردار "سب اچھا" کہنے کے ساتھ ایک بیمار دو بیمار کی آواز لگاتا ہے۔ جس سے تمام جیل میں بھنبھنی پھیل جاتی ہے اور ڈاکٹر فوراً خواہ اس وقت کچھ ہی کیوں نہ کر رہا ہو اور کچھ ہی کیوں نہ بجا ہو اپنے گھر سے اٹھ کر جیل میں بیمار کے معائنے اور بارک وغیرہ سے ہسپتال میں تبدیلی اور علاج کرنے کے لئے بیمار کو لاتا ہے۔ جہاں بیمار قیدی کو ایک گدے اور سپرنگ دار چارپائی پر سلایا جاتا ہے۔ جس میں گرمیوں کے موسم میں بجلی کا پنکھا ہوتا ہے جب مریض اچھا ہو جاتا ہے تو اس کو اس کے سابقہ مقام پر تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

اگر مرض خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کو مقامی ہسپتال میں جیل سے منتقل کر کے داخل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں پولس کے پہرہ میں قیدی رہتے ہیں تندرستی کے بعد قیدی جیل واپس بھیج دیا جاتا ہے اگر قیدی بیماری میں مر جاتا ہے تو اس کو اس کے اعزا و اقربا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اگر لاوارث ہندو قیدی ہوتا ہے تو اس کا جیل کے خرچے پر کریا کرم کر دیا جاتا ہے اور مسلمان لاوارث قیدی کو نئے قبرستان میں جیل کے قریب دفن کر دیا جاتا ہے۔

پہنچا جب لمبے سزا والے یا معمولی قیدیوں کے دن تھوڑے رہ جاتے ہیں تو انکے پاؤں میں ایک لوہے کا کڑا ڈال دیا جاتا ہے اور جیل کے باہر کے کاموں کے لئے یعنی جیل حکام کے کام کاج، جیل کے بیرونی حصہ کے جھاڑو وغیرہ دینے جیل کے کھیت میں پانی پہنچانے، کھیت سے سبزیاں لانے کا کام کرتے ہیں۔ اس باہر کے قیدیوں کو باہر کا پنچا کہا جاتا ہے۔

ان لوگوں کے پاؤں میں آہنی کڑا اس لئے ڈالا جاتا ہے تاکہ کھیت وغیرہ میں آندھی آنے، اور بارش ہونے کی شکل میں ان کے کڑے میں لوہے کی بیل (آہنی زنجیر) سلسلہ وار ڈال دی جاتی ہے اور اس بیل کو کسی مضبوط جگہ ڈال کر مقفل کر دیا جاتا ہے۔ یہ کام جیل کے ملازم جمعدار اور ہیڈ جمعدار انجام دیتے ہیں۔ جن کی ڈیوٹیاں پنجے کے ساتھ ہوتی ہیں پنجے کے آدمی دوپہر کو بارہ بجے دو گھنٹے کے لئے کھیت سے جیل میں آتے ہیں۔ اور پھر دو بجے کھیت میں جیل سے چلے جاتے ہیں اور شام کو پانچ بجے پھر واپس آتے ہیں۔

پاگل قیدی

پاگل بھی دہلی جیل میں رکھے جاتے ہیں۔ آج کل دس بارہ پاگل قیدی دہلی جیل میں موجود ہیں۔ ان پاگل قیدیوں کو وہی کھانا ملتا ہے جو عام قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو کال کوٹھری میں مستقل طور پر رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ گرمیوں میں اور بھی پاگل ہو جاتے ہیں جبکہ تیز دھوپ سے کال کوٹھری تپتی ہے۔ اور ۲۴ گھنٹے میں ان کو ۲۰ گھنٹے اس کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ پاگلوں کے لئے کوئی خاص طریقہ علاج نہیں ہوتا بلکہ وہی ادویات جو عام قیدیوں کو دی جاتی ہے، وہ ان کو ملتی ہے۔ البتہ ان کے دماغ کی خرابی کو دور کرنے کے لئے ایک طریقہ ضرور اختیار کیا جاتا ہے۔ نمبر دار ان معصوم و بے گناہ قیدیوں کو چوروں کی طرح صبح شام مارا مارتا ہے۔ پاگل نہانے جاتے ہیں اور ان پر اوپر سے جوتے برستا رہتا ہے۔ پاگلوں کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے اور دہلی صوبہ کے یہ پاگل قیدی کسی دوسرے صوبے کے پاگل خانے میں بھی نہیں جا سکتے۔ جیل میں ہی یہ لوگ مرتے رہتے ہیں۔ ان

بامحل قیدیوں کی بڑی قابلِ رحم حالت ہے۔ یہ پنجاب کی جیلوں کا ذکر ہے۔ یوپی میں کیا ہوتا ہے وہ بھی ملاحظہ کیجئے۔

یوپی کے ہندوستانی قیدیوں کا فرنیچر اور بستر ہ

ایک فٹ کی چٹائی اگر قیدی کوٹھری میں بند کیا جاتا ہو۔ اور دو مٹی کے برتن تاکہ اسی کوٹھری میں قیدی رفع حاجت کر سکے۔

یورپین کی کوٹھریاں اور فرنیچر

یورپینوں کو علیحدہ کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے ان کوٹھریوں کے دونوں طرف ورانڈے ہوتے ہیں۔ جس کوٹھری میں قیدی صرف سوتے اور کام کرتے ہیں۔ صفائی و صحت کے انتظامات اس کوٹھری کے علاوہ جگہ میں ہوتے ہیں۔ اس کوٹھری میں چارپائی ایک پانی کا طشت جو ایک اسٹینڈ پر رکھا ہوتا ہے۔ دو چھوٹی میزیں ایک پانی کا جگ اور ایک ایلوے کے ریشے کی چٹائی ہوتی ہے۔ بستر کی جن چیزوں کا اوپر ذکر آیا ہے۔ وہ ان کے علاوہ ہوتی ہیں۔ اور مطالعہ کتب کے لئے ایک لالٹین یا لیمپ بھی ہوتا ہے۔

ممبران تحقیقاتی کمیٹی یوپی جیل رپورٹ ۱۹۲۹ء لکھتے ہیں کہ ہم نے جیلوں کے معائنوں کے دوران میں خود اپنی آنکھوں سے ان کوٹھریوں میں یہ چیزیں دیکھیں جن میں یورپین قیدی تھے۔

ہندوستانی قیدیونکی سونیکی جگہ

ہندوستانی قیدی عام طور پر ایسوسی ایشن بارگوں یعنی ملی جلی بارگوں میں سوتے ہیں۔ انھیں صرف دو کمبل رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ ایک مونجھ کی چٹائی

رکھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے سونے کے واسطے اس سے کسی قدر اونچے چبوترے بنے ہوئے ہیں۔ انہی پر ہندوستانی قیدی سوتے ہیں۔ یہ چبوترے منقسم قطاروں میں بنے ہوتے ہیں۔

جب ہندوستانی قیدیوں کو کوٹھریوں میں بند رکھا جاتا ہے۔ تو مٹی کے دو برتن مزین پر ان کے پاس رکھ دئے جاتے ہیں۔ تاکہ ان سے وہ اپنی حوائج ضروری پوری کر سکیں۔ ہندوستانی قیدی کی کوٹھری میں صرف ایک چٹائی ہوتی ہے۔ اور اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور دن کے وقت تو ہندوستانی قیدی اس چٹائی کو بھی استعمال نہیں کر سکتا۔[۵۱]

یوپی کے پاگل قیدی

غیر مجرم پاگلوں کو صوبہ یوپی میں لنسی ایکٹ ۱۹۱۲ء کے ماتحت آگرہ مینٹل ہسپتال، بریلی مینٹل ہسپتال، ڈسپنسری آ ، سرنگر، بنارس مینٹل ہسپتال میں رکھا جاتا ہے۔

پاگل مجرموں کو جو یورپین اور اینگلو انڈین ہوتے ہیں۔ یورپین مینٹل ہسپتال رانچی اور ہندوستانی مجرم پاگلوں کو مینٹل ہسپتال بنارس، بریلی ڈسٹرکٹ جیل آگرہ سنٹرل جیل میں رکھا جاتا ہے۔[۵۲]

طعام

دہلی میں صبح قیدیوں کو چھٹانک بھر چنے، چھٹانک بھر گڑ دیا جاتا ہے دس بجے ساڑھے سات چھٹانک کی، دو روٹیاں اور دال مونگ

---

[۵۱] رپورٹ تحقیقاتی کمیٹی جیلہائے صوبہ یوپی ۱۹۲۹ء ۲۴۶ [۵۲] جیل مینوئل یوپی جیل۔

چھلکوں والی دال ماش، چنا، مسور کی دال دی جاتی ہے۔ صرف اتوار کو چنے کی دال اور دو دو روز ایک دن بیچ کرکے ان تینوں دالوں کو کھلایا جاتا ہے۔ اور شام کو وہی ساڑھے سات چھٹانک کی دو روٹیاں اور اس کے ساتھ ترکاری دی جاتی ہے۔ جس میں ترئی، میٹھا گھیا، پیٹھا، بینگن، ہرا گھیا قسم کی ترکاریاں ہوتی ہیں۔ اور شام کو ساگھ مختلف قسم کے مثلاً پالک، قلفہ، چولائی، میں سے ایک ساگھ روزانہ پکا کر کھلایا جاتا ہے۔ کھانے کے لئے دو برتن ایک تھالی اور ایک بالٹی آہنی ملتی ہے۔ بی کلاس قیدی کو ایک تھالی، ایک کٹوری، ایک گلاس، اور ایک کیٹا مراد آبادی دی جاتی ہے۔

مریضوں کو چاول، دلیہ، دودھ اور ڈبل روٹی اور گھی سے بگھری ہوئی دال، پھل، دہی، مرض کی مناسبت سے ملتی ہے۔

چنے معمولی سے بھُنے ہوئے گھن زدہ کالے ہوتے ہیں۔ جن کا وزن بھی قانون کے مطابق مقرر نہیں ہوتا۔ ایک چھٹانک کے بجائے پون چھٹانک چنے تقسیم کئے جاتے ہیں جس میں اکثریت ٹکموں کی ہوتی ہے۔ ٹھنڈیاں ہی ٹھنڈیاں نظر آتی ہیں۔

گڑ سیاہ بہتا ہوا پرانا، خس وخاشاک میں ملا جلا، ناقابل استعمال، گیا گذرا ہوا، قیدیوں کی قسمت کا ہوتا ہے۔ جس کو قیدی بصد دقت منہ لگاتے ہیں۔ اور بمجبوری کھاتے ہیں۔

روٹی کی نوعیت | روٹی قانوناً جتنی وزن کی ملنی چاہیئے، نہیں ملتی ۱۸ گری کم کر دیتے ہیں۔ اور آٹا جیلر کی سفارش اور اپنی ضروریات

کے مطابق چرا لیتے ہیں۔ معائنہ ہوتا ہی تو ان کے پاس تولنے کے بٹے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ترازو کے پلڑے کے نیچے آٹا چپکا کر آنکھوں میں دھول ڈال دی جاتی ہے۔ روٹی بڑی بڑی، ہاتھی کے کان جیسی، دھوئیں سے سیاہ، کرکری سخت کڑوی، اور بے مزہ ہوتی ہے جس کو قیدی بھوک کے مارے بمشکل تمام ادنی پونی کھا لیتے ہیں۔ یہ روٹی آٹے میں پانی اندازے سے زیادہ ڈال کر کوئلوں پر سینکے بغیر توے۔ سے آتار لی جاتی ہے۔ جو وزن میں زیادہ اوپر سے پختہ اندر سے کچی ہوتی ہے۔

دال دال چھلکوں والی، نمک مرچ برائے نام، کم مصالحہ، اُبلی ہوئی، تیل کی بگھری، چھلکوں کی پوٹ، بے اثر، محروم خاصیت دی جاتی ہو جو آہنی بالٹی میں ڈالنے کے بعد لوہے کا رنگ لے کر بالکل سیاہ اور بے مزہ، بدصورت ہونے کی وجہ سے قابل نفرت بن جاتی ہے۔ البتہ چنے کی دال اور دالوں کے مقابلے میں اچھی پکی ہوئی با مزہ ہوتی ہو۔

ترکاری ترکاری فصل سے گذری ہوئی بیکار، گلی سڑی، کیڑے پڑی، گھانس بھری، تیل کی بگھری، ادھ کچری ملتی ہے۔ تیل کا بگھار پکنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ جس سے قیدیوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اکثر اوقات سبزی کئی کئی درختوں کے پتے سے پورا کرتے ہیں۔

کھانے کا برتن باٹی کی شکل قریب قریب توے جیسی ہوتی ہے۔ جو زنگ آلود ہوتی ہیں۔ قیدی پہلے اس کو کافی محنت سے مانجھ کر صاف کرتے ہیں اور پھر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ قیدی رہا ہو جاتا ہی تو وہ تین روز

میں پھر زنگ آلود ہو جاتی ہے ۔ یہ باٹی لوہے کا برتن ہوتا ہے ۔ جو ترکاری، دال وغیرہ کھانے اور پانی پینے کی کام میں آتا ہے ۔ اسی کو قیدی بیت الخلاء لے جاتا ہے ۔ اس کام کے لئے اس کو کوئی دوسرا برتن نہیں ملتا ۔

چاول

چاول نیا ٹوٹا ہوا، سڑے سڑے کنکر ملا، اُبلا ہوا ، جو اُبل کر ایک جان ہو جاتا ہے ۔ بیماروں ، ضعیفوں ، یا بہاری بنگالی قیدیوں کو دیا جاتا ہے جس کو بیکر قیدی کھاتے ہیں ۔ دودھ شہری جیلوں میں مکھن نکلا ، پانی ملا قیدیوں کو دیا جاتا ہے ۔ لیکن سب جیلوں میں دودھ غنیمت ہوتا ہے ۔ دلیہ اور ڈبل روٹی معمول کے مطابق ہوتی ہے ۔

بی کلاس کی خوراک

بی کلاس قیدیوں کو دن میں دس چھٹانک آٹا صبح و شام دونوں وقت کے لئے دیا جاتا ہے ۔ صبح کے لئے دال ماش ہے جو مقابل سی کلاس کے صاف ستھری اور بہتر حالت میں ہوتی ہے ۔ اور شام کو جو سبزیاں دی جاتی ہیں وہ ناقابل استعمال اور وہی ہوتی ہیں جو سی کلاس کے قیدیوں کو ملتی ہیں ۔ البتہ ان سبزیوں کے علاوہ بی کلاس قیدیوں کو اردی اور آلو بھی دیا جاتا ہے ۔ اگر آلو مہنگا ہوتا ہے تو نہیں ملتا ۔

گوشت شام کے وقت کے لئے پاؤ بھر دیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کو ۲ چھٹانک دودھ ، پاؤ بھر دہی اور دو انڈے نہیں دیے جاتے ایک وقت میں ان چار چیزوں میں سے ایک چیز دی جاتی ہے ۔ خواہ دو انڈے لو خواہ ۲ چھٹانک دودھ وغیرہ حاصل کرو ۔ البتہ دو چھٹانک دودھ چائے کا ہر حالت میں دیا جاتا ہے ۔ اور چائے کے لئے ایک چھٹانک فی یوم چینی دی جاتی ہے ۔ گھی بھی

ایک چھٹانک ملتا ہے۔ جو شروع میں بناسپتی ہوتا ہے اور پھر احتجاج کے بعد کچھ اچھا ملنے لگتا ہے۔ بی کلاس نظربند دن کو بھی یہی اشیاء ملتی ہیں۔

اے کلاس قیدی کی خوراک

اے کلاس نظربند اور اے کلاس قیدی ان ہی چیزوں کے مستحق ہوتے ہیں مگران کو ڈیڑھ چھٹانک گھی فی یوم دیا جاتا ہے۔ اور وہ گھر سے سامان منگانا چاہے تو منگا سکتا ہے۔ لیکن بی کلاس قیدی باہر سے سامان منگا نہیں سکتا۔

خوراک یوربین قیدی

مذکورہ خوراک پنجاب کی جیلوں میں قیدیوں کو دی جاتی ہے۔ یوپی کی پرانے ضابطۂ قواعد ۱۹۱۵ء کے رو سے یوربین اور مخلوط النسل یوربین قیدیوں کو پہلے حصہ واری خوراک یہ دی جاتی تھی۔ جس کا نقشہ یہ ہے:-

دن	ناشتہ	دوپہر کا کھانا	رات کا کھانا
اتوار	دال اور چاول	آئرش اسٹو	بریڈ پڈنگ
پیر	آلو اور دودھ	کڑھی اور چاول	چاول کی پڈنگ
منگل	چاول کی پڈنگ	شوربہ (برتھ)	آلو اور دودھ
بدھ	دال اور چاول	آئرش اسٹو	بریڈ پڈنگ
جمعرات	آلو اور دودھ	کڑھی اور چاول	چاول کی پڈنگ
جمعہ	چاول کی پڈنگ	برتھ (شوربہ)	آلو
ہفتہ	آلو اور دودھ	کڑھی اور چاول	چاول کی پڈنگ

اس ہفتہ وار غذائی عناصر کا تناسب یہ ہے:-

روٹی	۹۱	اونس
گوشت	۴۲	اونس
چاول	۴۲	"
دودھ	۷۷	"
دال	۶	"
آلو	۷۷	"
سبزی ترکاری	۳۵	"
شکر	۵	"
مکھن	۵	"
کل میزان	۳۸۴	"

خوراک کی اس مقدار میں مندرجہ بالا غذائی اجزا کے علاوہ ۷ اونس کی مقدار میں مصالحہ اور ۱۴۰۰ گرین کی مقدار میں نمک شامل ہوتا تھا۔ اور ان مصالحوں کے علاوہ اس میں ایک مہینے میں ۳۸۴/۱۶ اونس۔ ۲۴ پونڈ، ۱۲ اسیر یا ۳/۷ ۲۷ چھٹانک روزانہ چائے اور شکر ہی ہوتی تھی۔ اور فی حصہ ۱/۴ ۳ چھٹانک مصالحے اور ۱۴۴۰ گرین نمک کے حساب سے ۲۰۰ گرین روزانہ ۳/۵ ۲ چھٹانک ۲/۹ چھٹانک برابر ۳/۶ ۲ چھٹانک۔

یورپین قیدیوں کا جدید ہفتہ واری نقشہ خوراک یہ ہے:-

دن	چھوٹا حاضری	ناشتہ	ڈنر (دن کا کھانا)
اتوار	ایک پیالہ چائے۔ تین نان پاؤ کے ٹکڑے مکھن سمیت	ایک پلیٹ دال اور تین نان پاؤ کے ٹکڑے مع جاگری	تین گوشت کے کٹلیٹ سبزیاں ترکاریاں۔ ایک روٹی (نان پاؤ) ایک چائے کا پیالہ
پیر	ایک پیالہ چائے، تین مکھن لگے ہوئے نان پاؤ کے ٹکڑے	ایک پلیٹ دال اور چاول نان پاؤ کے ٹکڑے معہ جاگری۔	ایک پلیٹ مٹن کی کڑھی ایک روٹی (نان پاؤ۔ ایک پیالہ چائے۔
منگل	" " "	" " "	تین آلو کے کٹلیٹ سبزیاں ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
بدھ	" " "	" " "	ایک پلیٹ آئرش اسٹو۔ ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
جمعرات	" " "	" " "	تین گوشت کے کٹلیٹ سبزیاں۔ ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
جمعہ	" " "	" " "	ایک پلیٹ مٹن کی کڑھی، ایک روٹی نان پاؤ۔ ایک پیالہ چائے۔

دن	چھوٹا حاضری	ناشتہ	ڈنر (دن کا کھانا)
ہفتہ	ایک پیالہ چائے تین مکھن لگے ہوئے نان پاؤ کے ٹکڑے۔	ایک پلیٹ دال اور چاول نان پاؤ کے ٹکڑے مع جاگری۔	ایک پلیٹ براؤن اسٹو۔ ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔

یورپین قیدیوں کو آج کل جو خوراک ملتی ہے اس کا نقشہ یہ ہے:۔

اشیائے خوراک	درجہ اوّل	درجہ دوئم
گوشت	۶ چھٹانک	۳ چھٹانک
روٹی	۲ نان پاؤ	۱½ نان پاؤ
دلیا	۱ چھٹانک	۱ چھٹانک
گڑ	¼ "	¼ "
چینی	¾ "	½ "
آلو	۵½ "	۴ "
چاول	۳ "	۲½ "
دودھ	۵½ "	۵½ "
دال	۱½ "	۱¼ "
سبزیاں	۲½ "	۲½ "
مصالحے	¼	۱

اشیائے خوراک	درجہ اوّل	درجہ دوئم
مکھن	۳/۴ چھٹانک	۱/۲ چھٹانک
نمک	۲/۹ "	۲/۹ "
مرچ	۱/۸ "	۱/۸ "
پیاز	۱/۴ "	۱/۴ "
کوئلہ	۲ سیر	۲ سیر

اوّل درجے کی خوراک میں نمک مرچ، مصالحہ اور چائے کو نکال کر کل خوراک کی مقدار ۲۹ چھٹانک ہوتی ہے۔ ایک نان پاؤ کا وزن ۲ چھٹانک ہوتا ہے۔ لیکن اس تخمینے میں ایک نان پاؤ یا ڈبل روٹی کا وزن ایک چھٹانک لگایا ہے۔

پاؤ چھٹانک چینی اور پاؤ چھٹانک چائے۔ قید میں ایک مہینہ گزرنے کے بعد دی جاتی ہے۔

ہندوستانی قیدیوں کو روزانہ خوراک درجہ اول کا نقشہ از روئے ضابطہ قواعد مجریہ ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۶۳ دی جاتی تھی۔

چپاتیاں	۱۲ چھٹانک
دال	۱ "
سبزیاں	۳ "
تیل	۲۵/۴ "
مرچ	ایک

نمک	۱۵۰ اگرین

کل میزان۔ ایک مرچ اور ۱۵۰ اگرین سمیت ۴/۵ ۱۸ اگرین روزانہ

خوراک ہندوستانی قیدی ہندوستانی قیدیوں کی روزانہ خوراک درجہ اوّل، (کا نقشہ از روئے ضابطہ قواعد مجریہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۹۱) جو دی جاتی ہے وہ یہ ہے:۔

چپاتیاں	۱۴ چھٹانک
دال	۱ "
سبزیاں	۴ "
تیل	۲۵/۴ "
مرچ	ایک عدد
نمک	۱/۲ چھٹانک
ہلدی	۱/۵

کل میزان ایک مرچ ۱/۲ چھٹانک نمک اور ۱/۵ چھٹانک ہلدی سمیت ۲/۵ ۱۹ چھٹانک

پہلے جو خوراک ملتی تھی اس میں اور موجودہ خوراک میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک چھٹانک سبزی کا اضافہ ہوا ہے[1]

یو۔پی کے سی کلاس قیدیوں کی خوراک صبح کا ناشتہ میٹھا دلیہ۔ ایک چھٹانک۔ جس میں نصف

[1] رپورٹ صوبہ یو۔پی کی جیل تحقیقاتی کمیٹی ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۲ تا صفحہ ۲۴۵

چھٹانک گڑ ، ہفتہ میں تین دن۔

تلا ہوا گیہوں ، پون چھٹانک ۔ ہفتہ میں دو دن

بھنا ہوا ، دو چھٹانک

دوپہر اور شام کا کھانا :-

مشقتی قیدی - ایک دن میں ۸ چھٹانک غلہ

محض قیدی - ایک وقت میں

دال	آدھی چھٹانک
سبزی	دو چھٹانک
تیل	$\frac{2}{5}$ ،
مرچ	$\frac{1}{10}$ "
نمک	$\frac{1}{8}$ "

جو قیدی کام کرتے ہیں ان کو ہفتہ میں تین دن ایک چھٹانک گڑ دیا جاتا ہے

چاول کی خوراک چاول آٹھ چھٹانک ۔ دال دو چھٹانک ۔ سبزی پانچ چھٹانک ۔ اور تیل ۔

سول قیدی کی خوراک اول درجہ دو روپیہ
دوئم درجہ ایکروپیہ آٹھ آنے
سوئم درجہ چار آنے ۔

تہوار وغیرہ مراعات یوپی کی جیلوں میں روزانہ خوراک کے علاوہ ہولی عیدالفطر پر رمضان اور برت میں قیدیوں کو ایک

چھٹانک گڑ دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو رمضان میں گڑ کے بجائے آدھی چھٹانک کھجور بھی دی جاسکتی ہے۔[1]

لباس حوالاتی محض قیدی اور اے کلاس، نظربند، شاہی قیدی اپنا لباس استعمال کرسکتے ہیں لیکن سی کلاس مشقتی قیدی اپنا لباس استعمال نہیں کرسکتے۔ ان کو دو کرتے، دو پاجامے دئے جاتے ہیں۔ ایک ٹوپی، ایک پرنے یعنی انگوچھا، ایک چادر، ایک دری، ایک پٹڑی ملتی ہے۔ جاڑوں میں پھٹے پرانے کمبل کا کوٹ پہننے کے لئے اور اوڑھنے کے لئے دو کمبل ملتے ہیں۔ جس میں قیدی ٹھٹرتے رہتے ہیں۔

کپڑوں کی نوعیت کرتے، پاجامے، پرنے، چادر کا ایک ہی قسم کا دوسوتی کپڑا ہوتا ہے۔ سی کلاس اخلاقی قیدی کو یہ چیزیں استعمال شدہ دی جاتی ہیں۔ گول ٹوپی بھی دوسوتی کپڑے کی ملتی ہے۔

دری معمولی سوت کی ڈیڑھ فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جو پٹڑی پر بچھائی جاتی ہے۔ پٹڑی ڈیڑھ فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جس کی شکل کسے ہوئے چارپائی کے جھلنگے جیسی ہوتی ہے۔ مگر بان موٹا ہوتا ہے۔

بی کلاس قیدی کو کپڑے بھی دئے جاتے ہیں مگر کپڑے میں دھاری نہیں ہوتی اگر ان کا اپنا بستر انہ ہو تو ان کو دو چادریں ملتی ہیں۔ اور پٹڑی کے بجائے چارپائی دی جاتی ہے۔ جاڑوں میں گرم کپڑے کا کوٹ دیتے ہیں۔

پنجاب کے جیلوں کا قاعدہ ہے۔ یوپی کے جیلوں میں جو کپڑے دئے

[1] جیل مینوئل یوپی ص ۱۲۴

جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

یوپی کے یورپین قیدیوں کے کپڑے

یورپین قیدیوں کو جو کپڑے دیئے جاتے ہیں ان کا نقشہ نہ پرانے ضابطے میں دیا گیا تھا نہ جدید ضابطۂ قواعد میں پایا جاتا ہے۔ لیکن انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات نے ۲۴ر فروری ۱۹۲۷ء کو جو سرکلر ۲ جاری کیا اس کے مطابق یورپین قیدیوں کے کپڑوں کا نقشہ یہ ہے:-

موسم گرما	موسم سرما
دو کوٹ	دو خاکی فلالین کے کوٹ
دو پتلون	ایک پتلون
دو قمیص	دو قمیص
ایک چٹائی یا دری	ایک چٹائی یا دری
ایک تکیہ سوتی	ایک تکیہ سوتی
ایک نرم چھجے دار ٹوپی	ایک نرم
دو جوڑی سفید موزہ	دو جوڑی سفید موزہ
دو تولئے	دو تولئے
ایک جوڑی سیاہ جوتہ	ایک جوڑی سیاہ جوتہ
دو۔ دو سوتی چادریں	ایک اونی جرسی
دو تنگ موری کے پاجامے	دو تکیہ غلاف
(جو پتلونوں کے نیچے پہنے جاتے ہیں)	دو تنگ موری کے پاجامے

ہندوستانی قیدیوں کے کپڑے جدید ضابطۂ قواعد وضوابط مجریہ ۱۹۲۷ء باب ۱۱ میں صد ۹۷ کے پیراگراف ۵۶۴ ۔ ہندوستانی مرد قیدیوں کے کپڑے کا یہ نقشہ دیا گیا ہے:

گرمیوں کے لئے:۔

ایک کرتا ۔ ایک جانگیہ ۔ ایک لنگوٹ ۔ ایک تکوئی ۔ ایک تولیہ ۔ ایک کمبل ۔

جاڑے میں ان قیدیوں کو دو کمبل اور ایک کمبل کا کوٹ ملتا ہے ۔

بعض قیدیوں کو جاڑے کے موسم میں ایک اضافی کمبل بھی دیا جاتا ہے مگر یہ اضافی عمل صرف اسی حالت میں دیا جاتا ہے ۔ جب ایسا کرنے کے لئے طبی وجوہ موجود ہوں[۱]

نسلی امتیاز اور جیل کمیٹی ۱۹۲۹ء میں جیلوں کی جو تحقیقات ہوئی تھی ۔ اس کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یورپین کے نسلی امتیاز کو بری نظر سے دیکھا ہے ۔ چنانچہ صد ۲۴۷ پر وہ لکھتے ہیں:۔

جو امور طعام وقیام ولباس میں بے نقاب ہوتے ہیں ان کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان معاملوں میں یورپین قیدیوں کے ساتھ خاص اور امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے ۔ ان حالات میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ یہ امتیازی سلوک صرف یورپین قیدیوں کے ساتھ کیوں ہے ؟

اس سوال پر بحث کرتے ہوئے سر لوئی اسٹوابٹ نے اپنے نوٹ میں

[۱] رپورٹ صوبہ یوپی کی جیل تحقیقات کمیٹی ۱۹۲۹ء صد ۲۴۵ تا صد ۲۴۶

یہ لکھا ہے کہ اس امتیازی سلوک کے لئے صحیح جواز موجود ہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ ایک ہندوستانی قیدی کو جو خوراک دی جاتی ہے وہ ایک یورپین قیدی کو راس نہیں آئیگی اور اس خوراک کا اس کی تندرستی پر برا اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ زندگی کی جو آسائش اس کو دی جاتی ہیں ان میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ کے تخفیف کرنے سے اس کے لئے حالات بہت زیادہ تلخ بن جائیں گے۔"

ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس امتیازی سلوک کی بنیاد نسلی، مذہب، اور رنگ کی تمیز پر ہے۔ ہم سرلوئی کی دلیل کو اسی حالت میں درست اور ناقابل تردید مان لینے کو لئے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ جو سلوک یورپین قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ٹھیک ایسا ہی سلوک ہندوستانی سماج کے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقوں کے افراد کے ساتھ بھی کیا جائے۔

آیئے اس سوال کی ذرا زیادہ قریب سے جانچ کریں۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں یہ بات صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی طریقے سے بھی یہ خواہش نہیں رکھتے کہ جو آسانیاں اور مراعات یورپین قیدیوں کو ملی ہوئی ہیں وہ ان سے واپس لے لی جائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہی آسانیاں اور رعایتیں ہندوستانی قیدیوں کے لئے بھی فراہم کی جائیں۔ البتہ اگر یورپین قیدیوں کی مساوی حیثیت رکھنے والے اور ان کے مقابلہ میں زیادہ اونچے معیار زندگی کے عادی ہندوستانی قیدیوں کی جیل کی زندگی کو بہترین بنایا جا سکتا تو یقیناً ہندوستانی عوام یورپینوں کے ساتھ کئے جانے والے اس امتیازی سلوک کو برداشت نہیں کر سکتے

اور برداشت نہیں کریں گے۔ حکومت کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے یا ان ہندوستانی قیدیوں کے ساتھ بھی یورپین قیدیوں کا سا امتیازی سلوک کرے جن کے بارے میں ہم نے کہا ہے۔ وہ بہتر سماجی درجہ رکھنے والے قیدی ہوتے ہیں۔

یو پی کے سی کلاس قیدیوں کے کپڑے

مرد	عورتیں
دو کرتے	دو ساری
دو جانگئے	دو کرتے
ایک پاجامہ	دو کرتی
ایک لنگوٹ	دو پرنیں
ایک ٹوپی	ایک چادر
ایک پرنہ (رومال)	
ایک تکونی	
ایک چادرہ	

ایک صافہ ۶ گز لمبا، ۲ فٹ چوڑا۔ اور اس کے لئے ایک ٹوپی گرمی کی جسکی مدت بکم اپریل سے ۳۰ ستمبر تک ہوتی ہے۔
سردی جس کی مدت یکم اکتوبر سے ۱۲ مارچ تک ہوتی ہے۔ گرمی میں ایک

کمبل اور سردی میں دو کمبل اور کمبلی کوٹ اور اگر زیادہ سردی ہو تو تین کمبل دئے جاتے ہیں۔

بچوں کا لباس گرمی میں بچوں کو حسب ذیل لباس دیا جاتا ہے۔

دو سوتی قمیصیں خاکی	۲ عدد
" پرنے	۱ عدد
" چھوٹی قمیص	۲ "
" بچونی	۱ "
" ٹوپی	۱ "
چادر	۱ "
کمبل	۱ "
سردی میں	
دولیم کوٹ	۱ عدد
کمبل	۲ عدد

نمبرداروں کا مزید لباس یوپی میں سزا یافتہ محافظ یعنی نمبردار کو مزید دو کوٹ دو کرتے، ایک جانگیہ، ایک پاجامہ اور ایک ٹوپی ملتی ہے۔ ان کو علیحدہ کمبل بھی دئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سزا یافتہ وارڈر مزید کپڑے دئے جاتے ہیں۔ بیمار قیدی بھی زیادہ کپڑے لے سکتا ہے۔

سول قیدی کا لباس دیوانی قیدی اول درجہ کو گرمی میں ۶۴ روپئے۔ اور سردی میں ۸۰ روپئے کے قیمتی کپڑے ملتے ہیں

دوئم درجہ کو ۳۲ - گرمی اور سردی میں ۴۰ روپئے۔ اور تیسرے درجے کو ۱۷ روپئے گرمی میں اور ساڑھے ۲۵ کے سردی میں کپڑے دئے جاتے ہیں۔

کپڑے دھونا سی کلاس کو کپڑے دھونے کے لئے صابن نہیں دیا جاتا بلکہ سجی ملتی ہے جو ہفتہ میں ایک مرتبہ ۴ تولے فی کس دی جاتی ہے۔ جس سے ہفتہ میں ایک مرتبہ کپڑا دھلتا ہے۔ اس کو ایک بڑے کڑھاؤ میں جو ایک بڑے آگ والے چولہے پر رکھا ہوا ہوتا ہے پانی سمیت ڈال دیا جاتا ہے۔ قیدی کپڑے کو سجی کے اُبلتے ہوئے پانی میں دو تین مرتبہ ڈبو کر نکال لیتا ہے اور قریب ہی نل کے چبوتروں پر کوٹ کاٹ کر کپڑوں کو دھو لیتا ہے۔ اور سکھا کر پہن لیتا ہے۔

اے کلاس اور بی کلاس قیدیوں کے لئے صابن ملتا ہے۔ جن کے کپڑے ان کے مشقتی اور قیدی دھوبی دھوتے ہیں۔ اور کپڑے دھونے کے لئے کوئی دن مقرر نہیں ہے البتہ سی کلاس اخلاقی قیدی صرف اتوار کو چھٹی کے دن کپڑے دھو سکتے ہیں۔ لیکن اگر سیاسی قیدی دو دن کپڑے دھونے کا مطالبہ کرے تو ان کو اجازت دیدیجاتی ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی سی کلاس قیدی پہلے اپنے کپڑوں کو سجی کے پانی میں ڈبو کر دھو لیتے ہیں جس سے سجی کے پانی میں میل ہی میل ہو جاتا ہے۔ بعد میں اخلاقی قیدی اسی میلے کچیلے پانی میں کپڑے ڈبو کر دھونے پر مجبور ہوتے ہیں۔

جیل کی مشقتیں

سی کلاس اخلاقی قیدی عدالت سے سزا کا حکم سننے کے بعد جیل میں داخل ہوتا ہے شام کو جیل کی جانب سے پہننے، بچھانے کے لئے کپڑے دئے جاتے ہیں۔ دوسرے دن صبح کو ڈاکٹر اس کا وزن کرتا ہے۔ صحت و تندرستی کا اندازہ لگاتا ہے اور جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ جو قیدی کی مشقت مقرر کرتے ہیں جس کو چکائی، مونجھ کٹائی، آٹا پسوائی، بان بٹائی، بال کٹائی، جھاڑو دلائی، پوجا، چرخہ کتائی، کھانا پکائی، غالیچہ، کمبل، کپڑا، دری، پٹڑی بنوائی، پتھرہ جلائی، کپڑا سلائی دھلائی، پریس، لوہا، منشی گیری، بیشکاری، وغیرہ مشقتوں میں سے ایک ایک مشقت یکے بعد دیگرے دی جاتی ہے۔ قیدی اگر مشقت کم کرے تو اس کو اس کی سزا ملتی ہے۔ اور اگر انکار کردے تو اس کو بیتیں تین سے لے کر نو تک

لگائی جاتی ہیں جو جیل کی انتہائی سزا کہلائی جاتی ہے۔ مشقت دینے میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جو جس کام یا دستکاری سے واقف ہے اس کو وہی کام مشقت میں دیا جائے۔ مشقت کی تفصیل حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

جگائی جگائی اس مشقت کو کہتے ہیں جس میں ردی کاغذ بنوایا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک ہودے میں کاغذ کے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں جن کو کوٹنے کے لئے ایک موٹا آہنی گول پترہ ہوتا ہے جو لوہے کی سلاخ کے اوپری حصے میں ایک ڈیڑھ گز لمبی بلی لگائی جاتی ہے۔ اس کو قیدی ایک پاؤں سے دباتا ہے۔ پھر چھوڑ دیتا ہے اور دباتا ہے یہ عمل کافی دیر جاری رہتا ہے اس کے بعد جب کاغذ موٹا موٹا کٹ جاتا ہے تو دوسری طرف کی ہودی میں کاغذ کو بھگو کر قیدی اپنے دونوں پاؤں سے اس کو لت پت کر کے کوٹتا ہے۔ چونکہ ردی کاغذ میں پنیں ہوتی ہیں۔ وہ پاؤں میں گھس جاتی ہیں اسی بنا پر پاؤں کی ہتھیلی لہولہان ہو جاتی ہے اور پاؤں تھک تھک کر چور چور ہو جاتے ہیں۔

جب قیدی پاؤں سے کاغذی ٹکڑوں کو کوٹ لیتا ہے تو اس کو کپڑے کے ٹکڑے پر پھیلا کر ایک صاف چپٹے چبوترے پر ڈال دیا جاتا ہے۔ جس کے اوپر کاغذ کو ہموار کرنے کے لئے لکڑی کا سلیپر استعمال کیا جاتا ہے۔ کاغذ ہموار ہونے کے بعد دیواروں پر لگا دیا جاتا ہے۔ وہ سوکھ کر قابل استعمال کاغذ سرکاری قسم کا جس پر پکھری وغیرہ کے سمن چھپتے ہیں۔ جیسا تیار ہو جاتا ہے۔ جگائی کی مشقت میں قیدی کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ اس کو مجبوری پسند آتا ہے۔

مونجھ کٹائی یہ مشقت مضبوط قیدی کو دی جاتی ہے، جو کمزور ہوتا ہے اس کو بھی

مشقت ملتی ہی مگر کم، مونجھ کوٹنے کے لئے کم سے کم تین پاؤ اور زیادہ سے زیادہ سوا سیر ملتی ہی۔ جو لکڑی کے ہتوڑے سے کوٹی جاتی ہے۔ کافی محنت کے بعد کٹتی ہی۔ ہاتھ اور بازو تھک جاتے ہیں اور جواب دے دیتے ہیں اور جب مونجھ کو صاف کیا جاتا ہی تو مونجھ کی پھانسیں انگلیوں میں چبھ جاتی ہیں۔ ہاتھوں میں گٹے پڑجاتے ہیں زیادہ کوٹنے سے بخار چڑھ آتا ہی اور قیدی کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہی۔

آٹا پسوائی قیدی کی صحت کے مطابق بارہ یا اٹھارہ سیر گیہوں فی یوم پسوایا جاتا ہے۔ چکی اونچی ہوتی ہے اس بنا پر قیدیوں کو کھڑے ہو کر پیسنا پڑتا ہے۔ عام طور پر قیدی اس مشقت سے گھبراتے ہیں۔ خاص طور پر شہری قیدی اس کے نام سے بھاگتے ہیں مگر جبراً پیسنا پڑتا ہے۔ آٹا پیسنے کے بعد دس سیر کے وزن میں چھٹانک دو چھٹانک وزن کم ہو جاتا ہی۔ اور کچھ قیدی بھوک کے رہنے کی وجہ سے چکی چلاتے وقت گیہوں پھانک جاتے ہیں۔ جس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے قیدی آٹے میں مٹی ملا دیتے ہیں۔ مٹی ملنے کی وجہ سے آٹا تھپائی کرکرا ہو جاتا ہی اور کھانے میں بدمزہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اگر اس آٹے میں مٹی کی ملاوٹ نہ کی جائے تو یہ آٹا بازار کے آٹے سے بدرجہا بہتر اور نہایا نی صفید رہتا سی کلاس قیدیوں کو یہی آٹا کھلایا جاتا ہے۔ بی کلاس اور اے کلاس قیدیوں کو مشین کا پسا ہوا آٹا خرید کر دیا جاتا ہی۔

بان بٹائی اخلاقی سی کلاس قیدیوں کو بان بٹنے کے لئے دس چھٹانک مونجھ دیا جاتا ہی۔ شروع میں قیدی دو تین چھٹانک موٹا موٹا بان بٹتا ہی۔ اور بٹتے بٹتے پورا بان بٹنے لگتا ہی۔ بان بٹنے میں ہاتھوں میں بان کی پھانسیں چبھ

جاتی ہیں چھالے پڑ جاتے ہیں۔

سیاسی قیدیوں کو تین چھٹانک مونجھ دیا جاتا ہے جس کو وہ بٹ بٹا کر جلدی سے اپنی مشقت ختم کر دیتے ہیں یہ بان جیل کی چارپائیوں کے بُننے میں کام آتا ہے اور شہر کے بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یا کسی جیل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

شریر قیدی بان بٹنا نہیں چاہتے تو مونجھ کو اتنا الجھا دیتے ہیں کہ وہ سلجھ نہ سکیں جس کی وجہ سے ان کو بان بٹنا نہیں پڑتا۔

بال کٹائی حجامت کا کام نائیوں کو دیا جاتا ہے۔ استرے، مشین، قینچی غیر درست اور مکروہ صورت ہوتے ہیں نائی چکر کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔ سی کلاس قیدی اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان کی حجامت بنا دیتا ہے۔ مشین کھردری ہونے کی وجہ سے کاٹتے وقت قیدی کو رُلا دیتی ہے اور تکلیف کی وجہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ صابن حجام کو بالکل نہیں ملتا پانی رگڑ رگڑ کر استرہ گلے کی کھال پر چلایا جاتا ہے۔ جس سے کھال تک اکھڑ جاتی ہے۔ ناخنی بھی اپنا کام نہیں کرتی۔ قینچی بال کاٹنے سے انکار کر دیتی ہے۔ حجام ان اوزاروں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن حکام جیل ان کو استعمال کرانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔

بی کلاس اخلاقی اور سیاسی قیدیوں کی حجامت بھی یہی حجام بناتا ہے۔

سیاسی قیدیوں کے احتجاج پر یہ نکمے اوزار بدل دیئے جاتے ہیں اور اچھے اوزار ملنے پر حجامتیں خوب بنتی ہیں۔

ان اوزاروں کی بڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ حجام جب اپنے کام سے فارغ

ہوجاتا ہی تو یہ اوزار مقفل کردئے جاتے ہیں تاکہ کسی قیدی کے قبضہ میں پہنچ نہ جائیں جو کسی حملے کے لئے استعمال ہوسکیں۔ یا قیدی اپنے جسم کو نقصان پہنچا سکے۔ حجام یہ اوزار دستخط کرنے کے بعد لیتا ہے۔ اور ذمہ داری کے ساتھ واپس کرتا ہی۔

جھاڑو دینا ان قیدیوں کو جو بھنگی چمار چوڑے غیر پڑھے لکھے جاہل ہوتے ہیں انکو جھاڑو دینے اور بیت الخلا اور نالیوں کی صاف کرنے کی مشقت دی جاتی ہے۔ جو بارکوں، سڑکوں وغیرہ کو صاف کرتے ہیں۔ اور کوڑا کرکٹ ہٹا دیتے ہیں ان کی جھاڑو بانس کی سینکوں کی بنی ہوتی ہی۔ جس سے صفائی خاطر خواہ نہیں ہوسکتی۔ تمام جیل میں جھاڑو کنجی دی جاتی ہے۔

پوچا جھاڑو کے بعد پوچا دیا جاتا ہے ایک ٹاٹ کا ڈیڑھ فٹ چوڑا، اور چار فٹ لمبا ٹکڑا بانس کے ڈنڈے میں باندھ دیا جاتا ہی اس کو پانی میں بھگو کر گیلی زمین پر گھسیٹا جاتا ہی۔ جس کو جیل کی اصطلاح میں "پوچا" کہا جاتا ہی۔ اس پوچے کو حوالاتی لوگوں سے زیادہ دلوایا جاتا ہی۔ جو صبح کے وقت ہمیشہ ملتا ہے۔ باقی لوگ قیدی ہوتے ہیں جن سے یہ مشقت لی جاتی ہے۔

چرخہ کتائی کاتنے کے لئے ۴ چھٹانک سے چھ چھٹانک تک روئی مشقتی قیدی کو دی جاتی ہی۔ یہ مشقت اے۔ بی، کلاس سب کو ملتی ہے۔ اس مشقت کو بعض گاندھی وادی پسند کرتے ہیں اور خوشی خوشی اس کام کو انجام دیتے ہیں۔

جو قیدی چرخہ کاتنا نہیں جانتے انھیں شروع میں یہ مشقت بری معلوم دیتی ہے، اور بعض قیدی اس کام سے چڑتے ہیں اور اپنی ذاتی توہین سمجھتے ہیں۔ ان کا

خیال ہی کہ یہ کام عورتوں کے لئے ہی موزوں ہی۔

اس مشقت میں قیدی کے لئے یہ بڑی دقت ہوتی ہی کہ اس کو چھ چھٹانک روئی دی جاتی ہے، تو کتا ہوا سوت بھی چھ چھٹانک مانگا جاتا ہی۔ حالانکہ جیل حکام قیدی کو خراب پرانی اور بنولے اور کباڑ والی روئی دیتے ہیں جو کتنے کے بعد ایک سیر میں پندرہ چھٹانک رہ جاتی ہے، اور اس کا تمام کباڑ نکل جاتا ہی۔

اس دقت سے بچنے کے لئے قیدی یہ شکل اختیار کرتے ہیں کہ لکڑی کو گیلے کپڑے میں لپیٹ لیتے ہیں جس کی سیل سے لکڑیوں کا وزن بڑھ جاتا ہی اور وزن کی کمی دور ہو جاتی ہے۔ یا یہ طریقہ برتا جاتا ہے کہ روئی کا کباڑ یا بنولے جو کتنے میں الگ ہو جاتے ہیں ان کو لکڑیوں کے اندر باندھ کر دیدیا جاتا ہی۔

سیاسی قیدیوں کو روئی کاتنے کے لئے آدھی چھٹانک یا زیادہ سے زیادہ ایک چھٹانک ملتی ہی جس کو بعض قیدی کات دیتے ہیں اور بعض کم کاتتے ہیں۔ بی کلاس قیدی اپنی مشقت اپنے مشقتیوں سے پوری کرا دیتے ہیں خود ٹہلتے رہتے ہیں یا پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔

کھانا پکائی کچن (مطبخ) جیل میں ہندو مسلمانوں کا الگ الگ ہوتا ہی۔ لیکن اسکی علیحدگی ایسی ہوتی ہی کہ ایک بلڈنگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ایک حصہ میں مسلم مطبخ اور دوسرے حصے میں ہندو مطبخ بنایا جاتا ہی۔ دونوں کے چولھے ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں ایک آگ کی بھٹی پر ایک دیگ مٹی سے لیپ دیگ میں جو کبھی مہینہ دو مہینہ میں علیحدہ کر کے دھوئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی بد قسمت آدمی ان کے اندرونی حصہ کو دیکھ لے تو ہفتوں تک فاقہ سے رہنا پسند کرلے گا،

لیکن اس کی تیار کردہ دال اور سبزی کھانا گوارا نہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو صاف نہیں کیا جاتا اور بلا صاف کئے اس میں سبزی پکالی جاتی ہے۔

اس دیگ سے ملا کر دو فٹ چوڑا اور چار فٹ لمبا چولھا بنایا جاتا ہے جس پر لوہے یا تانبہ کا بڑا توا رکھ دیا جاتا ہے۔ ایک وقت میں چھ روٹیاں ڈالی جاتی ہیں۔ ایک آدمی پیڑہ کاٹتا ہے اور تولتا ہے۔ دوسرا پیڑہ اور تیسرا پیڑہ بناتا ہے۔ چوتھا اور پانچواں مشقتی روٹی توے پر ڈالتا ہے۔ اور دو تین مشقتی روٹی الٹتے پلٹتے اور توے سے اتارتے رہتے ہیں۔

توا جب پرانا ہوجاتا ہے تو اس میں چھید ہونے کی وجہ سے روٹی سیاہ ہوجاتی ہے، لکڑی تل کر حساب سے کم دی جاتی ہے۔ اس طرح جیل حکام کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ اور قیدی کچی روٹی کی وجہ سے بھوکے رہ جاتے ہیں۔

رات کے ایک بجے سے صبح گیارہ بجے کے کھانے کی تیاری ہوجاتی ہے آٹا گوندھنے والے آٹا گوندھنا شروع کر دیتے ہیں۔ دال بھگو دی جاتی ہے۔ اور رات کے تین بجے سے دال پکنے کے لئے چولھے پر رکھ دی جاتی ہے، اور اسی وقت سے روٹی توے پر چڑھا دی جاتی ہے جس کے پکانے سے صبح نو بجے تک فارغ ہوجاتے ہیں۔ سبزی ایک بڑے آہنی ڈول میں رکھ کر تقسیم ہوتی ہے۔ جو کبھی منجھتا نہیں اور دھلتا نہیں دال اور سبزی کی تہ پر تہ چڑھتی جاتی ہے۔ اس کو صاف کرنا گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

شام کا کھانا دن کے بارہ بجے سے تیار ہونا شروع ہوجاتا ہے اور چار بجے

تک تیار ہوکر پانچ بجے تقسیم ہو جاتا ہے۔ مطبخ کے قیدیوں کو لانگری کہتے ہیں۔ مطبخ کے کھانے کی وجہ سے لانگریوں کو چھوٹ زیادہ ملتی ہے۔ اس لئے کہ ان کو کام زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اتوار کو بھی چھٹی نہیں ملتی۔ اور قیدیوں کو سال میں ڈھائی ماہ چھوٹ کے دیئے جاتے ہیں۔ مگر لانگری تین ماہ کی چھوٹ کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔

بنائی کپڑا، پٹڑی، دری دہلی جیل میں اور کمبل، تولیہ، تہمند، ازار بند، غالیچہ، فیروزپور جیل میں بنائے جاتے ہیں۔ ٹوکریاں، زنبیل، کرسیاں بھی جیلوں میں تیار ہوتی ہیں۔ جن کو پبلک کے ہاتھ بھی فروخت کیا جاتا ہے اور مقامی جیل بھی استعمال کرتی ہے۔ بقایا دوسری جیلوں میں تبادلہ میں بھیجدیا جاتا ہے۔ دستکار قیدیوں کو چھوڑتے وقت جیل حکام ہچکچاتے ہیں ان ہی کی بدولت جیل حکام اپنی جیل کی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ دستکار قیدی جیل سے باہر نہیں رہنے دیئے جاتے بلکہ پولیس کسی نہ کسی طریقہ سے اس کو جلد جیل پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک جیل کے ملازم کے ماتحت اور اسکی نگرانی میں انجام کو پہنچتی ہیں۔

پہرہ چلائی پہرہ چلائی جیل کے اندرونی کوٹ موقعہ یعنی جیل کی چار دیواری پر چلایا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قیدی کو فرار ہونے سے روکا جائے اور اگر قیدی فرار ہو تو فوراً پہرہ والا نمبردار سیٹی بجا دے سیٹی بجتے ہی جیل کے دروازہ کی چھت کا نمبردار سیٹی بجا دیتا ہے۔ تو فوراً تمام نمبردار ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

نمبردار جس کے سپرد یہ کام ہوتا ہے ان کی تعداد دس ہوتی ہے۔ جو قیدی ہوتے ہیں اور اپنی چوتھائی قید کاٹنے کے بعد نمبردار بنا دئے جاتے ہیں۔ پترہ لکڑی کے چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر نمبر ٹپے ہوئے ہوتے ہیں۔
جیل کی چاردیواری کو دس حصہ میں منقسم کیا جاتا ہے۔ ہر ایک حصہ کو کوٹ موقعہ کہا جاتا ہے۔ ایک کوٹ موقعہ سے دوسرے کوٹ موقعہ پر ۶ منٹ میں پترہ گذرنا لازمی ہوتا ہے۔ جیل کے دروازہ سے پہلا پترہ ہر ۶ منٹ کے بعد چلتا ہے پہلا پترہ ایک گھنٹہ کے بعد دروازہ پر پہنچتا ہے۔ بقایا پترے ۶-۶ منٹ کے بعد سلسلہ وار دروازہ پر پہنچتے ہیں۔ کسی کوٹ موقعہ کا نمبردار پترہ کو چھ منٹ سے زیادہ اپنے پاس روک نہیں سکتا ورنہ دو پترے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اگر رکھیگا تو اس کی اس کو سزا دیجائیگی۔ یہ پترہ ۲۴ گھنٹے چلایا جاتا ہے اور ہر نمبردار کی ۳ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے جس میں تیس پترے چھٹتے ہیں بعض موقعوں پر بیرونی حصہ میں رات کو پترہ چلنا شروع ہوجاتا ہے جو رات کے ۹ بجے سے صبح ساڑھے چار بجے تک چلتا ہے۔ اس میں بھی بارہ نمبردار لگائے جاتے ہیں۔ رات کا پترہ چلنا پولیٹکل قیدیوں کا جیل میں آنے کی نشانی یا کسی خطرے کے امکان کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقہ دہلی جیل میں رائج ہے۔ ہر جیل میں اس کی حیثیت کے مطابق نمبردار کی تعداد اور پترہ وغیرہ کا وقت مقرر ہوتا ہے۔

کپڑا سلائی دھلائی جو قیدی درزی کا کام جانتا ہے اس کو سی کلاس کے قیدی کے کپڑے سینے کے لئے لوہے کے کارخانہ میں بٹھا دیتے ہیں۔ سینے کے لئے

سوئیاں نہیں بلکہ سوئے ہوتے ہیں تاگہ کافی موٹا ہوتا ہے۔ جس کی شکل دیکھکر سینے سلانے کا خیال ختم ہوجاتا ہے۔ جو قیدی اچھے قسم کا درزی ہوتا ہے اُس کو سینے کی پاؤں والی مشین دیجاتی ہے جس میں سب سے پہلے جیلر اور اسسٹنٹ جیلر اور ان کی اولادوں کے کپڑے سِلتے ہیں۔ بعد میں ہیڈ وارڈر اور وارڈر اپنے کرتے پجامے سلواتے ہیں۔ قیدیوں کا مہینوں کے بعد نمبر بھی نہیں آتا۔ البتہ جیل کے کرتے پجامے دیسی درزی سیتا ہے۔

دھوبی قیدی بھی تمام دن جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کے کپڑے دھوتا ہے۔ اور استری کرتا رہتا ہے جو مصالحہ کپڑے دھونے کا ہوتا ہے اور بھٹی گرم کرنے کے لئے جو لکڑی ملتی ہے وہ سب جیل حکام کی نظر ہوتی ہے۔ یا ان کے کپڑوں کے صاف کرنے کے کام آتی ہے۔ جب کپڑا جیل میں آتا ہے تو اس کا اندراج وہاں کے رجسٹر میں نہیں ہوتا حالانکہ جیل کا قاعدہ ہے کہ جو چیز جیل میں داخل ہو یا جیل سے باہر جائے اس کو رجسٹر میں درج کرنا چاہیئے۔

پریس پریس میں لکھنے پڑھنے والے قیدی کتابت کرتے ہیں۔ کاپی کو پتھر پر چڑھاتے ہیں۔ مشین مینی کرتے ہیں۔ جو کاغذ پریس میں چھپتے ہیں وہ عدالتوں کے سمن وارنٹ اور رجسٹر ہوتے ہیں۔ جو چھپنے کے بعد عدالتوں میں بھیجدیئے جاتے ہیں۔

لوہار جیل کے دروازے۔ بارکوں کی سلاخیں اور لوہے کی دیگر چیزیں درست کرنے کے لئے قیدی کو لوہار کا کام دیدیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کام کو جانتا ہو۔ یہی لوہار سی کلاس اخلاقی قیدیوں کے پاؤں میں کھڑی بیڑی ڈالتے ہیں

جبکہ ان کا تبادلہ کسی جیل میں ہوتا ہے۔ یا جو قیدی تبادلہ ہوئے جیل میں آتا ہو تو اس کے کپڑے اور بیڑی آتارنے کی ذمہ داری اس لوہار پر ہوتی ہے۔ حکم ہوتے ہی وہ اپنا یہ فرض انجام دیتا ہے۔

منشی گیری جو قیدی پڑھا لکھا ہوتا ہے اس کے ذمہ لکھنے پڑھنے کا کام کر دیا جاتا ہے۔ بعض منشی قیدیوں کی سرکاری اپیلوں کا مضمون لکھتے ہیں۔ بعض ڈیوڑی پر قیدی کے آمد کے بعد قیدی کا پتہ وغیرہ رجسٹر میں چڑھاتے ہیں۔ بعض بارگوں کے قیدیوں کی فہرست بتاتے ہیں دونوں وقت حاضری لیتے ہیں۔ بعض کپڑوں کا حساب رکھتے ہیں۔ بعض ہسپتال کے قیدیوں اور ان کی بیماری وغیرہ کی نوعیت کا رجسٹر میں اندراج کرتے ہیں۔

یہ مشقت کثرت کیساتھ رشوت کے زور پر ملتی ہے۔ پڑھا لکھا آدمی اسکو غنیمت جانتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اسی مشقت میں اپنی پوری قید بتا دے لیکن اس جگہ پر رہنے کے لئے مسلسل جیب گرم کرنی پڑتی ہے۔ اور ماھانہ نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔

پیشکاری جیل حکام کی پیشکاری بھی آرام دہ مشقت ہے اس میں اکثر جاہل لوگ لئے جاتے ہیں جو جیلر اور سپرنٹنڈنٹ جیل کے پیچھے پیچھے لمبی لمبی چوڑی چھتری لیکر آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ جیلر کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ کوئی شریر قیدی جیلر پر حملہ نہ کر دے۔ پیشکاری کے لئے اور ہر ایک مشقت کے لئے یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ پندرہ دن کے بعد بدل جاتی ہے یا اسی کو بڑھایا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پیشکاری کا معاملہ مہینوں کھٹائی

میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جیل حکام ان پیشکاروں کے ذریعہ رشوتیں وصول کرتے ہیں۔ دلالی کے فرائض بھی لوگ انجام دیتے ہیں اس بناء پر جلدی تبدیل نہیں کئے جاتے۔ یہ لوگ جیل کے امیروں اور غریبوں سے خوف واقف ہوتے ہیں۔ مگر کسی کو بخشنا پاپ سمجھتے ہیں۔ اور ہر قیدی کو اپنے تیر کا نشانہ بناتے ہیں جو پہلے قیدی کی شکل میں خوب ستائے جاتے ہیں پیشکار ہونے کے بعد گن گن کے انتقام لیتے ہیں۔

جیل کی سزائیں

جیل میں دو قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ایک عدالتی اور دوسری جیل کی۔جو جیل حکام نا فرمان قیدیوں کو دیتے ہیں۔عدالت سے سیاسی قیدیوں اور اخلاقی قیدیوں کو قید کے علاوہ پھانسی اور بیت لگانے کی سزا دیجاتی ہے۔اور جیل کے قیدیوں کو جیل میں شرارت کرنے کے عیوض بیت لگانے۔کال کوٹھری کی قید تنہائی، کڑی ہتکڑی۔ڈنڈا بیڑی۔کھڑی بیڑی ٹاٹ وردی، لال وردی۔چکی کوٹھڑی وغیرہ کی سزائیں ملتی ہیں۔شرارتوں میں جیل حکام کو زدوکوب کرنے، انکو گالیاں دینے۔بیڑیاں منگانے رکھنے اور پہننے۔نقدی رکھنے۔مشقت نہ کرنے، جیل حکام کا حکم نہ ماننے، قیدیوں کو ورغلانے۔کھانا نہ کھانے کی تلقین کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دیجاتی ہے۔اور ان کے عمل کے بعد اس کو سزا ملتی ہے۔سزا دینے اور اس کو معاف کرنے کا حق سپرنٹنڈنٹ جیل کو ہوتا ہے۔جیلر سزا دینے کا حق نہیں رکھتا لیکن جو کچھ جیلر لکھدیتا ہے اسی پر سپرنٹنڈنٹ جیل معاملات کو سمجھنے کے بعد حکم صادر کردیتا ہے۔البتہ شری قیدی کو بیت اس وقت تک نہیں لگائی جاسکتی جب تک انسپکٹر جیل کی منظوری نہ لے لی جائے لیکن اگر سپرنٹنڈنٹ جیل بمشورہ ڈاکٹر کسی عدالتی بیت کی سزا کو معاف کرنا چاہے

تو کر سکتا ہے۔

پھانسی پھانسی دینے سے ایک روز پہلے قیدی سے اس کے عزیز و اقارب جیل کے اندر پھانسی کوٹھی پہ ملنے آتے ہیں۔ قیدی پھانسی کوٹھی کے اندر ہوتا ہے۔ باہر سے اس کے والدین و اقربا بات چیت کر کے چلے جاتے ہیں۔ وہ ملاقات کا منظر انتہائی دردناک ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ قیدی اپنی جگہ بے بس بے آس بے قابو کسی مددگار غیبی کا متلاشی ہوتا ہے۔ ماں باپ جب روتے چلاتے چلے جاتے ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے اس کی زندگی بنائی تھی۔ اپنی ... کو جو کھوں میں ڈال کر اس کو پالا پرورش کیا تھا جب وہ ناامید ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ قانون کا پتلا جیل ان کو جب جیل سے باہر نکال دیتا ہے تو قیدی کی جان اسی وقت قریب قریب نکل جاتی ہے۔ اور حقیقی معنوں میں اس کو اسی وقت پھانسی دیدی جاتی ہے۔ رات بھر قیدی تڑپتے تڑپتے، گھبراہٹ کے دورے پڑتے پڑتے قریب قریب ادھ موا ہو جاتا ہے۔ پھانسی والی رات جیلر کے لئے بھی مصیبت کی رات ہوتی ہے۔ قیدی کو صبح پھانسی کے لئے پیش کرنا ہوتا ہے۔ رات بھر جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کو بھاگا دوڑی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں رات ہی کو قیدی موت کا شکار نہ ہو جائے۔ اور اس کو غیر ذمہ دار نہ بننا پڑے۔ جیل حکام کے لیئے وہ رات رتجگہ ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اپنے آلات سے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اپنے دماغ کو روشن رکھتا ہے تاکہ قیدی کو صبح تک پھانسی کے تختے پر زندہ سلامت پہنچا دے۔

صبح کاذب کا اسوقت راج ہوتا ہے۔ چار بجے سے قیدی کو پھانسی کے تختے پر لیجانے کی تیاریاں شروع کر دیجاتی ہیں۔ نیم مردہ انسان دو دو تین آدمیوں کے سہارے سے چلایا جاتا ہے پہنچایا جاتا ہے دار پر۔ جلاد اطمینان و سکون کے عالم میں رسّوں کو درست کرتا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل جیلر اسسٹنٹ جیلر جیل کا تمام عملہ ایک آدمی کو پھانسی دینے کے انتظام میں مصروف و مستغرق نظر آتے ہیں۔ نیلی وردی کوٹھڑی میں لیجا کر قیدی کو پہنائی جاتی ہے۔ دونوں ہاتھ نیچے کر کے باندھ دیئے جاتے ہیں اور مونڈھوں کے نیچے موٹے رسّے سے بازوؤں کو باندھ کر تیار کر دیا جاتا ہے۔ اور تھوڑا سا سہارا دیکر پھانسی کے تختے پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں قیدی سے دگنے وزن کی سیمنٹ بھری ہوئی دو بوریاں قیدی کے ٹخنوں میں کس دی جاتی ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل رومال سے اشارہ کرتا ہے۔ جلاد فوراً نیلا ٹوپ قیدی کے منہ پر اڑھا دیتا ہے۔ اور لوہے کی دو انچی لمبی اور آدھ انچی چوڑی پتی حلقوم پر رکھدی جاتی ہے۔ اور نیچے سے دونوں تختے کھینچ دیئے جاتے ہیں جس کے کھنچنے سے دو بوریاں نیچے کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ اسی سے گردن میں دھچکا لگتا ہے اور نیم جان انسان منٹوں میں بے جان ہو جاتا ہے۔ لیکن قیدی کی لاش کو دس منٹ تک پھندے میں لٹکائے رہتے ہیں۔ جلاد گڑھے میں اتر جاتا ہے اور اس کی ٹانگیں پکڑ کے تین مرتبہ جھٹکے دیتا ہے۔ لاش کو پھندے میں سے نکالکر ایک چارپائی پر ڈالدیا جاتا ہے۔ اس کو سول سرجن معائنہ کرتا ہے اور معائنہ کے بعد ورثا کے سپرد لاش کردی جاتی ہے۔ ورثا نیلی

ہونڈی قیدی کے جسم سے آتار کر جیل حکام کے سپرد کر دیتے ہیں جو آئندہ کی پھانسیوں کے لئے رکھلی جاتی ہے۔ یہ جلاد لاہور کا باشندہ ہے۔ فی پھانسی دس روپیہ اور کرایہ ریل آمدورفت اس کو دیا جاتا ہے۔ یہ تمام پنجاب میں گشت لگاتا رہتا ہے۔

انگلینڈ میں لاش قیدی کے ورثا کو نہیں دی جاتی بلکہ پھانسی گھر ایسی جگہ بنایا جاتا ہے جہاں سمندر قریب ہوتا ہو اور اس کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے۔

انگلینڈ میں پھانسی ہندوستانی طریقے سے بھی دیجاتی ہے اور اس کے برعکس بجلی سے بھی جان نکالی جاتی ہے۔ قیدی کو ایک کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور اس کو ایک مست کرنے والا گانا سنایا جاتا ہے جس کو سنکر وہ بیخود و مدہوش ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں ۴۰۰۰ کی طاقت کی بجلی اس کے جسم میں چھوڑ دی جاتی ہے جس سے ایک سکنڈ میں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ اور اس بے روح کے لاشے کو سمندر کے نظر کر دیا جاتا ہے۔

بینت لگانا بینت لگانے کی سزا عدالتی بھی ہوتی ہے۔ اور جیل کی بھی۔ عدالتی بینت لگانے کی سزا سخت نہیں ہوتی بلکہ آہستگی سے عمل میں لائی جاتی ہے۔ ایک ٹکٹکی صدر دروازہ جیل کے سامنے چلر پر لگائی جاتی ہے جو ڈھائی تین گز لمبی ہوتی ہے اور لکڑی کی تین پھٹیوں سے بنائی جاتی ہے۔ سامنے کی دو پھٹیوں پر بیچ میں گدی ہوتی ہے اور اس کے اوپر دو کڑے کھلنے اور بند ہونیوالے لگائے جاتے ہیں۔ نیچے ایک پھٹی سہارے کے لئے لگا دیجاتی ہے۔ قیدی کو ٹکٹکی پر چڑھا کر بیچ کی گدی میں اوندھا کر کے

باندھ دیا جاتا ہے۔ ہاتھ اوپر کی کڑوں میں کس دیئے جاتے ہیں اور کمر کے آخری حصہ پر گیلا کپڑا رکھدیا جاتا ہے اور جیل کا چوڑا قیمتی گیلی بینت اٹھا کر اور گھما کر اس گیلے کپڑے کی جگہ کمر پر مارتا ہے۔

اگر اس چوڑے کو کچھ رشوت دیدی جائے تو وہ بینتیں آہستہ سے مارتا ہے۔ ورنہ اپنی تمام طاقت بینتیں رسید کرنے میں لگا دیتا ہے۔ اس مار سے بہت سے قیدی بیہوش ہوجاتے ہیں۔ کمر پر نہ ختم نہ ہونے والے نشان پڑجاتے ہیں۔ چوڑے کی رشوت آٹھ آنے سے لیکر زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ تک ہوتی ہے۔

البتہ جو بینتیں نافرمان گستاخ قیدیوں کو لگائی جاتی ہیں وہ بہت سخت ہوتی ہیں۔ اور ان کی تعداد پندرہ سے تیس تک ہوتی ہے۔ اس میں چوڑا کسی قسم کی رعایت نہیں کرسکتا اس بنا پر کہ وہ سزائیں حکام جیل کیساتھ زیادتی کرنے پر دیجاتی ہیں۔ مثلاً ایک سکھ قیدی کو تیس بینتیں لگانے کی سزا اس لئے دی گئی کہ اس نے جیل کی ڈیوڑھی پر اپنی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کی تلاشی دینے سے انکار کیا۔ اور جیل کے حکام کے اصرار پر ایک ہیڈ کلرک پر لوہے کی بھاری باٹی کھینچ ماری جس پر جیل کا عملہ جمع ہوگیا اور اس نے اس سکھ کو اپنی گرفت میں لیکر چکی میں بند کردیا۔ اس کے بعد جب جیل کے عملہ نے اس کتاب کی تلاشی لی تو اس میں سے ایک بڑا چھرا برآمد ہوا۔

بینت لگانے کی سزا خاص طور پر اس کام چور اور ڈھیٹ قیدی کو بھی دی جاتی ہے جو کام کرنے سے صاف طور پر انکار کردیتا ہے۔ اور ذرہ برابر

بھی مشقت نہیں کرتا۔ ایسے قیدیوں کو نو۹ بینتیں تک ایک دم لگا دی جاتی ہیں جس کے بعد قیدی کسی کام کا نہیں رہ سکتا۔ مگر پھر وہ جیل والوں کے بس کا نہیں ہوتا۔ اس سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا وہ تمام جیل والوں کا گرو مانا جاتا ہے۔ حکام جیل اس سے گھبراتے ہیں۔ اس کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں تاکہ وہ کہیں بگڑ نہ جائے۔ وہ بھی بے فکر ہوتا ہے اس لئے کہ سمجھتا ہے کہ اس کو اب کوئی سزا نہیں دیجا سکتی۔ جو چاہے کرے۔ جس کو چاہے مارے کوٹے۔

ایسے قیدیوں کے پنجاب میں ایک جیل اور اس جیل میں ایک بارک ان قیدیوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے جس میں وہ بند رکھے جاتے ہیں۔ یہ سلوک ان کے ساتھ اس لئے روا رکھا جاتا ہے کہ وہ اور قیدیوں کو بگاڑ نہ سکیں۔ اور جیل کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔

مسٹر چنڈی داس ایک اخلاقی قیدی کے بینتیں لگنے کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

> جیل میں ٹین کے پترے سے خود بنائے ہوئے استرے سے تمام جسم کے بال مونڈ کر اور خوب داڑھی منڈوا کر ہاتھ میں رومال لٹکاتے پاؤں میں بیڑی باندھے ایک عجیب شان سے کرم دین ۳۲ سالہ نوجوان قیدی رہتا تھا۔
>
> اس نے باوجود ان پڑھ ہونے کے اپنی ہسٹری ٹکٹ کے ایک کونہ پر ایک قسم کی لکیریں کھینچ رکھی تھیں جن سے اس نے حساب کر کے مجھے بتلایا کہ اس نے آجتک ۲۷۰ بیت کھائی ہیں۔ اس

نے مجھے اپنے چوتڑوں پر سے کپڑا اٹھا کر دکھایا ان پر آدھ آدھ انچ گہری لائینیں پڑی ہوئی تھیں جن کو دیکھ کر انسان تھرا اٹھتا تھا۔

چند یوم گذرنے نہ پائے تھے کہ ایک قیدی کی ہمدردی میں کرم دین ملازم وارڈر سے بدکلامی ہو گئی۔ ملازم وارڈر نے افسران جیل سے شکایت کی۔ کرم دین نے اس کی پرواہ نہ کی، پیشیوں پر پیشیاں ہوئیں۔ نیا سپرنٹنڈنٹ آیا تو اس نے کرم دین کو ڈانٹا۔ کرم دین بھی ایک استاد تھا۔ خراب روٹیاں دکھا کر بولا کہ تم انصاف کے لئے آئے ہو یا اپنے ماتحتوں کی جائز و ناجائز حمایت کے لئے" تم روٹی کو اچھا کرو ورنہ تمہاری یہ روٹیاں میں دورہ پر آنے والے انسپکٹر جنرل کو دکھاؤں گا۔ اور کبھی نہ ٹلوں گا۔ سپرنٹنڈنٹ اس گفتگو سے ناراض ہوا اور پیشی میں پیش کرنے کو کہا۔

پیشی میں پیش ہونے سے پہلے اس رات کو کرم دین نے اپنے آپ کو کوٹھی میں محصور کر لیا۔ ہر ایک کوٹھی کے باہر لوہے کے مضبوط دروازے ہوتے ہیں اور اندر آدمی کی چھاتی تک اونچا ایک پختہ اینٹوں کا تھڑا بنا ہوا ہوتا ہے اس کے اوپر چکی لگی ہوتی ہے اس کے سامنے کھڈی ہوتی ہے جس پر قیدی سوتا ہے۔ رات کو کرم دین نے اس پختہ تھڑے اور کھڈی کو اکھیڑ ڈالا اور اندر کی طرف تمام اینٹیں دروازے کے ساتھ چن دیں جس سے دروازہ بند ہو گیا۔ دن کو یہ حالت دیکھ کر وارڈر نے الارم کی گھنٹی بجا دی۔ تمام افسر آئے

کرم دین کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ جو دانے اسے دن کو پینے کے لئے ملے تھے ان میں سے اس نے آدھا آٹا اور ایک چھوٹا گھڑا پانی کا اندر کھ لیا تھا۔ اور وہ تین چار روز یہی کچا آٹا پانی میں گھول کر پیتا رہا۔ بس یہی اس محصور کے پاس سامانِ رسد تھا۔

کرم دین کو بہت ڈرایا دھمکایا انتہائی کوشش کی جیلر نے وعدے کئے تمہیں اچھی غذا ملیگی۔ اس نے کہا تم پر میں اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں سپرنٹنڈنٹ کو لاؤ۔ سپرنٹنڈنٹ آیا اور اس نے وعدہ کیا تو کرم دین نے اینٹوں کو ہٹایا اور باہر نکلا۔ بیچارہ بڑا نحیف ہو گیا تھا۔ مگر جونہی وہ باہر نکلا اسے دو ملازموں اور ایک قیدی وارڈر نے پیچھے سے پکڑ لیا۔ ٹکٹکی منگوائی گئی بھنگی قیدی آیا۔ بیت آئے۔ ڈاکٹری معائنہ ہوا۔ سپاہیوں کو کہا چھوڑ دو، اور کرم دین کو کہا ادھر آؤ بدمعاش۔ کرم دین چپ چاپ کھڑا تھا سپرنٹنڈنٹ صاحب ٹوپی لگانے کے لئے جھکے کرم دین نے سپرنٹنڈنٹ کے زور کا طمانچہ رسید کیا کہ پانچوں انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ نے اُف نہ کی۔ اور بڑے زور سے بید لگانے کا حکم دیا۔ بید لگاتے وقت قاعدہ ہے کہ ایک شخص زور سے آواز دیتا ہے ایک، دو، تین،

جب آواز دی گئی تو کرم دین نے للکار کر اور گالی دیکر کہا۔ خبردار! کرم دین خود گنتی کریگا۔ اور پورے زور سے گننے لگا

ایک، دو، تین، بیس، پچیس گننے کے بعد اس کی آواز مدہم پڑ
گئی ۔ میں نے خود اس کے بید لگنے کا نظارہ دیکھا ہے ۔ بید اس
زور سے لگتے تھے کہ چمڑے کو قیمہ کر کے ہوا میں اڑا رہے تھے۔
بالکل اسی طرح قیدی کے جسم سے گوشت اور خون کے لوتھڑے
اڑتے ہیں جیسے روئی دھنتے ہوئے روئی کے ذرے اڑتے ہیں
جب کرم دین کے تیس بینتیں لگ چکیں تو کرم دین دو منٹ
بیہوش رہا ۔ سر اٹھایا ۔ تو گالیاں فحش دیں اور خود اٹھ کے
چلدیا ۔ (بھارت زنجیروں میں پنڈی داس ۔ ۲۴، ۲۵)

کال کوٹھڑی کی قید تنہائی

سزائے تازیانے کے بعد دوسری سخت سزا کال کوٹھڑی کی قید
تنہائی ہے ۔ جہاں قیدی کے پاس کوئی انسان بھٹک نہیں سکتا ۔ آنے جانے
کی ممانعت ہوتی ہے ۔ اور نہ کوئی مشقت دیجاتی ہے ۔ اسی کوٹھڑی میں
لوہے کا پترہ (توے نما) رکھا رہتا ہے ۔ وہیں پیشاب، پاخانہ کرو ۔ وہیں
سوؤ اور وہیں کھاؤ پیو ۔ تعفن کے مارے ایک ایک منٹ بیٹھنا دوبھر
معلوم دیتا ہے ۔

اس کال کوٹھڑی میں بکثرت موش خانے ہوتے ہیں ۔ جہاں چوہے
آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ قلا بازیاں کھاتے پھرتے ہیں ۔ اور اس قدر
بے تکلف و بیباک ہوتے ہیں کہ چھاتی پہ چڑھنا کوئی مشکل بات نہیں سمجھتے
بڑے نڈر ہو کر چڑھ جاتے ہیں ۔ راتوں کو ٹوپیاں بھی نوچ لیتے ہیں ۔

انگلیاں کتر لیتے ہیں۔ قیدی سانپ بچھو کے شبہے میں اُٹھ بیٹھتا ہے۔ اور شک وشبہ اور خوف وہراس میں تمام رات کالی کر دیتا ہے۔

کال کوٹھڑی مچھروں اور کھٹملوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جیل والے خاص طور پر تمام شہر وقصبہ کے مچھر وکھٹمل پکڑوا کر شاید کال کوٹھڑی میں چھوڑا دیتے ہیں۔ مچھر اور کھٹمل ایک منٹ چین نہیں لینے دیتے۔ اور اس قدر کاٹتے ہیں کہ خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی ہے یہاں قیدی انتہائی تنگ آجاتا ہے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے زندگی اجیرن معلوم دینے لگتی ہے۔ جیل میں مشقت کی وجہ سے وقت کٹ جاتا ہے۔ لیکن بیکاری جیل میں انتہائی تکلیف وپریشانی کا باعث بنجاتی ہے۔

قید تنہائی کی دوسری قسم بھی ہوتی ہے۔ جس میں قیدی کے پاس جیل کے کارکن کوٹھڑی کی صفائی وغیرہ کے لئے آسکتے ہیں۔ اس قید تنہائی میں رہنے کا اتفاق بندہ کو بھی ہوا ہے۔

جرم یہ تھا کہ تم نے ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے آنے پر استقبال کیوں نہیں کیا۔ اس لئے "قید تنہائی" مسلط کی گئی۔ اور کیمپ سے فیروزپور جیل کی کوٹھڑیوں میں جو کیمپ سے متصل ہے بھیجدیا گیا۔

ڈنڈا بیڑی

"ڈنڈا بیڑی" کی سزا تین دن سے لیکر ایک ماہ تک دی جاسکتی ہے۔ ڈنڈا بیڑی لگنے کے بعد چت یا پیٹ ہی لیٹا جاسکتا ہے۔ پوری کروٹ سے لیٹنا ناممکن ہوتا ہے۔ ڈنڈا بیڑی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دو آہنی کڑے پاؤں میں پہنا کر ایک لوہے کا ڈیڑھ فٹ بھر

یا دونوں ٹخنوں کے بیچ میں کڑوں میں موڑ کر ڈالدیا جاتا ہے۔ جس کے بعد اگر کروٹ سے کوئی لیٹے تو ایک ٹانگ آہنی سرے کے سہارے کھڑی رہیگی جو بہت دیر تک برداشت نہیں کی جاسکتی۔ پٹ لیٹنے کے لئے بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ کروٹ لینے میں انتہائی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک سکھ قیدی کو جو کبڑا تھا یہی سزا دی گئی تھی اس غریب کے لئے سوائے اوندھے لیٹنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ بے بس قیدی عذاب کا مزہ چکھتا تھا لیکن اف تک اس کی زبان سے نہ نکلتی تھی۔ ایک ماہ تک یہ سزا اس نے بھگتی مگر اپنے ارادہ پر قائم رہا۔ اور اپنے دوسرے پولیٹیکل ساتھیوں کے لئے مصائب و آلام کا شکار بنا رہا۔

ڈنڈا بیڑی لگنے کے بعد چلا پھرا نہیں جاتا۔ جس طرح چیونٹی رینگتی ہے اسی طرح پاؤں کھسکا کھسکا کر تھوڑا بہت راستہ کاٹا جا سکتا ہے۔ بعض قیدیوں کو ڈنڈا بیڑی کیساتھ دونوں ہاتھ میں بیڑی ڈالنے کی سزا بھی دیجاتی ہے جس سے کھانا کھانے وغیرہ کے لئے دو گھنٹے کے واسطے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن ڈنڈا بیڑی اس وقت تک نہیں کھلتی جب تک سزا پوری نہ ہوجائے

پیٹھی ہتکڑی پیچھے دونوں ہاتھ کر کے جڑے ہوئے ہاتھوں میں ہتکڑی ڈالدی جاتی ہے جس سے نہایت بے کلی کیساتھ قیدی اوندھا پڑا رہتا ہے۔ سیدھا لیٹ نہیں سکتا۔ اس سزا کا ٹائم شام کے چھ بجے سے لیکر صبح چھ بجے تک ہوتا ہے۔ جو تین دن سے لیکر ایک ماہ تک دی جاسکتی ہے۔

کھڑی ہتکڑی کھڑی ہتکڑی کی سزا تین گھنٹے صبح تین گھنٹے شام تین چار روز تک مل سکتی ہے۔ درخت میں ایک کڑا قیدی کے قد کے مطابق ٹھوکدیا جاتا ہے اگر قیدی نیچے قد کا ...... ہوتا ہے تو پتھر رکھ کے قیدی کو کھڑا کردیا جاتا ہے۔ اور ہاتھوں میں ہتکڑی ڈالکر کنڈی میں لگا دی جاتی ہے۔ لنگڑے قیدی کو یہ سزا نہیں دی جاتی اور ٹنڈا قیدی بھی اس سزا سے مستثنیٰ رہتا ہے۔

کھڑی بیڑی دو کڑے پاؤں میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور دو کڑے ناف کے نیچے باندھ کر بیچ میں لوہے کی دونوں سلاخوں کے سرے چاروں کڑوں میں ڈالکر موڑ دیئے جاتے ہیں یہ سزا بدمعاشی کرنے پر بھی دی جاتی ہے اور جب سی کلاس اخلاقی قیدی ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کیا جاتا ہے تو اسی شکل میں اسے جیل سے باہر بھیجا جاتا ہے۔ کھڑی بیڑی ایک ہفتہ سے ایک ماہ تک دی جاتی ہے۔ جب قیدی جیل میں منتقل ہوتے ہیں تو راستہ میں پیدل چلنے کی وجہ سے لہولہان ہوجاتے ہیں اور ٹخنے زخمی ہوجاتے ہیں

ٹاٹ وردی قیدی کو خلاف قانون حرکت کرنے پر ٹاٹ وردی کی سزا دی جاتی ہے جس میں ٹاٹ کا کرتا۔ ٹاٹ کا پاجامہ اور ٹاٹ کی ٹوپی ہوتی ہے۔ اگر قیدی سکھ ہوتا ہے تو اس کو ٹاٹ کی پگڑی دی جاتی ہے۔ جس کا پہننا لازمی ہے۔ کوئی قیدی اپنا کرتا پجامہ ٹوپی یا پگڑی اتار کر نہیں رکھ سکتا۔ یہ سزا گرمی جاڑے دونوں موسم میں دی جاتی ہے جو گرمی میں ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ قیدی ہر وقت پسینے پسینے رہتا ہے

رات کو بھی اس کو اس لباس میں ملبوس رہنا پڑتا ہے۔ اور پسینہ میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔ تین روز سے ایک ماہ تک یہ سزا دی جا سکتی ہے۔

لال وردی جو قیدی جیل سے بھاگ جاتا ہے اس کو لال وردی پہنائی جاتی ہے جس کا کرتا، پجامہ، ٹوپی یا پگڑی لال رنگ کی ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ کے لئے بھگوڑے قیدی کے لئے وقف کر دیجاتی ہے۔ اور اس وقت تک اس کو لال وردی پہننی پڑتی ہے جب تک وہ رہا نہیں ہو جاتا اور جیل سے باہر نہیں نکالدیا جاتا۔

کوٹھری اور چکی کی سزا بھی متفنی قیدیوں کو دی جاتی ہے۔ کوٹھری اور چکی کوٹھری میں یہ فرق ہوتا ہے کہ کوٹھری میں چکی نہیں ہوتی اور چکی کوٹھری میں چکی ہوتی ہے اور اس میں قیدی سے چکی اس وقت تک پسوائی جاتی ہے جب تک وہ چکی کوٹھڑی میں رہتا ہے۔ کوٹھڑی میں چکی پسوانے کی سزا نہیں دی جاتی۔ اسی کوٹھری اور چکی کوٹھری میں قیدی کو روٹی دیجاتی ہے۔ اگر شریر قسم کا قیدی نہیں ہوتا تو اس کو تالا کھول کر بھاجی روٹی دی جاتی ہے۔ ورنہ لانگری مطبخ کا آدمی لکڑی کی ٹوئی سے باٹی میں ڈال دیتا ہے اور روٹی جالیوں میں سے قیدی کو پکڑا دیتا ہے۔

کم خوراکی کی سزا یہ ہے کہ قیدی کو کھانے کے لئے دو وقت دو روٹیاں اور دوپہر کو دو چھٹانک چنے نہ دیکر صرف ایک وقت تھوڑے آٹے کی پتلی سی لئی دی جاتی ہے۔ عام قیدیوں کے خیال میں یہ سزا ہلکی ہے مگر حقیقت میں بڑی اہم سزا ہے۔

یہ تمام سزائیں پیشی ہونے کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل ہی دے سکتا ہے کسی جیل افسر کو قانوناً یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی قیدی کی ہتک کر سکے، گالیاں دے سکے مارپیٹ کر سکے۔ یا کسی قیدی کے ڈنڈا بیڑی، ہتھکڑی لگا سکے۔ لیکن جیل میں اس قانون کے ہوتے ہوئے سب کچھ کیا جاتا ہے۔ ذرا مرضی کے خلاف کسی قیدی نے کچھ کیا اور نمبردار اور کالی پیلی والوں نے جوتے برسانا شروع کردیئے۔ قیدی نے کسی بات کو نہ مانا اور جمعدار کے ظلموں کا نشانہ بننا شروع ہوگیا۔ کوئی بے ضابطہ خدمت انجام دلانا چاہی اور اس کو پورا نہ کیا...... تو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے گویا قانون کی موجودگی میں قانون کے محافظ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو قانون کا دشمن بھی نہیں کرسکتا۔ اور پھر قانون کی دہائی دیتے ہیں اور غریب قیدیوں کو ستاتے ہیں۔

پولیس کی دُرگت

اگر مسلازمان پولیس قیدی کی شکل یا حوالاتی شکل میں آجاتے ہیں تو ان کی وہ درگت بنتی ہے کہ الامان الحفیظ قیدی ان کو اس قدر پیٹتے ہیں کہ ان کو اپنے ایک ایک ظلم یاد آنے لگتے ہیں قیدیوں کو بہت سمجھایا جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی صورت میں ان کو بخشنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ مغلظ گالیاں دیتے ہیں۔ بلاوجہ ان سے اڑتے ہیں۔ ان کو بھاری بھاری چیزیں اٹھانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ انکار کرنے پر چوروں کی مار ماری جاتی ہے۔

جس سب انسپکٹر کا پیٹ بڑھا ہوا ہو اس پر لاتیں مار مار کر کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے گاؤں کے مرغے جمع ہیں۔ کوئی ادھر آتا ہے۔ دھڑسے

جما دیتا ہے۔ کوئی ادھر جاتا ہے مکہ رسید کر دیتا ہے۔ موچھوں کو پکڑ پکڑ کر جیل گھر میں کھینچے پھرتے ہیں۔ دست بدست دگر پا بدست دگرے جھولا جھولاتے ہیں اور جھلا جھلا کر پتھر کی طرح پھینکدیتے ہیں۔ نگران قیدی جوتا اتار کر دھڑا دھڑ سو گنتا ہے جب ننانوے پر پہنچتا ہے تو جان بوجھ کر گنتی بھول جاتا ہے۔ پھر ایک دو سے گنتی شروع کر دیتا ہے۔ جب اس طرح انتقام پورا نہیں ہوتا تو منہ میں جوتے دیئے جاتے ہیں۔

جیل حکام بے بس ہوتے ہیں ان کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔ تو اس کو ایک کوٹھڑی میں تنہا بند کر دیتے ہیں۔

اس منظر کو دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے فرعون پولس کے لئے جیل کے قیدیوں کو موسیٰ کا درجہ دیا ہے جو ان کے ختوں کو منٹوں میں ڈھیلا کر کے رکھدیتے ہیں۔ چنانچہ پولس والے جیل میں ہر ساعت قیدی کے نام سے کانپتے، لرزتے اور خوفزدہ رہتے ہیں۔

رعایت یا رمیشن چھ مہینہ سے کم سزا کے قیدی کو کوئی رمیشن (رعایت) نہیں ملتی۔ اگر اس کا چال چلن اس مدت میں بہت اچھا رہتا ہے تو چار روز رمیشن کے مل جاتے ہیں۔

کنوکٹ وارڈر کو آٹھ دن، کنوکٹ اورسیر کو ۶۔ دن اور کنوکٹ نائٹ واچ مین کو پانچ دن، ایک ماہ میں ملتے ہیں۔ جو قیدی کھانے پکانے اور جھاڑو دینے کی مشقت پر لگائے جاتے ہیں ان کو مزید دو دن ملتے ہیں۔

قیدی کو ایک سال کے بعد نیک چلن رہنے پر پندرہ دن کی مزید رمیشن

ملتی ہے۔ جو قیدی سال میں اچھا کام کرتا ہے اس کو سال کے تیس دن مزید ریمیشن کے دیئے جاتے ہیں۔ اور انسپکٹر جنرل چاہے تو اس کو ۶۰۔ دن کی بھی ریمیشن دے سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی سزا والے کو جو قتل کے الزام میں مقید کیا گیا ہو اس کو پہلے سال میں ۶۳ دن مل سکتے ہیں۔ پانچ سالہ قیدی سوا سال کے بعد نائٹ واچ مین بنایا جاتا ہے۔

اس کو دوسرے سال میں پہلے تین مہینہ میں بارہ دن اور دوسرے نو مہینوں میں ۴۵۔ دن، اور پندرہ دن سال کے گویا کل ۷۲۔ دن ریمیشن کے ملتے ہیں۔ دو سال میں اس کے ۱۳۵۔ دن ریمیشن کے ہو جاتے ہیں۔

کنوکٹ اورسیر ڈھائی سال کے بعد بنایا جاتا ہے۔ تیسرا سال شروع ہوتا ہے تو ۵ دن ہر مہینہ کے حساب سے پہلے چھ مہینے کے ۳۰۔ دن اور دوسرے چھ مہینے کے چھ دن ہر مہینے کے حساب سے ۳۶ دن، اور پندرہ دن سال کے۔ کل تیسرے سال کے ۸۱ دن۔ ریمیشن کے ہو جاتے ہیں۔ گویا تینوں سال کی ریمیشن کی تعداد ۲۶۱ دن ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد چھ مہینے میں وہ کنوکٹ وارڈر ہو جاتا ہے۔ چوتھے سال کے پہلے چھ مہینے میں ۳۶۔ دن ملتے ہیں۔ دوسرے چھ مہینے کے ۴۸ دن۔ پندرہ دن سال کے۔ کل چوتھے سال کے ۹۹۔ ملا کے ۳۱۵ دن ہر چہار سال کے اس قیدی کو مل جاتے ہیں۔

اگر اس عرصہ میں اس نے کسی افسر کو حملہ سے بچایا ہے تو مزید ۴۵

دن رمیشن کے ملتے ہیں اور ۳۶۰ دن ہونے کے بعد اس کو چار سال کے آخر میں رہا کر دیا جاتا ہے۔

رمیشن دینے کا سب سے زیادہ اختیار روائزنگ بورڈ کو ہے۔ جو انسپکٹر جنرل، سشن جج ایک غیر سرکاری ممبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو قیدیوں کی درخواستوں پر ایک سال میں دو دفعہ غور کرتا ہے۔

یہ طریقے یو۔پی کی جیلوں میں مستعمل ہیں۔ قریب قریب اور قیدیوں کی جیلوں میں یہی قاعدے کچھ ردو بدل کے ساتھ رائج ہیں۔ پنجاب کی جیلوں میں ان قیدیوں کو بھی دو تین روز کی رمیشن ملتی ہے جو سانپ بچھو کو مارتے ہیں +

---

۵۷ رپورٹ جیل تحقیقاتی کمیٹی یو۔پی ۲۸ء

قیدیوں کی شرارتیں

جیل دولتمند اور خرچیلے قیدی کے لئے عیش گاہ بن سکتی ہے - جو قیدی روپیہ پانی کی طرح بہانا چاہتا ہے اس کو تمام آرام و سکون میسر آسکتا ہے حکام جیل سے دوستی کرنا ضروری ہے - جو روپیہ پیسہ سے بہت مضبوط ہوجاتی ہے - پھر قانون کی پرواہ نہیں رہتی - اس کو بھی بالائے طاق رکھدیا جاتا ہے

جیل میں عورتوں کا آنا[۱] قانون منع کرتا ہے کہ کسی قیدی مرد سے عورت کو نہ ملنے دیا جائے - عورت مرد سے علیحدہ رہے خواہ وہ کسی مرد کی بیوی، بہن یا ماں ہی کیوں نہ قید ہو - عورتیں عورتوں کی بارک میں بند کی جاتی ہیں - اور مرد، مرد کے بارکوں میں منتقل کئے جاتے ہیں - اور ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے -

لیکن اگر جیل حکام کی جیب گرم کردی جاتی ہے تو قانون شکنی میں وہ پیش پیش ہوتے ہیں - اپنے گھروں اور دفتروں میں عورتوں کے ملانے کا مقدس کام انجام دیتے ہیں - مخصوص مقامات میں لاکر راتیں گذروائی جاتی ہیں - اور جیل مینوال کے قاعدوں اور ضابطوں کو ٹھکرایا جاتا ہے - اس شرارت میں جیل کے کم و بیش تمام ذمہ دار لوگ علاوہ سپرنٹنڈنٹ کے شامل ہوتے ہیں اور جو مالِ حلال ملتا ہے اس کو حصہ رسدی لے لیتے ہیں - اس قسم کے غیر ذمہ دار جیل افسران سب نہیں ہوتے البتہ ان کی تعداد کم ہوتی ہے -

[۱] ریاست دہلی ۴۲ء

شراب کا آنا جیل حکام کی بدولت جیل میں شراب بھی آسکتی ہے۔ لیکن اگر جیل حکام سے سازباز نہ ہو تو دوسرے طریقوں سے بھی شراب قیدی حاصل کرسکتے ہیں۔ مثلاً اے، اور بی کلاس قیدی اسٹوب (انگریزی چولھے کے لئے اسپرٹ کے ڈبوں میں شراب ڈلوا کر اسپرٹ کے نام منگوا لیتے ہیں۔ اور رات کو لطف مے نوشی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتا جب تک جیل حکام سے سازباز نہ کی جائے۔

قیدی اگر جیل حکام کی جیب گرم کردیتا ہے تو اس کو جیلر اپنے گھر کے کام کاج کے لئے مقرر کردیتا ہے۔ یا باہر کے پنجے میں لگا دیتا ہے۔ باہر کا پنجہ جیل سے کافی فاصلہ پر جیل کے کھیت میں کام کرنے کیلئے جاتا ہے۔ یہاں شرابی قیدی کو بہ آسانی شراب ملجاتی ہے۔ وہ شراب پی اور اوپر سے پیاز کھاکر اپنی منہ کی بدبو مٹاکر اپنے کام میں مصروف ہوجاتا ہے۔

بلیڈ کی چوری بلیڈ شیو بنانے کا استرہ بھی قیدیوں کے لئے اہم شے ہے۔ جس کے حصول کے لئے ہر قیدی کوشش کرتا ہے اور اس کو اپنے پاس رکھنا انتہائی ضروری سمجھتا ہے۔ قیدی اس کی چوری کو جائز سمجھتا ہے اور بے روک ٹوک، بلا جھجک اس کو اٹھا کر سیدھا بنتا ہے۔

بیمار پڑنا جب قیدی کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے یا کام کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی یا کام کرنے سے جی چراتا ہے تو جیل کے ڈاکٹر کی پناہ لیتا ہے۔ نذرانہ پیش کرکے ہسپتال میں بیمار بنکے داخل ہوتا ہے۔ گرچہ ہر ایک ڈاکٹر نذرانہ لینے کا عادی نہیں ہوتا لیکن بعض ڈاکٹروں کا یہی شیوہ ہوتا ہے

آٹھ آٹھ آنے لیکر تندرست قیدیوں کو بیمار بنا دیتے ہیں جس سے بعض قیدی اپنی قیدکی کافی زندگی ہسپتال میں ہی گذار تے ہیں۔ اور ہسپتال سے کھسکنے کا نام نہیں لیتے۔ بعض قیدیوں کو ایسے چٹکلے اور طریقے یاد ہیں جس کے عمل میں لانے کے بعد وہ خطرناک بیماریوں کے مریض بنجاتے ہیں۔ یوں اچھے اور تندرست نظر آتے ہیں۔ لیکن جب ڈاکٹر یا میڈیکل آفیسر معائنہ کے لئے آتا ہے تو ان کو دورہ پر دورہ پڑنا شروع ہوجاتے ہیں۔ جس سے میڈیکل آفیسر بھی اس کی بیماری کی تصدیق کر دیتا ہے۔ یہ شعبدے جیل کی ہی جڑی بوٹیوں سے کئے جاتے ہیں قیمتی اور نایاب ادویات کے مرہون منت نہیں ہوتے۔ بعض تجربہ کار قیدی جیل میں داخلہ اور وزن کئے جانے کے وقت اپنا وزن زیادہ تلوا لیتے ہیں۔ اور اس کا رجسٹروں میں اندراج کراتے ہیں تاکہ کچھ دنوں کے بعد یہ کہہ سکیں کہ ان کا وزن بیماری کی وجہ سے اتنا جیل میں کم ہوگیا ہے۔ اس لئے ہسپتال کے داخلہ کے مستحق ہیں۔

بیمار پڑنے کی دوائیاں

اس سے زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار و چالاک وہ قیدی ہوتے ہیں جو اپنے جسم میں بیماریاں پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ کام سے بہت تنگ آجاتے ہیں تو ایک عام ترکیب یہ کرتے ہیں کہ قیدی گلاس کے ٹکڑے کو باریک پیسکر کھا جاتا ہے۔ گلاس کے ذرے اندر جاکر انتڑیوں کو پھاڑ دیتے ہیں جس سے اکثر جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ورنہ کئی ماہ ہسپتال میں رہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کچھ آنکھ کے اندر چونا ڈال کر اس میں زخم پیدا کر لیتے ہیں۔ جس سے یا تو آنکھ کی بینائی چلی جاتی ہے

یا کچھ عرصے تک اُسے کام سے آرام مل جاتا ہے۔

یہ ڈاکٹر قیدی اپنے پاس تین دوائیاں رکھتے ہیں۔ ایک "لال رتی" جو زخم پیدا کرنے کے کام آتی ہے۔ اسے پیس کر دھاگہ اس میں بھگو کر خشک کر لیتے ہیں۔ اور ایک سوئی کے ذریعے ٹانگوں پر یا بازو پر کسی حصّہ سے سوئی گزار کر دھاگہ اس میں ڈال دیتے ہیں۔ رات ہی رات میں بڑا زخم بنجاتا ہے اس میں انتہائی سوزش ہونے لگتی ہے۔ اور پھر دھاگہ نکال لیا جاتا ہے۔

دوسری چیز "جھلوٹا" کے بیج ہیں۔ یہ ایک دو پیس کر کھا لینے سے خون کے دست جاری ہوجاتے ہیں اور آدمی اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ وہ کئی دن تک ہوش نہیں لیتا۔

تیسری چیز سفید کنڈیر کی جڑ کا چھلکا ہے۔ اس کو پیس کر گڑ کے ساتھ چنے کے برابر گولیاں بنا کر کھاتے ہیں۔ دو تین گھنٹہ کے بعد سخت بخار چڑھ جاتا ہے۔ اور تھرمامیٹر میں حرارت بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ بخار پھر آپ ہی اترجاتا ہے[1]۔

جیل کا جنگلہ کاٹنے کا طریقہ

قیدی لوہے کے جنگلے کو کاٹنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ گلاس کو اریک پیس کر پانی میں بھگو کر دھاگہ پر چڑھا لیتے ہیں اور دھاگے کو سکھا کر اس سے لوہے کو کاٹتے ہیں۔ دھاگے کے رگڑنے سے لوہا کٹ جاتا ہے +

---

[1] بھائی پرمانند۔

خطوط کی روانگی

جو قیدی مقامی جیلوں میں رکھے جاتے ہیں وہ اپنے عزیز و اقارب اور بیوی بچوں کے نام پوشیدہ خطوط بھیجتے ہیں۔ سی کلاس قیدیوں کو تین مہینہ میں ایک مرتبہ خط دیا جاتا ہے۔ ضرورت مجبور کرتی ہے کہ زیادہ خط بھیجے جائیں۔ جیل کے حکام بھیجنے نہیں دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیدی ناجائز طریقوں سے اپنے گھروں پر چٹھیاں بھجواتے ہیں۔ ان کے اس ضروری کام کو انجام دینے کے لئے جیل کا ملازم جمعدار ہمت کرتا ہے۔ کافی رشوت لیتا ہے۔ اور قیدی کی خواہش پوری ہونے لگتی ہے اور روزانہ خطوط آنے جانے کا سلسلہ بندھ جاتا ہے۔

اگر قیدی اپنے شہر یا ضلع کی جیل سے دوسرے ضلع کی جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے تو اس میں خطوط کی روانگی کی یہ شکل ہوتی ہے کہ جمعدار فی خط ۸ ریا ایک روپیہ مقرر کر لیتا ہے۔ خط کے ساتھ وہ رقم لیتا ہے اور جیل کے باہر جا کر پوسٹ بکس میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی ڈیوٹی یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ بعض صورتوں میں جمعدار کو جیل کے باہر خط لیجانے کا موقعہ نہیں ملتا تو وہ اس کو جیل میں ہی چاک کر دیتا ہے اور کونے کھدرے میں ڈال کر چلتا بنتا ہے۔ رقم شیرِ مادر ہے۔ کون پوچھ سکتا ہے کہ کیوں کھائی۔

جیلوں میں رہا ہونے والے قیدی بھی خطوط لیجانے کا بڑا ذریعہ ہوتے ہیں گرچہ ان کی کس کی تلاشی ہوتی ہے لیکن وہ بھی عقلمند [illegible] ہوتے ہیں۔ مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے [illegible] شان کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بہت سے [illegible] پکڑے بھی جاتے ہیں اور عجیب عجیب حالت میں پکڑے جاتے ہیں۔

مقعد میں بتی بنی ہوئی رکھی ہے۔ تلاشی میں نکلوالی۔ جوتوں کی تلی کھولی اس میں سے پلندہ نکالا اور رہا ہونے والے کو جیل کے اندر کیا۔ معافی ماری اور قیدخانہ کی کال کوٹھری دکھائی۔

زیادہ نگرانی ہوئی تو احتیاطی تدبیریں اختیار کیں۔ ذہانت کے کرشمے دکھائے۔ کاغذ سے واسطہ نہ رکھا۔ کپڑے پر لکھ عددی کی تہ میں رکھ لئے ہوئے اور خطوط کو پتہ پر پہنچا دیا۔

خطوط کے لیجانے پر جیل والے خاص طور پر نگرانی رکھتے ہیں۔ ان کو خوف رہتا ہے کہ کہیں جیل کی پولیں نہ کھلیں چنانچہ وہ خطوط لیجانے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے سے چوکتے نہیں۔ خطوط کے لیجانے پر چھ ماہ تک سزا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مولوی افضل حق مصنف "میرا افسانہ" میں لکھتے ہیں۔

یہ عبدالستار کی رہائی کی تاریخ تھی۔ سیاسی قیدیوں نے اپنے بیچین کا اظہار کیا۔ سپرنٹنڈنٹ کی سخت گیریوں کی داستان لکھی۔ اکثر نے بیوی بچوں کے نام خطوط لکھکر میر صاحب کو خفیہ پیامبر بنایا۔ بدقسمتی سے دربان نے جامہ تلاشی لی اور تمام خطوط پکڑے گئے۔ اور میر صاحب دھرے گئے۔ خلاف ورزی قانون جیل کا مقدمہ چلا۔ جیل سے نکلتے نکلتے چھ ماہ کے لئے اندر ہوگئے۔ اب مرزا سنئے پہلے آپ اے کلاس کے قیدی تھے اب بی کلاس کے سیاسی قیدی بھی تسلیم نہیں کئے گئے۔ بلکہ معمولی اخلاقی قیدیوں میں آپ کا شمار ہوا۔ مگر جس بہادری ہمت اور حوصلے سے یہ دن آپ نے گزارے وہ آپ کی قوت ایمان کی روشن دلیل ہے۔ میں نے کبھی ان کی زبان سے شکوہ وشکایت نہ سنا۔

لواطت جیل میں لواطت کی عادت بھی کثرت سے ہے۔ بچہ بازی تو ہوئی بارِیش یا باہم بازی کی نوبت سننے میں آتی ہے۔ دس دس برس کے قیدی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے اس لئے یہ بدکاری کرتے ہیں جو اس سیاہ کاری پر قدرت نہیں پاتے وہ دستکاری کرتے ہیں۔
جہاں ایسے قیدی ہوتے ہیں وہاں ایسے نیک بھی ہوتے ہیں ؏

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اِن شرارتوں کا نام جیل کی اصطلاح میں "جنگلا پریڈ ہے" جو نمبرداروں کی قسمت میں ہوتی ہے۔

لانگری کا تقرر پارٹی بازی کی وبا ہر جگہ ہے۔ چنانچہ جیل میں بھی پارٹی بازی زوروں پر کی جاتی ہے۔ ہر اک پارٹی یہ چاہتی ہے کہ مری پارٹی کا اقتدار رہے۔ اور ہر جگہ ہر نمبرداری میں مری پارٹی کا آدمی آئے۔ چنانچہ یہ پارٹی بازی لانگری کے تقرری پر خوب ہوتی ہے۔ جو معقول معاوضہ داروغہ کو دیتا ہے وہ لانگری بنایا جاتا ہے۔ جہاں کسی نے ذرا سرتابی کی اسے لنگر سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو اس جگہ لگایا جاتا ہے۔
جب کسی لانگری کی جگہ خالی ہوتی ہے تو جیل میں گرم گرم بحثیں اور خوب چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ کامیاب فریق کو پیٹ بھر روٹی ملنے کی امید ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے قیدیوں کو روٹی کا لالچ دیکر مشکور کیا جاتا ہے۔ اس طرح فریق مخالف کو کمزور اور اپنے جتھے کو طاقتور بنانے کا موقعہ ملتا ہے۔ ان دنوں سونا داروغہ کے جوتوں میں آ پڑتا ہے۔ چاندی اچھلتی ہے

خالی خوشامد کی وہاں قدر نہیں۔ داروغہ کی جیب کو جو حوصلے سے بھرتا ہے۔ وہی کامیابی کا منہ دیکھتا ہے۔ لنگر پر لگ کر نہ صرف تمام اخراجات پورے ہو جاتے ہیں بلکہ کچھ پس انداز بھی کرتے ہیں۔ ان کے لئے تو دن عید، رات شب برات ہوتی ہے۔ مگر عام قیدیوں کے لئے بارہ مہینے رمضان ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قیدی روٹی پر جوا کھیلتے ہیں۔ کہ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو پو بارہ ہیں پیٹ بھر جائیگا۔ ورنہ پتھر باندھ کر سو جائیں گے۔ جو جیتتا ہے وہ پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔ جو ہارتا ہے وہ روزہ رکھتا ہے۔ روٹی فروخت کرنے والے صرف لانگری اور کم خورے نہیں ہوتے بلکہ تمباکو سگرٹ نوش بھی ہوتے ہیں

قیدیوں کا گونہ میں روپیہ رکھنا

روپیہ پیسہ کے بارے میں جیل کا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی قیدی اپنے پاس ایک پیسہ بھی نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی کے پاس کچھ رقم نکلتی ہے تو وہ ضبط کر لی جاتی ہے۔ اس لئے قیدی روپیہ کو محفوظ طریقے پر رکھتے ہیں۔ پرانے قیدی روپیہ کو رکھنے کے لئے اپنے حلق میں گونہ یعنے تھیلی بنا لیتے ہیں۔ جو سیسے کی گولیاں رکھنے سے بنجاتی ہیں۔ ان تھیلیوں میں بیس بیس روپیہ تک رکھے جا سکتے ہیں۔ جس کو جیل حکام آسانی سے نکال نہیں سکتے۔ البتہ یہ چوری ایکسرے سے معلوم ہو جاتی ہے کہ روپیہ اندر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی قیدی پر روپیہ رکھنے کا مقدمہ چلایا جاتا ہے تو ایکسرے سے گواہ کو دکھا کر شہادت دلائی جاتی ہے۔ اور مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

گونہ بنانے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ سیسے کی گولیاں اندر

ہی اندر گوشت کھاتی چلی جاتی ہیں۔ اور جگہ بنا لیتی ہیں۔ اس دوران میں جگہ بنانے میں پس پیدا ہوجاتی ہے جس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔ اوّل اوّل تو قیدی کو کھانے پینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اکثر قے ہوتی ہے۔ مگر پھر جلد ہی زخم مندمل ہوجاتا ہے۔ بعض مرتبہ پونڈ یا روپیہ بجائے گرنے کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر ہر صبح پاخانہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اکثر قیدی کو جلاب لینے پڑتے ہیں۔ تب جاکر کہیں مشکل کشائی ہوتی ہے۔

جیل میں قیدیوں کی تجارت

گزشتہ صدی میں ہندوستان کی جیلوں کے اندر قیدیوں کو خوراک کی قیمت سکوں کی شکل میں روزانہ دی جاتی تھی جن سے قیدی جیل کی دکانوں سے سامان خورونوش خریدتے اور خود کھانا پکاکر کھا لیتے تھے۔ لیکن ۱۸۳۸ء میں اس طریقہ کو بند کردیا گیا اور تیار شدہ خوراک دینے کی جیل حکام نے اپنے ذمہ داری لی۔ جس کے بعد جیلوں میں قابل استعمال اشیاء کی خرید و فروخت قانوناً بند کردی گئی۔ مگر چونکہ قیدی کھانا کھانے کے ساتھ بہت سے نشوں کے عادی ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے پوشیدہ طور پر اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اور اپنے نشہ کی اشیاء چرس بھنگ، افیم، سگرٹ، بیڑی، تمباکو، بیڑہ، نسوار اور کبھی کبھی شراب وغیرہ منگانا شروع کردیا۔

جیل میں اشیاء ممنوعہ پہنچانے کے طریقے

اس طریقہ کے جاری رکھنے میں جیل کے جمعدار (سرکاری ملازم وارڈر) خاص طور پر ممد ثابت ہوتے ہیں۔ وہ چار آنہ روپیہ

پر قیدی کا مطلوبہ سامان بازار سے لاکر دیدیتے ہیں۔ اگر سامان زیادہ ہوتا ہے اور وہ دروازے سے نہیں آسکتا تو وہ جمعدار رات کے ڈیوٹی والے جیل کے جمعدار یا نمبردار سے وقت مقرر کر کے کوٹ موقعہ کے ذریعے (جیل کی دیواروں پر سے) جیل میں پھینک دیتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر وہ جیل کی دیوار کے باہر کھڑے ہو کر پہلے اینٹ پھینکتا ہے اندر نمبردار جوابی اینٹ باہر پھینک کر اپنی حاضری کی اطلاع دیتا ہے۔ جس کے معنے یہ بھی ہوتے ہیں کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور کوئی غیر دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ تب وہ جمعدار مال کو دیوار سے پھینکنے کا عمل کرتا ہے۔ جس کو جمعدار یا نمبردار اٹھا کر جیل کے کسی بڑے بیوپاری قیدی کو دیدیتا ہے۔

جیل کے بعض دربان بھی بیرونی پنجہ کے نمبرداروں سے ساز باز کر کے یہی کام انجام دیتے ہیں۔ یہ دربان بھی جمعداروں کی طرح چوتھائی حصّہ کے حقدار ہوتے ہیں۔

جب یہ پنجہ کے نمبردار کھیت، یا جیل افسران کے گھر کے کاموں کی مشقت سے فارغ ہو کر دوپہر یا شام کو جیل میں داخل ہوتے ہیں تو کھیتوں کی پیداوار مولی، شلغم، آلو، گوبی، گھیا، بیگن وغیرہ سبزیوں میں ضروری چیزیں رکھکر لیجاتے ہیں۔ دربان چشم پوشی کرتا ہے۔ لیکن اگر دربان دیانتدار اور ڈیوٹی کا سچّا ہوتا ہے اور رشوت کے پھندے سے اپنے آپ کو آزاد رکھتا ہے تو نمبرداروں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر اصل میں وہی موقعہ نمبردار قیدی کی ذہانت کے دکھانے کا ہوتا ہے پھر اس کا چالاک دماغ زندہ ہوتا ہے

اور عجیب و غریب کمال دکھاتا ہے۔ جس کی مثال ذیل کے تین واقعات ہوسکتے ہیں

(۱) مٹی کی بدھنی کو قابل حیرت طریقہ پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کو آدھی چرس سے بھر لیتے ہیں اور اس پر کپڑا رکھکر سمنٹ کا پلستر کر دیتے ہیں۔ سوکھنے پر باقی آدھی بدھنی میں پانی بھر لیتے ہیں اور اس کو ہاتھ میں لیکر آزادی کے ساتھ بلا جھجک و شبہ کے دربان کے سامنے سے گذر جاتے ہیں۔ وہ ٹوکتا تک بھی نہیں نمبردار جیل میں جاکر بدھنی کے نیچے کے حصہ میں چھید کرکے چرس نکالکر استعمال کرتا ہے۔

(۲) پانی بھرنے کے آہنی ڈولوں کے تلے کے نچلے حصہ میں لکڑی کی سیخوں سے مطلوبہ شئے کو لے جانے کا کام لیا جاتا ہے۔ وہاں سیخوں کو اٹکاکر اسپر کپڑا بچھا دیتے ہیں اور کپڑے کے اوپر مطلوبہ شئے رکھتے ہیں۔ اور آرام و سکون کے ساتھ ڈول میں پانی بھرکے جیل کے دروازے سے لے آتے ہیں۔ دربان کو اس پر کوئی گمان بھی نہیں ہوتا۔

(۳) پانی پینے کے گھڑے کو ڈھکنے کے لئے لکڑی کا ایسا ڈھکنا بنایا جاتا ہے جس میں آدھ سیر یا پاؤ بھر چرس وغیرہ رکھ لی جاتی ہے۔ وہ گھڑے پر ڈھکا رہتا ہے اور اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس ڈھکنے کی بڑی لکڑی کے نیچے کے حصہ میں چوکور تھوڑی جگہ چھوڑکر ایک خلادار لکڑی کے ٹکڑے میں دو بیحد باریک کیلیں لگاکر اس کو بڑی لکڑی کے بیچ باریک کیل کے برابر والے گول چھید میں ڈالکر اڑا دیتے ہیں۔ جس میں وہ فٹ بیٹھ جاتا ہے۔ اس کو ذرا کھسکا کر پیچھے ہٹاؤ تو کھل جاتا ہے۔

ان چیزوں کا دربان کو یا کسی جیل آفیسر کو علم نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی مخبری نہ کر دے۔ ان چیزوں کے رازنفاش مخبری ہی سے ہوتے ہیں۔ ورنہ بہت عرصہ تک قیدی اپنی تیزی طبع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

بعض ہوشیار قیدی عدالت سے سزا پانے اور چالان (ایک جیل سے دوسری جیل میں تبادلہ) ہونے کے بعد جیل کے داخلہ پر گلہ گونہ میں چاندی کا روپیہ اور سونے کی اشرفیاں رکھکر لے جاتے ہیں۔ کوئی پاؤں میں پڑی ہوئی آہنی بیڑیوں کے ڈوروں میں، کوئی نئی جوتیوں اور کھڑاوں کے تلے میں نوٹ اور چونیاں رکھکر منگاتے ہیں۔ اور اگر اس کا رازفاش ہوجاتا ہے اور تلاشی میں یہ چیزیں نکل آتی ہیں تو تمام رقم بحق سرکار ضبط کرلی جاتی ہیں۔ اس سے قبل ۱۹۴۱ء تک قاعدہ رائج تھا کہ رقم کا نصف حصہ تلاشی لینے والے دربان یا جمعدار کو دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے دربان یا جمعدار تلاشی لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ لیکن جب سے ان کی حصہ داری ختم کی گئی اسی وقت سے ان کو تلاشی لینے میں سابقہ شغف نہ رہا اب وہ تلاشی میں برآمدگی کے بعد بھی درگذر کر دیتے ہیں۔

دربان بھی بعض بعض زہر کے بجھے ہوئے ہوتے ہیں ان کا اندازہ، ان کی تاڑ، اور جانچ بلا کی تیز اور صحیح ہوتی ہے۔ جس پر ہاتھ رکھدے ناممکن ہے کہ اس کی جامہ اور سامان تلاشی سے کچھ نہ نکلے اور وہ بچکے نکل جائے۔

چنانچہ انبالہ جیل میں ایک دربان انہی خصوصیات کا مالک ہے، اس کا اصل نام اختر حسین ہے لیکن قیدی اس کو "دل ڈھڑک" کہتے ہیں۔ پنجاب میں اس کی طوطی بولتی ہے اور خاص طور پر انبالہ ملتان جیل میں قیدی اس سے بہت

تمائف رہتے ہیں۔ اس کا کمال یہ ہے کہ دل پر ہاتھ رکھ کے شناخت کرلیتا ہے۔ اس کی شناخت غلط نہیں ہوتی قیدی اس کی شکل دیکھتے ہی یا تو اقرار کرلیتے ہیں یا پھر اس کی جودتِ طبع کا شکار ہوتے ہیں۔

جیل میں اشیاء ممنوعہ کی قیمتیں

اس سامان کے بیوپاری عام طور پر سپرنٹنڈنٹ، یا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے بیشکار نمبردار ہی ہوتے ہیں جو قیدیوں کی مالی حالت کی مخبری کی ڈیوٹی بھی بجا لاتے ہیں، جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے کہ ان کی کمائی میں ان ذمہ دار افسران کا بھی حصّہ ہوتا ہے۔ یہ نمبردار اپنی کھڈیوں کو کھدوا کر مال رکھنے اور نکالنے کی سہولت کے مطابق بنوا لیتے ہیں۔ اور عام طور پر حسب ذیل نرخوں پر فروخت کرتے ہیں۔

(۱) سنترہ اور سیب ایک عدد ــــ دو بیڑیوں سے چار بیڑیوں تک
(۲) دودھ ایک سیر ــــ چار بیڑیوں میں۔
(۳) ڈبل روٹی ایک عدد ــــ چار بیڑیوں میں۔
(۴) مکھن ایک چھٹانک ــــ آٹھ بیڑیوں میں یا دو آنہ میں
(۵) گڑھ دس چھٹانک ــــ چار بیڑیوں میں۔
(۶) بیڑی آٹھ ــــ دو آنہ کی۔ ایک پیسہ کی ایک۔
(۷) تمباکو، بیڑا ــــ بازار میں تین پیسہ چھٹانک اور جیل میں تین آنہ
(۸) کھڈی۔ بجائے چارپائی کے ــــ دو پیسہ سے ایک آنہ تک۔
مٹی ایک عدد

(۹) چادر کھدر دوسوتی بستر کی ——— ایک آنہ - چار بیڑی۔
تین گز لمبی ڈیڑھ گز چوڑی ایک عدد

(۱۰) پجامہ کرتا دوسوتی نیا ایک عدد ——— چار بیڑیاں - یا ایک آنہ۔

(۱۱) افیم، بھنگ، چرس۔ ——— بازار کے بھاؤ سے دگنی۔

(۱۲) جوتی دیسی ایک عدد ——— چار بیڑی کے پیکٹ۔

(۱۳) گوشت ایک سیر ——— شہر میں ۶ آنہ جیل میں بارہ آنہ

ان چیزوں میں قیدیوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم چیزیں بیڑی اور تمباکو ہوتی ہیں۔ ان پر جب کوئی جیل حاکم سخت نگرانی کرنے لگتا ہے اور شہر میں جب مسلسل ہڑتال ہوتی ہے اور جیل میں ان کی درآمد نہیں ہوتی ہے تو ان موقعوں پر ایک روپیہ سیر کا تمباکو اسی روپیے کے بھاؤ تک فروخت ہو جاتا ہے اور ایک ایک بیڑی چار چار پیسہ میں بک جاتی ہے۔

بیڑیوں کا راج

قیدیوں کا ان ہر دو چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء کے بارے میں یہ نظریہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی اہم چیزیں نہیں ہیں بلکہ چوچلے بازی ہے۔

ایک بیمار قیدی بھی اسی مطمح نظر کا مالک ہوتا ہے اور اگر اس کو کمزوری دور کرنے کے لئے مکھن، گوشت، ڈبل روٹی، سنترہ اور سیب دیا جاتا ہے تو وہ بیڑی کی معمولی سی تعداد پر اس کو نثار کر دیتا ہے۔ اور تین چار بیڑی کے عوض اس کو دیدیتا ہے۔ اس کو اپنی صحت کی بھی فکر نہیں ہوتی جتنی بیڑی کے حصول کا خیال ہوتا ہے۔ وہ مرجانا بہتر سمجھتا ہے مگر ان اشیاء کو ترک کرنا نہیں چاہتا۔

جیل میں روپیہ، پیسہ، اور نوٹوں کا رکھنا ممنوع ہے اس بنا پر اگر کسی قیدی کے پاس نوٹ یا روپیہ ہوتا ہے تو اس کو اس کے بھنانے میں کافی دقت ہوتی ہے۔ البتہ جیل کے بیوپاری و سوداگر اپنا کمیشن لیکر بہت جلد ریزگاری دیدیتے ہیں۔ بیوقوفی کے ساتھ پانچروپیے کے نوٹ بھنانے میں قریب قریب ایکروپیہ جیل کے سوداگروں کے نظر ہوجاتا ہے۔ وہ پہلی مرتبہ پانچروپیے کے نوٹ کے دو آنہ فی روپیہ کے حساب سے دس آنہ کاٹ لیتے ہیں۔ اور چار ایک ایک روپیہ والے نوٹ اور چھ آنہ اس کے حوالے کردیتے ہیں جب چھ آنہ ختم ہوجاتے ہیں تو ایک روپیہ کے نوٹ کی ریزگاری کی سلسلہ وار ضرورت پڑتی ہے۔ جس میں چار نوٹوں کے بیوپاری آٹھ آنے اور وصول کرلیتے ہیں۔ ہوشیار قیدی صرف آٹھ آنہ میں پانچ روپیہ کی نری ریزگاری لیتا ہے۔

اس سسٹم سے قیدی کو جیل میں روپیہ میں بمشکل تمام آٹھ آنے پلّے پڑتے ہیں۔ اس آٹھ آنہ میں یعنی کل روپیہ میں دو آنہ کی چیز نصیب ہوتی ہے۔ ورنہ روپیے کے لانے۔ بھنانے، اور اصل قیمت سے جوگنی قیمت پر چیزیں خریدنے میں چھ آنہ نمبردار یا جمعدار کے ہوتے ہیں۔ بہت سے طویل سزا والے قیدی اس تجارت کے بدولت سینکڑوں روپے کے مالک بنکر نکلتے ہیں۔

حکام جیل کی بدعنوانیاں

قیدی تو شرارتوں میں بدنام ہیں ان کو غیر شریر کون سمجھ سکتا ہے
قیدی بنتے ہی شرافت کے دائرہ سے خارج کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر جیل
حکام جو شرافت کے دعویدار ہوتے ان سے جو بدمعاشیاں سرزد ہوتی ہیں
وہ شیطان کو بھی پناہ منگوا دیتی ہیں۔ ان لوگوں کو تہذیب و شرافت اور
اخلاق اور انسانی ہمدردی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان کا صرف ایک
مطمح نظر ہوتا ہے قیدیوں کی جیبیں کترنا اور ان کو لوٹنا۔ قیدی جیل کے اندر قدم
ہی رکھتا ہے کہ اس کی تلاشی لینے میں تمام قہر و جلال ختم کر دیا جاتا ہے۔ ایک
ایک اعضا، ایک ایک جوڑ کی بدتمیزانہ طریقے سے تلاشی لی جاتی ہے۔
پہنے ہوئے اور پہننے والے کپڑے ایک ایک کر کے دیکھے جاتے ہیں حالانکہ
وہی تلاشی کا وقت ہوتا ہے جبکہ ڈیوڑھی سے شراب کی بوتلیں اور بیڑیوں
کے مٹھے گذرتے ہیں۔

قیدی کی تلاشی

پہلا قدم ڈیوڑھی کی تلاشی پر اگر قیدی کا ڈگمگا جاتا ہے تو پھانسنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ورنہ دوسرا حملہ دوسرے دروازہ کے کھلنے پر چکلی ... ہے۔ جہاں ایک قیدی محسر نمبردار اپنے نو آمد قیدی کا نام، ولدیت، نوعیت، مقدمہ اور سکونت تحریر

کرتا ہے۔ اور قیدی کو چکی میں لے جانے کے لئے ایک جلادانہ اشارہ کرتا ہے، جس سے قیدی کے رہے سہے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں۔ اسی عالم میں قیدی نمبردار کو رہبر سمجھتا ہوا پیچھے پیچھے ہولیتا ہے۔ وہ قدم قدم پر ٹوکتا ہے مغلظ گالیاں دیتا ہے۔ غریب قیدی کے چودہ طبق ہی روشن ہو جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ کہاں حیوانوں اور غنڈوں کی دنیا میں آگیا۔ اس کو پچاس ساٹھ قدم چلنا دوبھر معلوم دیتا ہے۔ اور کال کوٹھری کے دروازہ پر پہنچکر ہیبت ناک کوٹھری کی شکل دیکھتا ہے۔ سزا کا فیصلہ سنے ہوئے رنجیدہ دماغ اور بے قابو ہو جاتا ہے۔ موٹی، موٹی تپڑی بچھا کر اندھیاری جگہ میں بارہ گھنٹے رہ کر ہوش وحواس کھو دیتا ہے۔ صبح ہوتی ہے جیلر کا حکم ہوتا ہے کہ اٹھارہ سیر گیہوں پیسو۔ ورنہ نمبردار کا ڈنڈا کمر پر پڑتا ہے۔ وہ بے آبرو کر دیگا۔ تب وہ غریب مجبور بے بس نمبردار کے سامنے جھک جاتا ہے۔ نمبردار موقعہ کا منتظر رہتا ہے فوراً پھانس لیتا ہے۔ مصائب و آلام کا خاکہ کھینچکر سبز باغ دکھاتا ہے اور جیلر کو ماہوار ایک رقم دینے پر تیار کر لیتا ہے۔ تاکہ قیدی ملاقات کے لئے اپنے عزیز واقارب کو بلائے۔ اور ان سے جیلر کا ماہوار نذرانہ پہنچانے کی تاکید کر دے۔ چنانچہ غریب قیدی نمبردار کے کہنے پر عمل کر کے مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ اور بجائے اٹھارہ سیر گیہوں پیسنے کے منشی گیری کے کام پر لگا دیا جاتا ہے۔

پیشی جو قیدی مشقت کی پرواہ نہیں کرتا۔ پوری مشقت وقت پر کر کے دیدیتا ہے اور رشوت دینا گوارا نہیں کرتا تو اس کو ستانے کے لئے

بیکار چیلے نکالے جاتے ہیں۔ نمبردار بلا وجہ اس کو پریشان کرتا ہے اور پیشی کرانے کی دھمکی ہر وقت اس کی زبان پر رہتی ہے۔ قابو میں نہ آنے کی صورت میں سپرنٹنڈنٹ سے سزا دلوائی جاتی ہے۔ کھڑی بیڑی میں پھانسا جاتا ہے۔ قیدی خوددار ہوتا ہے تو وہ ان مصیبتوں کو اور تمام دوسری مصیبتوں کو برداشت کرتا ہے لیکن حکام کو رشوت کی چاٹ نہیں لگاتا۔

ایک دوران قیدیوں کے ساتھ ایسا بھی آتا ہے۔ جبکہ ان کو اپنے قید کے دن معافی سے کم کرانے ہوتے ہیں یعنی ریمشن لینی ہوتی ہے۔

عام دستور یہ ہوتا ہے کہ قیدی اگر اپنی قید کے اچھے دن گذارے اور اس کا چال چلن خراب نہ ہو تو اس کو ایک سال میں ڈھائی ماہ معافی کے ملجاتے ہیں لیکن اگر قیدی جیلر کو خوش کردے تو اس قیدی کو تین ماہ کی معافی ملنی مشکل بات نہیں ہوتی۔ اس کو ایک سال کی سزا میں نو ماہ بعد ہی رہا کردیا جاتا ہے۔

جیل حکام غریب سے غریب قیدی کا بھی خون چوسنا اور رقم اینٹھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے پاس چٹانے کو کچھ نہیں ہوتا تو اس کی زندگی اجیرن کردیجاتی ہے۔ تمام سزائیں ایک ایک کرکے دیدی جاتی ہیں۔ اور گناہوں کا پتلا شمار کیا جاتا ہے۔

نکمّی سبزی دینا

اس کو کھانا بھی نہایت نکما ملتا ہے۔ قانوناً جو اشیاء جس نوعیت کی اس کو ملنی چاہیئے وہ نہیں ملتی۔ دال کے بدلے دال کے چھلکے، باغ کی تازہ سبزیوں کے بجائے سڑی اور بسی

ہوئی کیڑے دار سبزیاں، سڑا ہوا تیل، چوتھائی پکانے کی لکڑیاں، اور معمولی سا مصالحہ دیا جاتا ہے۔ تمام تازہ جیل کی باغ کی چیزیں حکام کی نظر ہوتی ہیں۔ باغ سے مولی اور گوبھی آتی ہے۔ قیدی کی قسمت میں اس کے صرف چھلکے ہوتے ہیں۔ اس کا پھل جیل حکام کے گھر کے لئے وقف ہوتا ہے۔ ہر چیز میں سے جیلمہ بچا تا ہے اور عیش کرتا ہے۔

مشقت لگانے کی فیس

ان کی ہوس کی آگ مشقت لگانے کی فیس، سامان خورونوش کے بجت کی رقم سے بھی نہیں بجھتی بلکہ یہ لوگ ہسپتال کی دواؤں کی قیمتوں کی رقموں میں سے بھی ہضم کرتے ہیں انگریزی ادویات کے بجائے ہندوستانی دوائیوں کو گھول گھول حاتمانہ شان کے ساتھ پلاتے ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ اسی صورت سے ڈکار جاتے ہیں۔ انکو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ جو دوا قیدی کو پلائی جا رہی ہے یہ کچھ اپنا اثر بھی کرے گی یا نہیں۔ وہ کھانے کی دھن میں پاگل ہوتے ہیں۔

معمولی معمولی چیزوں میں سے مثلاً قیدیوں کے صابن سوڈا، سوجی وغیرہ میں سے بھی یہ لوگ ناجائز طریقے سے بچاتے ہیں۔ جیل کی ہر چیز استعمال کرتے ہیں اور شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ اکثر حکام جیل اپنی تنخواہ سے چوگنی آمدنی اوپر کی آمدنی سے پیدا کرتے ہیں۔

یہ قدرتی بات ہوتی ہے کہ جیل حکام قیدی کی سہولت کو کسی طرح برداشت نہیں کرتے۔ اگر قیدی کو کوئی سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس سے اس کی تابعداری میں فرق آجاتا ہے تو فوراً جیل حکام اس کی مخالفت

کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی فطرت انتہائی پست ہوتی ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ قیدی جتنا محتاج رہے گا اسی قدر جیل کا انتظام بہتر چلتا رہیگا وہ قیدی کو محتاج دیکھکر اور اپنے اختیارات کو جتا کر بہت خوش ہوتے ہیں یقیناً ایک جیل کا افسر اپنے آپ کو قیدی کا خدا سمجھتا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ ہر قیدی اس کو اپنا خدا سمجھے۔

جیل میں قیدی سے جیل حکام دو قسم کی رشوت لیتے ہیں۔ ایک تو ماہواری رقم جس کو تاریخ کہتے ہیں۔ دوسری خلاف ورزی قانون جیل پر۔ یہ کھلی رشوت کہلاتی ہے۔ تاریخ سات اور دس روپے کے درمیان ہوتی ہے۔ مگر اس میں کمی بیشی قیدی کی حیثیت پر منحصر ہے جس وقت تاریخ داروغہ کی جیب میں پہنچتی ہے تو باقی ملازمان بھی دانت پیستے ہیں۔ ان کو نہ دیا جائے تو وہ چین نہیں لینے دیتے۔ ان لوگوں میں ڈاکٹر، جمعدار، بابو، چکر منشی ہوتے ہیں۔ غرض جو قیدی ان لوگوں پر بیس روپے ماہوار خرچ کرتا ہے وہ خوشی کے ساتھ جیل میں اچھے دن کاٹ لیتا ہے۔ ورنہ جہنم بنی رہتی ہے۔

ملاقات کی فیس مجرم کے ورثا سے ملاقات بھی ایک زرخیز کام ہے تین ماہ کے بعد عام قیدیوں کو ملاقات کا حق اور خط لکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ دور دور سے رشتہ دار اور دوست احباب ملنے آتے ہیں۔ ملاقات کے لئے درخواست دیتے ہیں۔ داروغہ یا نائب سر پھیر دیتا ہے کہ ملاقات مشکل ہے کیونکہ ابھی تین مہینے پورے نہیں ہوتے۔ یا تو کوئی عذر کر دیتا ہے کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے اس کی ملاقات ہوئے۔ بچارے

رشتہ دار دس بیس روپیہ کرایہ دیکر سفر کی صعوبت اٹھا کر آتے ہیں۔ ملاقات سے انکار سنکر پریشان ہوجاتے ہیں۔ داروغہ کا اردلی یا نگران قیدی آکر سمجھاتا ہے آپ شریف آدمی ہیں اتنی تکلیف اٹھا کے آئے ہیں۔ دیکھو کچھ بندوبست ہوجائیگا فکر مت کرو۔ مگر تم جانتے ہو کہ دنیا میں لئے دیئے کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دو روپیہ ملاقات کا نذرانہ تو عام ہے۔ خاص حالتوں میں ۱۰، ۱۵ روپیہ فی ملاقات حاصل کئے جاتے ہیں۔ دن میں بیسوں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ ملاقات کرانے والے ملازم کی تو خیر۔ ہر روز قیدی اردلی کا گلا بھر بھر کر منہ کو آتا ہے۔

ہڑتال جیل حکام کی شرارتوں کا صرف ایک ہی علاج ہے وہ اسٹرائک (ہڑتال) اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے جس سے جیل حکام کو جھکایا جائے۔ اور اپنی تکلیفوں کو دور کرایا جائے۔ عرضداشتوں کو کوئی سنتا نہیں۔ ملاقاتیں بیکار جاتی ہیں قیدیوں کے وفد بے اثر ہوتے ہیں اس لئے قیدی یہ آخری ہتیار استعمال کرتا ہے۔ اگر اس میں ناکامی ہوتی ہے تو اس کا دھڑ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر کامیاب ہوتا ہے تو اس کا راج ہوتا ہے،

شروع شروع میں دو تین روز بلکہ ہفتے عشرہ تک جیل والے اسٹرائک کی پرواہ نہیں کرتے۔ جب یہ ایام گذر جاتے ہیں تو وہ زبردستی کرتے ہیں۔ بھوکوں کو زبردستی نلیوں سے دودھ اور انڈا ناک کے رستے اتارنیکی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی مزاحمت کرتا ہے تو وہ نمبرداروں کی یا جمعداروں کی گرفت میں مضبوط پکڑ لیا جاتا ہے۔ اور خوراک پیٹ [illegible] جاتی ہے۔

بعض شری اور مفسد افسران اسٹرائک [illegible] کے خلاف مقدمہ

بھی چلا دیتے ہیں جس میں قیدی کو مزید سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ ان اسٹرائکوں میں جیل افسران انتقامانہ کاروائی بھی کرتے ہیں۔ غریب نہتے قیدیوں پر نمبرداروں سے لاٹھیاں پڑواتے ہیں۔ سروں کو پھوڑتے ہیں، جسم کو لہولہان کرتے ہیں۔ اور کوئی انسانی ہمدردی محسوس نہیں کرتے۔ وہ تکالیف کے دینے کا مقصد جیل قیدیوں کو تولنا ہوتا ہے کہ کتنی ہٹ اور ضد کا مالک ہے اگر اس کو مستقل مزاج اور خوددار پاتے ہیں تو اس کی ہر بات پوری کرتے ہیں۔

خاص طور پر بھوک ہڑتال قیدیوں کے لئے بڑی تکلیف کی چیز ہوتی ہے اس میں انہیں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ فعل مجبوری کرتے ہیں

عام طور پر تجربہ کار قیدی اس فعل سے باز رہتے ہیں۔ بھوکے رہنے سے صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جو لوگ جیل میں بھوک ہڑتال مسلسل کرتے ہیں ان میں سے اکثر تپ دق کے مریض ہو جاتے ہیں اور بچتے نہیں۔ مگر کرنے والے پھر بھی کرتے ہیں اور جان دیتے ہیں۔ بے عزتی اور ذلت کی غلامانہ زندگی برداشت نہیں کرتے۔

مجھ کو ستمبر ۱۹۴۲ء میں اولڈ سنٹرل ملتان جیل کے اندر آٹھ سو نظربندوں کے ساتھ بھوک ہڑتال کرنے کا موقعہ ملا۔

مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ پانچ وقت کی بھوک ہڑتال نے ہمکو اور دوسرے ساتھیوں کو کافی کمزور کر دیا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ سوائے لیڈرکے اور کوئی آدمی اپنے ارادوں سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک دن املی کے پتے کھائے جا رہے تھے کہ انمیں کسی سردار جی کے سر کے بال اٹکے ہوئے تھے۔ بال منہ میں گئے تو املی کے پتوں سے بھی نفرت ہو گئی۔

مجرم عورتیں

سنہ ۱۹۲۶ء کی مجرمہ عورتوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان اور برما کی جیلوں میں علاوہ انڈیمان (کالے پانی) کے ہر قسم کی قیدی عورتوں کی آمد کی حوالات میں روزانہ اوسط ۲۱۳۹ تھی جس میں سزا یافتہ عورتوں کی تعداد سال کے آخر تک ۱۸۰۳ پہنچ جاتی تھی۔

اتنے وسیع جغرافیائی رقبہ میں یہ معمولی سی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان میں بمقابل انگلستان کے مجرم عورتیں بہت کم ہیں۔ اور انگلستان کی عورتوں کی طرح جرم کے ارتکاب میں بے باک نہیں ہوتیں۔

ہندوستان کی اکثر ڈسٹرکٹ جیلوں میں قیدی عورتوں کے لئے الگ الگ وارڈ بنا دیئے گئے ہیں جن میں ان کو محفوظ طریقے پر رکھا جاتا ہے۔ ان کے پاس مردوں کو پھٹکنے تک بھی نہیں دیا جاتا۔ ان کے لئے ایک میٹرن رکھی جاتی ہے جو ان کی ضروریات کو پورا کرانے کیلئے مقرر ہوتی ہے اس کی عدم موجودگی میں جیل افسران بھی عورتوں کے وارڈ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

زنانہ جیلیں پنجاب اور صوبہ بمبئی نے لاہور اور یروده میں زنانہ جیلیں بنوا دی ہیں۔ لاہور کی زنانہ جیل اپنی دیواروں اور بارکوں کی کثرت کیوجہ سے انگلستان کی پینٹونویلی اور ہزلو۔ے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی والی جیلوں کی طرح ہے۔

گرچہ سی، پی میں سوگوڑ جیل سے ۱۹۲۵ء میں کرسمس کی کالی رات کو ایک خوبصورت خاوندوں کی لالچ میں تین عورتوں نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ اور اسی طرح پورٹ بلر کی زنانہ جیل میں (جو حکومت ہند کی سب سے بڑی جیل ہے) بھاگنے کی شاذونادر سکیمیں بنیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ عورتیں عام طور پر جیل میں پرامن زندگی گذارنے کی عادی ہوتی ہیں اور بہت کم بھاگتی ہیں۔ ان کی جیلوں کی دیواریں آٹھ فٹ اونچی ہوتی ہیں۔ اور بعض کی اس سے بھی کم ہوتی ہیں۔ جیسی پورٹ بلیر کی جیلوں کی دیواریں ہیں۔ جو آٹھ فٹ زیادہ سے زیادہ اونچی ہیں۔ اور ان کی سمندر کی جانب کی دیواریں اونچائی میں اس سے بھی کم ہیں سی۔ پی کے صوبہ میں عادی اور اتفاقی قیدی عورتوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کے لئے جبل پور اور ناگپور میں جیل بنا دیا گیا ہے جبلپور میں عادی مجرموں کو بھیجا جاتا ہے۔ اور ناگپور میں اتفاقی مجرموں کو رکھا جاتا ہے۔

مشقت ضلع کی جیلوں میں تقریباً چھ قیدی عورتیں رکھی جاتی ہیں۔ جن سے عام کام نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ انہیں گھریلو کام پر لگایا جاسکتا ہے۔ نواڑ بنوائی جاسکتی ہے۔ ٹوکرے، جھاڑو بنانا اور اناج چھنوایا جاسکتا ہے۔ پورٹ بلیر کی جیل کے کاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں اچھے اور نفیس کام انجام دے سکتی ہیں۔

گرچہ یہ جیل ۱۹۱۹-۲۰ء کی جیل کمیٹی کی رپورٹ کی وجہ سے بند کر دی گئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے یہ صنعت کا گھر تھی۔ اس کے اسٹاف میں ایک تمام وقت کی مالکہ، اور تھوڑے وقت کی داروغہ اور ایک ایڈی ٹی اکثر

تھیں اس کے علاوہ تمام جیل کا انتظام قیدی عورتیں خود ہی انجام دیتی تھیں ان کی تین سو کی آبادی نہ صرف جیل کے کاموں کو چلاتی تھی بلکہ دس ہزار اونی، سوتی کپڑے قیدیوں کے لئے بھی تیار کرتی تھیں۔ سوتی کپڑا پاور لُوم والی کھڈی پر بنایا جاتا تھا جس کی مشینوں کی مرمت بھی عورتیں کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ چادر، تولئے، جھاڑن، بچھونے وغیرہ بھی بنتی تھیں مچھلیوں کے جال بنائے جاتے تھے۔ اور تمام قیدیوں کے گیہوں بھی صاف کئے جاتے تھے۔ ہسپتال میں دائی اور کمپونڈری کا کام سکھایا جاتا تھا۔ اور تربیت کے بعد انہیں دوسرے ہسپتالوں میں یا گھروں میں جانے کی اجازت تھی۔

پورٹ بلیر میں ایک عمر قید سزا یافتہ لڑکی کو ایسی تربیت دی گئی کہ فوراً ہندوستان بھیجدی گئی۔ جہاں بعض نے ایک سال مدراس سنٹرل ہسپتال میں اعزازی نرسوں کے ساتھ کام کیا۔ دائی اور نرسنگ کا امتحان پاس کرنے کے بعد اس کو پورٹ بلیر روانہ کردیا گیا۔ وہاں وہ ہندوستانی پردہ نشین عورتوں کے لئے ہسپتال کی انچارج بنا دی گئی۔ ایک جیل سے ایک موقعہ پر ایک سزا یافتہ آیا۔ ٹیلیفون کے ذریعہ طلب کی گئی۔ تو فوراً ایک قابل مہذب اور خوش مزاج عورت بھیجدی گئی۔ اگلے دن سپرنٹنڈنٹ نے اس عورت کا فائل دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ وہ پیشہ ور بچوں کو زہر دینے والی تھی۔ اور اسی جرم میں مقید تھی۔ چنانچہ اس کو اسی وقت بلا لیا گیا۔

پورٹ بلیر کی جیل کی قیدی عورتوں کو شادی کرنے کی بھی اجازت تھی وہ بستی کے ایک گاؤں میں اپنے نئے خاوندوں کے ساتھ رہ سکتی تھیں

اس جیل کی ہفتہ وار شادی پریڈ کی ایک مشہور رواج تھا۔ اور اس کے لئے زبانی قانون اور ساتھ میں سرکاری ہدایتیں تھیں۔ مثلاً اگر کوئی عورت شادی کی پہلی پیش کش قبول کرلیتی تو اس کی ساتھی عورتیں یہ سمجھتی تھیں کہ اس نے اپنے آپ کو ذلیل کیا اور ساری جیل کی عزت کو بٹہ لگایا۔

ان عورتوں میں زیادہ تعداد خاوند یا بچوں کو قتل کرنیوالی عورتوں کی تھی۔ ایک انسپکٹر جنرل نے رنگون ہائیکورٹ کے مشہور جج کی بیوی سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا جو جیل کا گشت لگانے میں مصروف تھی اس نے بتایا کہ وہ میری سب سے زیادہ ہمدردی خاوند قتل کرنے والیوں کے ساتھ ہے۔ خاوند بعض موقعہ پر بہت زیادہ بدمزاج ہوجاتے ہیں"

یہ قیدی عورتیں پورٹ بلیر میں بہت خوش وخرم رہتی تھیں اگر ان کو ہندوستان بھیجے جانے کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ زاروقطار روتیں۔ اور جانے کے لئے قطعاً تیار نہ ہوتیں لہ

لاہور کی نسوانی جیل میں بہت سا وقت فضول وفالتو کاغذ کے چھانٹنے میں صرف کیا جاتا تھا اور گھریلو کام بھی قیدی عورتیں نہیں کرتی تھیں۔ مگر کچھ سال بعد وہاں بننے، سینے، پرونے، کشیدہ کاری اور بڑھیا کام کرنے میں ترقی کی گئی۔ موزے کی مشینیں بھی لائی گئیں اور اسکا کام سکھایا گیا۔

مانڈلے جیل

مانڈلے جیل میں قید عورتوں کی بنائی ہوئی ساڑھیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں صنعتی کاموں میں کافی ترقی کرسکتی ہیں۔ یہ ساڑھیوں کا کام ان کو سپرنٹنڈنٹ کی بیوی نے سکھایا تھا

لہ مسٹر بارکر۔

جس کو وہ بڑی شغف سے انجام دیتی تھیں۔

تعلیم ترقی کے ابتدائی دور میں ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اگرچہ آجکل ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کا بڑا چرچہ ہے۔

لاہور نسوانی جیل میں ایک نسوانی سکول کھولا جا چکا ہے جو نتائج کے اعتبار سے کامیاب ہے۔ یو۔پی میں فن موسیقی و تعلیم کے لئے جد وجہد برابر جاری ہے۔ ایک عورت جیل میں استانی مقرر کی جاتی ہے جو قیدیوں کو پڑھاتی ہے۔ گانے کا سامان میٹرن کے سپرد ہوتا ہے۔ وہ لاتی لے جاتی ہے۔

جرم کی درجہ بندی یو۔پی میں نوعمر بچیوں کو جو مجرم ہوتی ہیں علیحدہ جیل کے حصہ میں رکھا جاتا ہے۔ جو بچہ چرانے کے الزام میں سزا یافتہ ہوتی ہیں۔ ان کو الگ بند کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح باعزت عورتوں کے لئے علیحدہ جگہ ہوتی ہے۔

دایہ حاملہ عورتوں کے لئے ایک دایہ ہوتی ہے جس کے لئے سند یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ عورتیں جن کی سزائیں تین ماہ کے اندر اندر ہوتی ہیں۔ اور حاملہ ہوتی ہیں تو ان کو ہسپتال میں بھیجدیا جاتا ہے۔

عورتوں میں میڈیکل افسر مرد یو۔پی، کے مستورات کی جیلوں میں میڈیکل آفیسر مرد بھی ہوتے ہیں تمام کاموں پر عورتیں ہی مامور نہیں کی جاتیں[۵]۔

---

[۵] تحقیقاتی کمیٹی جیلہائے یو۔پی ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۳۴

جیل کی عمارتیں

ہندوستان کے قیدیوں کی تعداد

ہندوستان میں کل ۳۷۷ جیلیں ہیں[1] جن میں حسب ذیل سالوں میں حسب ذیل مرد اور عورتیں قیدی رکھے گئے۔

سال	مرد	عورت
سنہ ۱۹۳۱ء	۸۸۳۵۰۵	۱۹۶۳۳
سنہ ۱۹۳۲ء	۱۰۲۳۳۱۴	۲۸۴۳۴
سنہ ۱۹۳۳ء	۸۹۹۰۴۰	۲۳۰۸۲
سنہ ۱۹۳۴ء	۸۷۶۷۱۹	۱۹۹۷۶
سنہ ۱۹۳۵ء	۸۲۷۶۴۹	۱۹۲۸۱
سنہ ۱۹۳۶ء	۸۲۶۷۷۷	۱۹۷۵۶
سنہ ۱۹۳۷ء	۷۷۴۱۱۹	۱۸۴۲۰
سنہ ۱۹۳۸ء	۷۸۱۰۰۰	۱۷۴۷۹

سنہ ۱۹۴۲ء میں روزانہ قیدیوں کے آنیکا اوسط تمام ہندوستان کی جیلوں میں حسب ذیل تھا[2]:

---

[1] بک فور پریزنرز [2] رپورٹ انتظامیہ جیلہائے صوبہ یو پی سنہ ۱۹۴۲ء

صوبہ	قیدیوں کی روزانہ اوسط کی تعداد
یوپی	۳۸،۵۵۳
پنجاب	۲۲،۵۳۴
بنگال	۲۰،۳۳۴
مدراس	۱۸،۷۸۴
بہار	۱۵،۰۱۸
بمبئی	۱۰،۶۲۴
سرحد	۵،۶۳۴
سندھ	۵،۵۷۲
برار	۵،۴۵۷
آسام	۳،۱۹۹
اڑیسہ	۲،۲۳۶

ان جیلوں میں زیادہ تر جیلیں از سر نو تعمیر کی گئی ہیں۔ اور معدودے چند ایسی بھی جیلیں ہیں جو پہلے سرائیں قلعے یا عالیشان عمارتیں تھیں۔ جن میں ترمیم و تنسیخ اور ایزادگی کرکے جیلوں کی شکل دیدی گئی ہے۔

جیلیں مشہور عمارتوں میں

چنانچہ سہارنپور کی جیل پرانے قلعے میں ہے جس کی پرانی دیواریں اور بعض بلڈنگیں محکمہ تعمیرات کے ماتحت اب بھی ہیں۔

مین پوری (یو۔پی) کی جیل سابق راجہ کے اصطبلوں کو مسمار کراکے بنائی گئی ہے۔ اور آگرہ کی سنٹرل جیل خاندان مغلیہ کے بادشاہ کے ہاتھی خانہ

تڑواکر تعمیر کی گئی۔ جونپور جیل کے اندر مقبرہ کسی پرانی عمارت کی شہادت دیتا ہے[1]

سرائے کارواں یا دہلی جیل

مصنف "دارالحکومت" دہلی جیل کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جو دہلی دروازے کے باہر اور فیروز شاہ کوٹلہ کے مقابل ہے اور لال دروازے سے تھوڑی دور جنوب میں ہے۔ یہ جیل حقیقت میں سرائے تھی[2] پرانی دلی کیساتھ یہ سرائے بھی ویران ہو گئی۔ یہانتک کہ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ہی کے وقت میں بالکل ویران ہو گئی تھی۔ انگریزوں کو جیل کے لئے اس سے بہتر اور موزوں عمارت نہ ملی۔ اس سرائے کی شکست و ریخت کر کے جیل کے لائق کر لیا اس سرائے کا دروازہ بہت بلند اور عالی شان ہے اور اس پر ایسے معقول مکان بنے ہوئے تھے کہ جیل کا داروغہ بھی اس میں بفراغت رہتا تھا۔ اسی کے میدان میں پھانسی دی جاتی تھی۔

یہ سرائے درحقیقت فریدخاں کی کارواں سرائے تھی جو ۱۰۱۷ھ ۱۶۰۸ء میں بنی۔ فریدخاں شاہجہاں کے عہد میں گجرات کے صوبہ دار تھے اور فریدآباد بھی انہی کا بسایا ہوا ہے۔ سلیم گڑھ کے قلعے کو بھی انہوں نے درست کیا۔ فریدخاں سرائے شاہ جی میں مدفون ہیں جو بیگم پور کی مسجد سے مشرق کی طرف کوئی چار سو گز کے فاصلہ پر ہے"

اس سرائے کی فصیل نما پرانی دیواریں اب بھی موجود ہیں۔ جو موجودہ مطبخ سے شروع ہو کر منڈا پارک کے ساتھ چلی گئی ہیں۔ جکیاں، کارخانہ، اور چیچک ہسپتال سرائے کے بیرونی حصہ میں بنائی جا چکی ہیں۔ اور اندرونی

---

[1] تحقیقاتی رپورٹ یو۔پی سنہ ۱۹۲۹ء۔ [2] دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۹۴،

حصّہ میں بھی ہسپتال، مطبخ، اور پھانسی کوٹھڑیاں تعمیر ہو چکی ہیں جو کہ پختہ، مضبوط اور پاک وصاف ہیں۔ پھانسی گھر بھی اندر بنا دیا گیا ہے۔ اور اندر ہی پھانسی دیجاتی ہے۔ اس کی کوٹ موقعہ کی دیوار پتھروں کی پکی چنی ہوئی ہو جس میں جیل کی نئی اور پرانی چیزیں محصور ہیں۔

جیلوں کی نوعیت

اس جیل کی طرح ہندوستان کی اکثر جیلیں کچی بنی ہوئی ہیں جنکو کچی گماں اینٹوں سے چکر مٹی کے گارے سے پلاستر کیا گیا ہے جو گارا عام طور پر جیلوں میں استعمال کیا جاتا ہے اسمیں جیلوں کی نالیوں اور بیت الخلاء کا غلیظ اور گندہ پانی ڈالا جاتا ہے جو ہفتوں گارے میں پڑا سڑتا اور تعفن پیدا کرتا ہے اور دیواروں میں لگنے کے بعد کثیر بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

پنجاب میں سوائے قصور، کیمل پور، گجرات، راولپنڈی اور نیو سنٹرل ملتان جیلوں کے اور کوئی جیل پختہ نہیں ہے بلکہ تمام مٹی کی لپی ہوئی کچی جیلیں ہیں جو صفائی کی دشمن اور خس و خاشاک کا مجموعہ ہیں۔ اور عام طور پر برسات میں مہلک و موذی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہیں چنانچہ اسی بنا پر سڑکوں پر کیچڑ ہی کیچڑ نظر آتی ہے اور چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

جیلوں کی مقام آبادی

پنجاب میں سوائے لدھیانہ، حصار، اولڈ گجرات، جالندھر، دہلی، اور گوڑگانوہ جیلوں کے اور کوئی جیل شہر کی آبادی میں یا شہر کے قریب نہیں تمام جیلیں شہر سے دور اور دو دو تین تین میل کے فاصلہ پر ہیں۔ مثلاً اولڈ سنٹرل ملتان جیل شہر سے تقریباً ۳ میل، اور انبالہ جیل چھاؤنی سے چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اس فاصلہ سے جیل ملازمان، اور چالان شدہ قیدیوں کو کافی تکلیف ہوتی ہے۔ ملازمان کو شہر سے

اشیاء خورونوش لانا مشکل معلوم ہوتاہے اور اد اسی چیز کے لئے شہر کی طرف دوڑنا پڑتا ہے۔ اور قیدی کو بھی آہنی اور وزنی بیڑیوں کے ساتھ میلوں پیدل چلنا مصیبت لگتا ہے۔ اتنی لمبی مسافت طے کرنے میں ان کے پاؤں لہو لہان ہوجاتے ہیں۔ اور چلتے چلتے بلبلا اٹھتے ہیں۔

پنجاب کی جیلوں میں بڑی جیلیں لاہور سنٹرل، نیو ملتان، منٹگمری، لاہور بوسٹل جیلیں ہیں جہاں تین تین چار چار ہزار قیدیوں کے رکھنے کا انتظام ہے

اولڈ سنٹرل ملتان جیل

اولڈ سنٹرل ملتان جیل میں ۱۶ بارکیں اور ڈھائی سو کوٹھڑیاں (سیلز) ہیں۔ جو ۶۰، اور ۳۰۔ آمنے سامنے ۱۸۰ چکیوں ۲۰، اور ۴۰ چکیوں کی شکل میں بنی ہوئی ہیں۔ ۴۰ چکیوں کے ۵۰، اور ۱۰ چکیوں میں دو حصے کئے گئے ہیں۔ ۱۰ چکیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ۵۰ چکیوں میں غل غپاڑا کرتے ہیں اور اہم سمجھا نا چاہتے ہیں تاکہ ان کے شور کا دوسرے قیدیوں پر اثر نہ پڑ سکے۔ یہ ۶۰ چکیاں قصوری چکیاں کہلاتی ہیں جس میں قصوری اور فسادی قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔ ان قصوری چکیوں پر سخت گیر، بدکلام، سنگدل اور بدتمیز نمبردار لگائے جاتے ہیں جن کی قانون کے مطابق ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام قیدیوں کو کھولکر ضروریات سے فراغت دلائی جائے لیکن وہ ایسا کرنے کیلئے اپنے آپ کو نہیں پاتے۔ ایک گھنٹہ کے بجائے دس دس منٹ اور زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ کیلئے کھولتے ہیں اور بعض بعض موقعہ پر ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ چار چار دن بھی قیدیوں کے کھولنے کا نام نہیں لیتے۔ وہیں ان کو حوائج ضروریات سے فارغ ہونا پڑتا ہے اور وہیں دونوں وقت ان کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ کسی کتاب کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہوتی۔

۲۰، اور ۳۰ چکیاں عام نوآوردقیدیوں کے لئے ہیں۔ جنکوانمیں "مدتِ قرنطینہ" گذارنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ ان چکیوں کے آمنے سامنے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک دروازہ آہنی سلاخدار ہوتا ہے۔ اور تھوڑا صحن چھوڑ کے دوسرا دروازہ ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر لکڑی کا ہوتا ہے۔ رات کو دونوں دروازے مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔

۴۰ چکیاں سمنٹ کی پختہ ۲۰۔۲۰ دو طرف بنی ہوئی ہیں۔ جو آرام دہ مضبوط اور صاف و ستھری ہیں۔

مطبخ اس جیل کے مطبخ کی مجموعی حالت اچھی ہے۔ پختہ جالیدار اور صاف و شفاف ہے۔ مشقتوں کی بداحتیاطی سے دروازہ کھلے رہنے پر مکھیاں اندر چلی جاتی ہیں اور کافی برات لگالیتی ہیں۔ ورنہ بناوٹ کے اعتبار سے مکھیوں کے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ دال، یا سبزی پکانے کی دیگ اصول حفظان صحت کے منافی ہے۔ وہ جو لہے میں گڑی رہنے کیوجہ سے اچھی طرح دھوئی نہیں جا سکتی۔ جب تک اس کو علٰحدہ کرکے نہ دھویا جائے۔ کپڑے کا پوچا وہ بھی مہینہ دو مہینہ میں کرنے سے صفائی کا مقصد پورا نہیں کرتا۔

اسی طرح گرمیوں میں آٹا گوندھنے کی صورت بھی گھناؤنی، قابلِ نفرت اور مضرِ صحت ہوتی ہے۔ گوندھنے والے مشقتی پسینوں سے شرابور ہوتے ہیں ان کے جسم پر پسینوں کی تلیاں بہتی ہوتی ہیں اور وہ گویا پانی سے نہیں بلکہ اپنے پسینوں سے آٹا گودھنے کا کام انجام دیتے ہیں۔ ان مشقتیوں میں ہر قماش اور ہر طرح کے مریض اور غیر مریض قیدی ہوتے ہیں۔ جنکا پسینہ ہر قیدی کو کھانا پڑتا ہے اور وہ لاعلمی میں طرح طرح کے مرضوں کا شکار ہوتے ہیں،

گندا پوچا اس جیل میں پانی کا معقول انتظام ہے۔ تمام جیل میں نل لگے ہوئے ہیں۔ پانی کی قلت نہیں ہوتی۔ البتہ بارکوں کے سامنے زمین پر پوچا دچھڑکاؤ، غیر شریفانہ نظریہ کے ماتحت کرایاجاتا ہے۔ بارکوں میں پانی کی جو ہودیاں ہیں اور جن میں دال، روٹی، برتن کی دھوون اور مسواک کی غلاظت ڈالی جاتی ہے۔ اس کا پانی پوچے کیلئے استعمال کرایا جاتا ہے اور اس زمین پر چھڑکا جاتا ہے جس پر گرمیوں میں رات کو قیدی سوتے ہیں اور سوتے وقت ان کے بھبکوں اور بدبوؤں میں کروٹیں لے لیکر رات کا کافی حصّہ پریشانی میں گذار دیتے ہیں۔ اس قسم کے گندے پوچےکا رواج عام طور پر پنجاب کے تمام جیلوں میں ہے۔

بے پردہ بیت الخلاء اولڈ ملتان جیل میں بیت الخلاء دو قسم کے ہیں۔ ایک پختہ اور دوسرے خام، پختہ بیت الخلاء صاف اور آرام دہ ہیں لیکن خام بیت الخلاء بے پردہ اور تکلیف دہ ہوتے ہیں جو برابر ایک لائن میں چھوٹی چھوٹی دیواروں کے بنائے جاتے ہیں جنمیں بیٹھنے کے بعد ایک دوسرے کی گردن نکلی رہتی ہے۔ اٹھتے وقت ارد گرد نگاہ پڑجائے تو ستر چھپایا نہیں جا سکتا۔ ایک کھڈی سے دوسری کھڈی کے جاتے وقت بے پردگی ہوتی ہے۔ جو پنجاب کی جیلوں کی خصوصیات شمار کی جاتی ہیں۔ دروازہ یا کوئی پردہ اس میں نہیں ہے۔ چھتوں پر بانس کے ٹیڑھے پڑے ہوئے ہیں جو فوجی نظریئے کے ماتحت بنائے گئے ہیں۔ بارک ۱۵-۱۶ میں پختہ اور ۷، ۸ بارک میں چھپر کے کچے بیت الخلاء ہیں۔

نہانا دھونا غسل کے لئے اور کپڑے دھونے کیواسطے ۷-۸ اور ۱۵ بارکوں کے بیچ میں دو ہودیاں پیٹھ کی کم اور لمبی زیادہ بنائی

ہوئی ہیں جو سوا بالشت سے کسی طرح زیادہ گہری نہیں ہیں۔ اس کے ایک کے پانی سے نہایا جاتا ہے اور دوسرے کے پانی سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں جس پر ایک ایک مرتبہ پچاس، ساٹھ آدمی بیٹھکر نہاتے ہیں اور ہندو مسلمانوں کا نہانے کے معاملہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اور نہ کسی قسم کی چھوت چھات برتی جاتی ہے۔

انبالہ جیل

انبالہ جیل دو مربع فرلانگ جگہ میں بنا ہوا ہے جس میں گیارہ سو قیدی ۶۔ بارکوں اور سو قصوری اور غیر قصوری کوٹھریوں میں رکھے جاسکتے ہیں۔ ہسپتال کی بلڈنگ اصولِ حفظانِ صحت کے منافی مضحکہ خیز اور غیر تسلی بخش ہے۔ پھانسی گھر انتہائی بوسیدہ، خاک آلودہ حالت میں ہے جسکا تختہ گلا ہوا اور دیواریں شکستہ ہیں اسی طرح پھانسی کوٹھڑی بیہودہ طریقے سے بنائی گئی ہے دروازوں پر جالیوں کے باوجود تختے جڑے ہوئے ہیں جس سے کوٹھڑیوں میں چوبیس ۲۴ گھنٹہ اندھیرا رہتا ہے۔ اور مرتے کو مارے شاہ مدار پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

پانی کی قلت

اس جیل میں پانی کا انتظام نہایت غیر معقول اور پریشان کن ہے۔ اس علاقہ میں پانی کی بیحد قلت ہے کنوئیں انتہائی گہرے ہیں جس کی وجہ سے گرمیوں میں کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اور پانی کے ایک ایک گھونٹ اور چلو کے لئے ترسنا پڑتا ہے۔ پانی کی فراہمی کی ذمہ داری انبالہ میونسپل کمیٹی پر ہے جس کے پانی کا کنکشن باہر سے ہے۔ جیل میں کوئی کنواں نہیں۔ پانی کا ایک پمپ جیل کے باہر زمین میں اتروایا جا رہا ہے جس میں قریب قریب ایک سال صرف ہو چکا ہے مگر کام پورا نہیں ہوا+

اب ٹنکیوں میں پانی جمع ہوتا ہے اور آہنی بڑے بڑے ڈولوں سے تقسیم کیا جاتا ہے جس کے بھرنے میں بیحد بد احتیاطی برتی جاتی ہے۔ چنانچہ جس ٹونٹی میں ڈول لٹکا کر پانی بھرا جاتا ہے اس کے نیچے ڈول رکھنے کیلئے ڈول کی لمبائی کے برابر گڑھا کر دیا جاتا ہے جس میں پانی بھرتا رہتا ہے اور بھرتے بھرتے ٹونٹی تک پہنچ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پاؤں سے ملا و سلا گندہ پانی ڈول میں چلا جاتا ہے جو کہ قیدیوں کو پینے کے لئے دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جیل اپنی وضع قطع کے اعتبار سے ایک دلکش گاؤں معلوم دیتا ہے جس میں نہ جیلوں کی سی ہیبت ہے اور نہ اس سے قیدیوں کی طبیعت زیادہ مکدر و پراگندہ ہوتی ہے۔ البتہ پانی کی قلت یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ایسے خشک بے آب مقام پر یہ جیل کیوں بنایا گیا۔ اور قیدیوں کے لئے کیوں ایسی جگہ پسند کی گئی۔

نیو سنٹرل ملتان جیل

یہ جیل تمام پنجاب کی جیلوں میں خوبصورت، مضبوط، شاندار اور عالیشان جیل ہے جو ۱۹۲۸ء میں تیار ہوئی اور استعمال ہونا شروع ہوئی۔ تمام پنجاب کی جیلیں یکمنزلہ ہیں۔ لیکن یہ جیل دو منزلہ ہے اور اس کی ہر چیز بارکیں، چکیاں اور ہسپتال بھی دو منزلہ ہیں۔ وسط جیل میں چمنستان ہے جس کے گرد تین چکروں میں ایک میل محیط دائرہ بنتا ہے اور سامنے بائیں جانب ۱۱ چکیوں کے ۶۔ احاطے ہیں۔ دو احاطے کنارے پر ہیں جس میں ۱۹ - ۱۹ قیدی رکھے جاتے ہیں۔ باقی چکیوں کے چار احاطوں میں ۲۶ - ۲۶ چکیاں ہیں۔ بارکوں کے ۶۔ احاطے دائیں جانب ہیں۔ یہ بارکیں اور چکیاں لمبی سلاخدار کشادہ ہیں جو گرمیوں میں نہایت آرام دہ اور ہوا بخش ہیں۔ لیکن جاڑوں میں اتنی آرام دہ نہیں جتنی کہ ہونی چاہئیں،

اسمیں جاڑے سے قیدی ٹھٹر جاتا ہے اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

کارخانہ اور تپدق ہسپتال جیل کے پچھلے حصہ میں ہے۔ قیدیوں کو چمنستان کے پھول استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اُسکے پھول جیل افسران اپنے گھروں کو مزین کرنے کے لئے گلدستے بنواکر لیجاتے ہیں۔ یا اپنے افسران کو ڈالیوں میں پیش کرتے ہیں۔ راولپنڈی، فیروزپور کی جیلوں میں بھی پھولوں کی بہتات ہے مگر قیدی ان سے مستفیض نہیں ہوسکتے۔ یہ اسیروں کی قسمت میں نہیں لکھا کہ وہ اس چمنستان کے گل وبلبل کی چہک اور مہک سے حظ اور سرور حاصل کرسکیں۔

فیروزپور کیمپ جیل

فیروزپور کیمپ، جیل کے ملحق ہے۔ اس میں چار بارکیں پختہ آہنی جنگلے اور جالیدار ہیں۔ ایک بارک ۹۔ کوٹھڑیاں اور چاروں بارکوں میں ۳۶ کوٹھڑیاں ہیں۔ جو چودہ فٹ لمبی اور ۹ فٹ چوڑی اور اونچائی میں پندرہ فٹ ہیں۔ صحن نما برانڈہ کوٹھری کے سامنے ہے جسکے دائیں بائیں پختہ دیوار، سامنے جنگلے دار دروازہ اور جنگلے دار چھت ہے۔ چار کچی بارکیں ہیں مٹی کے چبوترے بنے ہوئے جن پر چھپر ڈلے ہوئے ہیں اور چھپروں کے نیچے خیمے تنے ہوئے ہیں۔ ایک بارک میں مطبخ ہے جہاں کیمپ کے نمبردار رہتے اور سوتے ہیں۔ پہلی بارک میں پہلی کوٹھڑی کے اندر ہسپتال کا دفتر ہے۔ اور بقایا ۸ کوٹھریوں میں نظربند اور پولٹیکل قیدی رکھے جاتے ہیں۔

کچا کچن

کچن کچا ہے۔ جو ایک کچی بارک میں ہے۔ اس کی چھتیں چھپر کی ہیں۔ آہنی جالی کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ مکھیوں کا ٹڈی دل گھسا رہتا ہے۔ کچن کا فرش بھی کچا ہے۔

بے پردہ بیت الخلاء بیت الخلاء غسل کے مقام کے مقابل ہے۔ جو اک بارک میں ہے جسکی کھڈیوں کی قطاریں دیواری پست پر سلسلے وار بنی ہوئی ہیں۔ انہی کے قریب ایک باہر بلا چھت کے کھڈیاں بنی ہوئی ہیں دائیں بائیں دیواریں بہت چھوٹی ہیں۔ جس سے کافی بے پردگی ہوتی ہے۔ کھڈیوں میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اس لئے بے پردہ ہر شخص سامنے چلا جاتا ہے۔ اور کھڈیوں میں بیٹھنے والا خاموش بیٹھا رہتا ہے۔

غسل خانہ غسل کے لئے کوئی عمارت نہیں ہے۔ دو ہودیاں لمبی، چوڑائی اور گہرائی میں کم، پانی بھرنے کیلئے ہیں۔ ان کے ایک جانب، ایک باغ کی دیوار ہے جس میں دونوں طرف دو نل لگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف کے دونوں نلوں سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں اور دوسری طرف کے دونوں نلوں سے غسل یا اشنان کیا جاتا ہے۔ ان ہی غسل کی ٹوٹیوں پر برتن وغیرہ مانجھے جاتے ہیں۔

پانی کا معقول انتظام ہے۔ ہر چار پکی بارکوں میں چار زمین دوز ہینڈ پمپ ہیں جن کا پانی نلوں سے بہتر اور ہاضم ہوتا ہے۔ کیمپ کے نظر بند قیدی اسی پانی کو پینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کوٹ موقعہ کچا اور بارہ فٹا ہے۔ جیل میں شہتوت کے درخت ہیں اور گلاب کے پودے کثرت سے ہیں۔ گولر کے بھی درخت ہیں۔

بجلی کیمپ کے کمپاؤنڈ میں بجلی ہے۔ لیکن بارکوں میں بجلی نہیں ہے۔ فٹنگ نہیں کرائی گئی ہے۔ رات کو دقیانوسی ٹوٹی پھوٹی کلّے نکلی لالٹین پانی ملے مٹی کے تیل سے جلائی جاتی ہے۔ جو کبھی آدھ گھنٹے اور کبھی زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ جلتی ہے۔ ورنہ کبھی بتی غائب ہوتی ہے۔ کبھی تیل ہی نادارد ہوتا ہے

کیمپ اندھیرے میں رات گذارنی پڑتی ہے۔

اکھاڑہ غسل کرنے کی جگہ کے قریب ایک چھوٹا سا میدان ہے جسمیں ایک اکھاڑہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہ اکھاڑہ پنڈت شترو گھن جی (نظربند) کی کوششوں کا نتیجہ ہے وہی اس اکھاڑے کے اُستاد تھے۔ اور صابری اسکا ایک پٹھا تھا جس نے کم و بیش سات آٹھ مہینے وہیں کسرت کی۔ انسانی جسم کے پٹھے اترنے پر مولانا نورالدین صاحب ملنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اور وہ اس فن میں کمال رکھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جو چیختا چلاتا آتا۔ خوش و خرم جاتا تھا۔

کیمپ کی جائے وقوع کیمپ فیروزپور جیل کے مقابلہ میں کافی نیچی جگہ پر بنا ہوا ہے اور زمین کی گہرائی میں ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس میں برسات کے موسم میں کافی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ پانی نکلنے کا معقول و مناسب راستہ نہیں ہے۔ برسات میں چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ان دریاؤں میں سے گذرتا ہے تو تکلیفوں کا شکار ہوتا ہے۔ اس پانی میں ایک موذی جانور پیدا ہو جاتا ہے جو پاؤں کی انگلیوں میں جوتیوں کے اندر ہی گھسکر کاٹ لیتا ہے،

کیمپ کے قیام کی وجہ معلوم ایسی مضر صحت مقام پر یہ کیمپ کیوں بنایا گیا ہے۔ یہ کیمپ احرار کی کشمیر تحریک پر بنا۔ پہلے اسکے چاروں طرف آہنی تار باندھے گئے تھے جب کچھ قیدی مفرور ہوئے تو اسکو پختہ بنوایا گیا۔ اس عمارت کی تعمیر پر حکومت کشمیر کا روپیہ خرچ ہوا۔ اسکے بعد اسمیں پولٹیکل قیدی رکھے جانے لگے۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں ستیہ گرہ کے سی کلاسی پولٹیکل قیدی اسمیں رکھے گئے تھے۔ اور آجکل ۴۲ء کی تحریک کے نظربند اور سزا یافتہ پولٹیکل حضرات بھی یہیں مقید کئے جاتے ہیں۔

جیل کا عملہ

لندن میں جولائی ۱۹۲۶ء کے اندر سمندر پار قیدی افسروں کی کانفرنس میں کرنل جے ، ایس نوکس نے فرمایا کہ اچھا اسٹاف وہ ہے جو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھے +

(۱) احکامات کو وفاداری سے پورا کیا جائے ۔

(۲) اپنے کام کو نگرانی اور بلا نگرانی دونوں حالتوں میں یکساں طور پر بہتر طریقے سے انجام دیں ۔

(۳) اپنے ماتحت ملازمین سے اجنبیوں کی طرح ہوشیاری سے سلوک کریں

(۴) مختصراً ہر طرح لوگوں کی امداد کریں ۔

انگریزی جیلوں کا اسٹاف تجربہ کار ہے اور خدمت کرنے کے اچھے طریقہ جانتا ہے ۔ جن کو معقول تنخواہ ملتی ہے اور اچھی پنشن کے ملنے کی بھی امید ہوتی ہے ۔ وہ کام زیادہ وقت میں نہیں کرتے عمدہ قسم کے رہائشی مکانات میں رہتے ہیں ۔ تفریح کے لئے کافی وقت مل جاتا ہے ۔ وہاں کل ۳۴ جیلوں اور ۱۰۸۶۰۰ قیدیوں کے ۲۰۰۱ ۔ انتظامی آفیسر ہوتے ہیں ۔ سالانہ اسی سے سو تک مزید افسروں کی ضرورت پڑتی ہے ۔ جس کے لئے پانچ ہزار امیدوار درخواست دہندہ ہوتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قابل ولائق آدمی منتخب ہوتے ہیں ۔ تمام امیدواروں کو

ایک فارم بھرنا پڑتا ہے جس میں وہ اپنی ساری زندگی اور تعلیم کا مفصل حال لکھتے ہیں۔ کمشنر انکی پانچ ہزار فارموں میں سے پانچسو امیدواروں کو ملاقات کے لئے منتخب کرلیتا ہے۔ ۲۵ فیصدی منظور کئے جاتے ہیں اور ان کو کسی ایک سکول میں ٹریننگ دینے کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ ٹریننگ آٹھ ہفتہ تک ملتی ہے اور اس میں تقریباً دس فیصدی فیل ہو جاتے ہیں۔ کامیاب امیدواروں کو دو مہینہ کی خاص ٹریننگ کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا ہے۔ اگر رپورٹ قابل اطمینان ہوتی ہے تو ڈیوٹی پر تقرر ہو جاتا ہے ورنہ تین مہینہ کی مزید ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اگر اس میں بھی فیل ہوتا ہے تو اس کے فارم رد کر دیتے ہیں۔

اس تقرری کے بعد ایک سال کے لئے عارضی ڈیوٹی ملتی ہے۔ اس میں مفید و کامیاب ثابت ہوتا ہے تو مستقل، ورنہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

نکمّہ عملہ

ہندوستان میں جیلوں کا اسٹاف انتہائی نکمہ ہے۔ جس کی وجہ ان کی کم تنخواہوں کا ہونا ہے۔ یو۔پی۔ اور پنجاب کی جس جیل میں جائیں گے یہی رونا ہوگا کہ اس موسم کی فلاں آفیسر نے روئی کی رقم اڑا لی۔ فلاں ڈاکٹر نے دوائیوں کی رقم میں سے اتنی رقم بچالی۔ مریضوں اور قیدیوں کو پہننے کے لئے دوائی اور پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں۔ غریب قیدی جاڑوں میں ٹھٹھرتے ہیں۔ اور مریض موت کا شکار ہوتے ہیں اور ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، اور ان کی رضائیاں اور لحاف روئی کے بجائے تاگوں کے گچھوں کے تھیلے بنے ہوئے ہیں۔ قیدی جیل افسران اور ہر مریض ڈاکٹر سے تنگ آیا ہوا ہے اور شور دیتے دیتے تھک گیا ہے۔ کوئی ہلکی مشقت جب ہی ملتی ہے جب چیف وارڈر

اور جیل افسر کو کچھ چڑھایا جائے۔ ہسپتال میں جب ہی داخل کیا جاتا ہے۔ جب کمپونڈر اور ڈاکٹر کو نذرانہ دے۔ ورنہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر جائے۔ کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ ایک معمولی سا وارڈر بھی غریب قیدی کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ یہ سب کمزوریاں اس بات کی ہیں کہ ملازمان جیل کو ملازمت میں وقت پورا دینا پڑتا ہے۔ اور تنخواہ اخراجات سے بہت کم ہوتی ہے۔

ہندوستان میں گریجویٹ ان ملازموں کے لئے سخت مقابلہ کرتے ہیں جب کہیں جاکر ان کو داروغہ جیل کی جگہ ملتی ہے جسکو ۳۵ سے ۴۰ تک ماہوار سے شروع کیا جاتا ہے جو کسی طرح بھی تعلیم یافتہ خاندانی شریف آدمی کے لئے باعث کشش نہیں ہو سکتا۔ البتہ پنجاب گورنمنٹ نے گریجویٹ نائب داروغہ کے لئے ۸۰ روپیہ ماہوار (ترقی ۷½ روپیہ سالانہ) دوسو روپیہ تک تنخواہ مقرر کردی ہے۔ اور داروغوں کو ۲۰۰ سے ۵۰۰ روپیہ تک کی شرح ماہوار قائم کر دی ہے۔ نائب داروغوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو ٹریننگ پہ لگایا جائے۔ اور جو تین ماہ سے کم نہ ہو۔ برما میں اسی قسم کی ٹریننگ کا سکول تھا۔ لیکن اور صوبوں میں یہ ٹریننگ سکول نہیں ہے۔

جیل افسران جیل کا انچارج ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ یعنی جیلر ہوتا ہے۔ اس کے دو یا تین اسسٹنٹ ہوتے ہیں انکو کام تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ کسی کو ملاقات کرانا، اور کارخانہ کی مشقت لینا دیدیجاتی ہے۔ اور کسی کو کچن اور چالان کرنے کا انچارج بنا دیا جاتا ہے۔ یا قیدیوں کے خطوط پڑھنے اور انکو سنسر کرنے کی ڈیوٹی دیدیجاتی ہے۔

ایک اسٹاک کیپر بھی ہوتا ہے۔ جو جیل کی تیار کردہ اشیاء کی فروختگی، تمام کھانے پینے اور استعمال کرنے کی چیزوں کا حساب رکھتا ہے۔ اور قیدیوں کو روزانہ حساب سے راشن دیتا ہے۔

ہسپتال میں ایک، یا دو، یا تین ڈاکٹر ہوتے ہیں جسکا انچارج میڈیکل آفیسر ہوتا ہے۔ بعض جیلوں میں مثلاً دہلی، فیروزپور، انبالہ میں مقامی سول سرجن ان فرائض کو انجام دیتا ہے۔ اور بعض سنٹرل جیلوں میں مثلاً لاہور، اولڈ سنٹرل اور نیو سنٹرل ملتان جیل میں مستقل جیل میڈیکل آفیسر پورا وقت دے کے قیدیوں کی نگرانی کرتا ہے اور علاج و معالجہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

وارڈر جیل کے وارڈر سرکاری ملازم ہوتے ہیں جن کو تنخواہ عام طور پر اکیس روپے ماہوار دیجاتی ہے۔ اور ہر تین برس کے بعد ایک روپیہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جیل میں نو گھنٹے ڈیوٹی روزانہ دیتے ہیں۔ جتنی بڑی جیل ہوتی ہے اسی کی تناسب سے وارڈر زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر پندرہ وارڈروں پر ایک ہیڈ وارڈر ہوتا ہے۔ سو جمعداروں پر چار ہیڈ وارڈر ہوتے ہیں۔ دہلی جیل میں تین ہیڈ وارڈر ہیں۔ جن کی ڈیوٹی ایک کی کارخانہ میں ایک کی کھیت کے پنجہ پر اور ایک کی جیل کے باہر ہوتی ہے۔ قیدیوں کے کام کی نگرانی اور ان کی گنتی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ ان ہیڈ وارڈروں کا ہیڈ چیف وارڈر ہوتا ہے۔ جو صرف جیل حکام کو جوابدہ ہوتا ہے۔ ورنہ جیل کے اندر ہر شخص اس کے ماتحت ہے۔ اصل میں جیل کا کرتا دھرتا وہی مانا جاتا ہے جو تقریباً چوبیس گھنٹوں میں اٹھارہ گھنٹے جیل کے اندر موجود رہتا ہے۔ جمعداروں کی ڈیوٹی وہی لگاتا ہے اور اسی کے مشورہ کا دخل

ہوتا ہے جس کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔

وارڈر کی ڈیوٹیاں

جیل کے باہر دروازہ یعنی سنگین پہرہ پر ایک جمعدار لگاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں بندوق ہوتی ہے۔ جیل کے پہلے دروازے پر ایک دربان جمعدار ہوتا ہے۔ جو قیدیوں کی آمدورفت کو رجسٹر میں لکھتا ہے۔ جیل کے صدر دروازے کی کنجیاں اس کے پاس ہوتی ہیں۔ وہی کھولتا اور بند کرتا ہے۔ افسران کی آمدورفت پر صدر دروازہ پورا کھولا جاتا ہے۔ معمولی ملازم اور قیدیوں کی آمدورفت پر صدر دروازوں کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ قیدیوں کی تلاشی بھی یہی دربان لیتا ہے۔ قیدیوں کے لئے جو کھانا آتا ہے اس کو چکھنے کا کام بھی اسی کی سپرد ہے۔ یہی دروازہ کی آمدورفت کا مالک ہے۔ صبح و شام جیل کے دروازہ پر دو دربانوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ جو کم از کم ایک ماہ تک مسلسل رہتی ہے اس ڈیوٹی پر نہایت ایماندار اور جفاکش و محنتی جمعدار کو لگایا جاتا ہے۔

جیل کے چکر یعنے دروازہ کی چھت پر رات کو ایک جمعدار کی اس لئے ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ تمام بارکوں کے نمبرداروں سے بارکوں کی حالت دریافت کرتا رہے اور منٹ منٹ کی خبر رکھے۔ وہ ہر دو منٹ کے بعد آواز لگاتا ہے "نمبر ایک" جواب آتا ہے "سب اچھا" اس طرح تمام بارکوں کے نمبر مقرر ہوتے ہیں۔ وہ سلسلہ وار سب کو پکارتا جاتا ہے۔ اور ہر ایک بارک سے "وہ سب اچھا" کے جواب ملجاتے ہیں۔

اگر بارک میں کوئی قیدی بیمار ہوتا ہے تو اس کی رپورٹ دروازہ کے سپاہی کو دیدیجاتی ہے۔ وہ ڈاکٹر کو اس کی رپورٹ دیدیتا ہے۔ ڈاکٹر فوراً قیدی کو آ کے

کے لئے آتا ہے۔ اور دوائیاں دے کر یا ہسپتال میں داخل کر کے چلا جاتا ہے
کوٹ اور موقعہ پر جو نمبردار لگائے جاتے ہیں ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک گھڑی والا جمعدار لگایا جاتا ہے۔ جو وقت مقررہ پر چابی گشت لگاتے ہوئے کوٹ موقعہ کی دیوار سے لگاتا ہے۔ جو کوٹ موقعہ کی دیوار میں لگی رہتی ہے اگر جمعدار سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے تو اس کو دیر لگجاتی اور چابی لگانے سے اس کی چوری معلوم ہوجاتی ہے۔ یہ گھڑی ڈیوٹی کی جانچ کے لئے بہترین چیز ہے۔

ہیڈ جمعداروں کے ساتھ کارخانہ میں جمعدار بھی لگائے جاتے ہیں۔ ہر بارک پر ایک وارڈر مقرر کیا جاتا ہے۔ جو قیدیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اور خلاف ضابطہ حرکت کرنے والے قیدی کی چیف وارڈر کو رپورٹ کرتا ہے۔ جو اس کو جیلر کے سامنے پیش کر کے سپرنٹنڈنٹ کے سامنے سزا کے لئے پیشی کراتا ہے۔

وارڈر کی حیثیت

ہندوستان کی جیلوں میں وارڈر کی حیثیت انتہائی پست سمجھی جاتی ہے چنانچہ ہندوستان کی جیل کمیٹی ۱۹۱۹-۲۰ء کی رپورٹ کے مطابق وارڈر وہ پس ماندہ لوگ ہیں جن کو پولس اور فوج کے محکموں نے ٹھکرادیا ہو۔ اس کی بنا تنخواہ کی کمی اور معمولی ترقی ہے جب تک یہ کمیاں پوری نہیں کیجائینگی اس وقت تک وارڈروں کی یہی حالت وحیثیت قائم رہے گی۔

ان وارڈروں کی حالت بطور تنخواہ پولس کے سپاہیوں سے بھی بدتر ہے لیکن ڈیوٹی اور فرائض کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ ۱۹۲۱ء تک پولس کے ملازم سپاہی کو جب سترہ روپیے دیئے جاتے تھے اس وقت ان کو نو روپیے سے ملازمت

ملتی تھی چنانچہ جیل کمیٹی نے سفارش کی کہ "وارڈروں کی بھرتی کے معیار کو بلند کیا جائے اور تنخواہوں میں اضافہ ہو۔ تو اس وقت کانی جیل وجحت کے بعد تنخواہوں کا معیار اونچا کیا گیا تھا۔ اور وارڈروں کی تنخواہیں تدریجاً سترہ روپیہ تک کی گئی تھیں۔ جس سے ان کا گذارہ نہ ہو سکا چنانچہ ۱۹۲۵ء کی پنجاب جیل کمیٹی نے بتایا کہ وارڈروں کی تنخواہ بیس دن تک چلتی ہے اور بقایا دس دن وہ قیدیوں سے بٹور کر پورے کرتے ہیں اس لئے کمیٹی نے سفارش کی کہ ان کی تنخواہ ۲۱ روپیہ ماہوار کم از کم ہونی چاہیئے۔

نمبردار جیل کے نمبردار تین قسم کے ہوتے ہیں ایک سفید وردی والا، دوسرا کالی وردی والا، اور تیسرا پیلی وردی والا، یہ تینوں قسم کے نمبردار نیم سرکاری مانے جاتے ہیں۔ سفید وردی والا، ½ سزا بھگتنے کے بعد نمبردار بنایا جاتا ہے۔ اور کالی وردی والا ½ سزا کاٹنے پر کالی وردی لینے کا مستحق ہوتا ہے۔ اور پیلی وردی والا ⅔ قید کے دن گذارنے پر پیلی والا بن سکتا ہے۔ ہر قیدی کو سلسلہ وار سفید، کالی، اور پیلی وردی کا نمبردار بننا پڑتا ہے۔ کوئی شخص اک دم پیلی وردی کا نمبردار نہیں بن سکتا۔ اور کالی وردی کے نمبردار کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی سزا کم از کم دو سال سے کم نہ ہو۔ اگر کم ہوگی تو کالی وردی لینے کا وہ مستحق نہ ہوگا۔ اس طرح پیلی والے کے لئے بھی سزا زیادہ ہونے پر پیلی وردی ملتی ہے۔ سب سے آخری عزت جیل میں قیدی کو پیلی وردی ہوتی ہے۔ جو انتہائی وفادار اور جیل حکام کے فرمانبردار ہونے کی نشانی ہے۔

شری اور باغی قیدیوں کو نمبرداری نہیں دیجاتی۔ خواہ اس کی سزا

پانچ یا چھ سال ہی کیوں نہ ہو۔

قیدی کو سفید نمبرداری کے لئے دو ماہ امیدوار رہنا پڑتا ہے۔ جس میں رات کو اپنے دوسرے ساتھی نمبرداروں کے ساتھ تین گھنٹہ بارکوں میں ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔ اور سب اچھا کی آوازیں لگانی پڑتی ہیں۔ اس کے بعد باقاعدہ طور پر اس کو نمبردار بنایا جاتا ہے۔ اس کو ایک سیٹی ملتی ہے۔ اور ایک بازوبند یعنی بازو پر باندھنے کے لئے بلا دیا جاتا ہے۔ جس پر سی، این، ڈبلیو کھدا ہوا ہوتا ہے۔ اس نمبردار سے چھ گھنٹے دن میں پترہ چلائی کا کام لیا جاتا ہے۔ اور تین گھنٹے رات کو بارکوں میں سب اچھا کی آوازیں لگوائی جاتی ہیں۔ سفید وردی والے نمبردار کو مہینہ میں نمبرداری کے چار دن ملتے ہیں۔ اسی طرح کالی وردی والے کو چھ دن، اور پیلی وردی والے کو آٹھ دن مہینہ میں دیئے جاتے ہیں۔ کالی اور پیلی وردی والے کو بلا اور سیٹی کیساتھ ایک چمڑے کی پیٹی دی جاتی ہے۔

ان نمبرداروں میں ایک ایک نمبردار سپرنٹنڈنٹ جیل، جیلر اور اسسٹنٹ جیلروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ جو ان کو جیل کے تمام حالات سے واقف کراتے رہتے ہیں۔ اور تمام اطلاعات اپنے اپنے افسروں کو پہنچاتے ہیں جیلر ہمیشہ اپنا نمبردار جسیم اور مضبوط قیدی رکھتا ہے۔ جو محافظ کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ تاکہ کوئی قیدی حملہ آور نہ ہو جائے اور بے عزتی نہ کر سکے ایسے قیدی اپنا قید کا کافی حصہ جیلر کی دربارداری میں گنوا دیتے ہیں۔ اور تبدیل ہونے کا نام نہیں لیتے۔

ان نمبرداروں کو کھانے پینے اور بیڑی سگرٹ پینے میں کوئی دقت نہیں ہوتی عمدہ مال کھاتے ہیں جیلر کے منہ چڑھے ہوتے ہیں اس لئے زندگی لاابالی گذارتے ہیں۔ ان کو جیل، جیل معلوم نہیں دیتی۔

لیکن ان نمبرداروں کے مصیبت کے دن جب آتے ہیں۔ جب جیلر تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرے جیلر کا گذر ہو جاتا ہے۔ وہ ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت "کے مطابق وہ ان کو اپنا اعتمادی نہیں بناتا۔ دوسرے نمبرداروں کی قسمت کھلتی ہے۔ وہ جیل کے مالک بنتے ہیں اور کسی ظلم سے دریغ نہیں کرتے

نمبرداروں کی تنخواہ

۱۹۲۸ء سے قبل تک نمبردار قیدیوں کو جو سفید پوش، کالی، پیلی والے مشہور ہیں ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی جس کا معیار یہ ہوتا تھا کہ سفید پوش کو ۳، کالے والے نمبردار کو ۲ اور پیلی والے نمبردار کو ۱ ماہوار ملتا تھا۔ عام قیدیوں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا حتیٰ کہ قیدیوں کو گڑ، تیل، صابن سے بھی ترسنا پڑتا تھا۔ اور وہ جائز طریقے سے ان اشیاء کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ نہ اپنے پیسوں سے منگا سکتے تھے اور نہ جیل والوں سے مطالبہ کر سکتے تھے۔ ان چیزوں کی جیل میں آنے کی ممانعت تھی۔

۱۹۲۸ء کے بعد یہ طریقہ بدلا اور عام قیدیوں کو بھی سوا روپیہ ماہوار دیا جانے لگا۔ یہ تنخواہ روزانہ کے کام پر مقرر تھی۔ اتوار، تعطیل، بیمار، عدالت، یا چالان کے دنوں کو اجرت سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان دنوں میں قیدی کام

نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ہفتہ کی نصف اجرت ڈھائی آنہ میں گڑھ، صابن، تیل، کتابیں اور ٹکٹ خرید لیتا تھا۔ اور نصف اجرت ڈھائی آنہ اس کے حساب میں جمع کردی جاتی تھی۔ جو اس کو رہائی کے وقت ملتی تھی۔ وہ ایک ہفتہ میں ڈھائی آنہ سے زیادہ کی چیزیں خرید نہیں سکتا تھا۔ خواہ اس نے پچھلے دو ہفتوں میں ایک پیسہ کی بھی چیز نہ خریدی ہو۔ جس ہفتہ وہ کچھ بھی نہ خریدتا تو اس ہفتہ کے ڈھائی آنہ اس کے حساب میں جمع کرا دیئے جاتے تھے۔ اگر وہ کسی ہفتہ شرارت کرتا تو سپرنٹنڈنٹ کو اختیار ہوتا کہ وہ اس کو اس ہفتہ کی کوئی چیز نہ خریدنے دے۔ لیکن ہفتہ کے ڈھائی آنے اس کے حساب میں ضرور جمع ہو جاتے تھے۔

لیکن ۱۹۳۲ء میں سوا روپیہ ماہوار دینا اور نمبرداروں کو تنخواہ دینا بند کردیا گیا جو قیدیوں کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوا۔

لیکن ایک چھٹانک گڑھ روزانہ اور سکھوں کے لئے ہفتہ میں ایک مرتبہ تیل اور ریٹھے دیئے جانے لگے۔

جیل کی رقم پر نہیں بلکہ قیدی اپنی رقم پر صابن، گڑھ، تیل، جوتی۔ کتابیں منگانے کی اجازت دیدی گئی۔ جو اب تک قائم و برقرار ہے۔

یہ ماہوار تنخواہ کبھی کبھی جمع ہوتے ہوتے بعض بڑی سزا کے قیدیوں کو رہائی کے وقت پچاس پچاس روپیے تک ملتے تھے۔ ایک سال اور چھ مہینے کے قیدی بھی سات آٹھ اور چار پانچ روپیے لیکر رہا ہوتے تھے۔ اس کو خرچ کرتے، برسوں میں خواہشات کو دبا دبا کے رکھا تھا۔ ان کو پورا کرتے

گھر پہنچتے اور انہی روپیوں سے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر دیتے، چائے، پان، بیڑی اور چھوہرے کے خونچے لگاتے، موزے۔ بنیان، رومال کی پھیری پھرتے، اور پھل، ترکاریاں فروخت کرکے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے۔

جب سے یہ طریقہ بند ہوا اس وقت سے بہت سے قیدی رہا ہونے کے بعد اپنے گھروں پر بھی نہیں پہنچتے بلکہ گاڑی میں ہی روپیہ پیسہ نہ ہونے اور بھوک کی وجہ سے چوری کرکے گرفتار ہو جاتے ہیں اور گھر پہنچنے کے بجائے جیل خانہ میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اس ماہوار تنخواہ کے طریقے کے بند ہونے سے قیدیوں کے لئے مصیبتوں کا ایک مستقل باب کھل گیا ہے۔

غیر سرکاری وزیٹر

مسٹر پاول فرماتے ہیں:۔ کہ غیر سرکاری وزیٹروں کی جیل کے معائنہ کے طریقہ کو بہت کم ممالک نے اختیار کیا ہے۔ یورپ اور دیگر براعظموں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جیل سرکاری ہیں۔ سرکاری کاموں پر پبلک کی نکتہ چینی کو کیسے "خوش آمدید" کہا جا سکتا ہے۔

انگلستان میں ہر غیر سرکاری وزیٹر کے سپرد قیدیوں کا کچھ حصّہ یا کچھ تعداد کر دی جاتی ہے۔ وہ ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ ان سے ہر ہفتہ ملنے آتے ہیں ان کی مشکلات و مصائب کو ختم کرنے کے لئے ان سے مشورہ کرتے ہیں اور عام طور پر ایک ناصح کا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ ابتدائی اور عام تعلیم کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ وہ جیل کے انتظام پر نکتہ چینی نہیں کر سکتے۔ البتہ ان کو جو تکلیف آمدورفت میں ہو۔ اس کی شکایت کر سکتے ہیں۔

بقول پاول ہندوستان میں بھی جیل کے انتظامات میں پبلک دخل دے سکتی ہے۔ اور غیر سرکاری وزیٹروں کی حیثیت کافی اہمیت رکھتی ہے۔ سرکاری وزیٹروں کے ساتھ وہ بھی بورڈ میں لئے جاتے ہیں۔ اور باری باری جیل کا معائنہ کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف قیدیوں کے معاملات میں دلچسپی لے سکتے ہیں بلکہ جیل کے انتظامات میں بھی مداخلت کر سکتے ہیں۔ اور ان کی رائے معاملات کی تفصیل پر اکثر لیجاتی ہے۔ پبلک اور سرکاری جماعتوں کے درمیان مفید درجہ رکھتے ہیں۔"

غیر سرکاری وزیٹر کے ساتھ غیر کا لفظ برائے نام لگایا گیا ہے۔ جہاں تک ان کی تقرری کا تعلق ہے وہ گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے مقامی حکومت کرتی ہے جس سے ان کی پوزیشن بالکل سرکاری بنجاتی ہے۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو سرکاری سمجھنے لگتے ہیں اور آئندہ کے انتخاب میں آنے کے لئے کوئی ایسا فعل نہیں کرتے جس میں سرکار یا مقامی افسران ناراض ہوں۔ وہ جیل کا معائنہ کرنے آتے ہیں اور کبھی کبھی جیل کے اندر گشت بھی لگا لیتے ہیں۔ ورنہ ہمیشہ جیل کے دفتر میں ملازمان جیل سے ملکر رجسٹر پر صرف دستخط کر کے تشریف لیجاتے ہیں۔ ان کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ جیل میں قیدیوں کی کیا حالت ہے۔ وہ کسی قیدی سے بات تک نہیں کرتے اور اگر کوئی ہوشیار قیدی اپنی تکالیف کو ان کے سامنے رکھتا ہے تو وہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور افسران بالا کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کراتے۔ ان سے قیدیوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ غیر سرکاری وزیٹر اور جیل کے سرکاری ملازمان میں کسی حیثیت سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ملازم بھی سرکار کو خوش کرنا چاہتا ہے اور اس کے حکم و نظام کے ساتھ

سر جھکانا فرض سمجھتا ہے اور غیر سرکاری وزیٹر بھی حکام کی خوشنودی کا متلاشی رہتا ہے جیل کی بدعنوانیوں کے ذکر ، کو اپنے لئے خطرناک سمجھتا ہے - اور وفاداری کیساتھ مت وزیٹری ختم کر دیتا ہے -

ان غیر سرکاری وزیٹروں میں بعض مذہبی واعظ بھی ہوتے ہیں - جو عام طور پر قیدیوں کے عام عقیدے کے مطابق لیکچر دیتے ہیں - مسلمان واعظ نماز، روزہ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے - ہندو پنڈت پوجا، اور پراتھنا پر زور دیتا ہے - عیسائی اپنے اصولوں کا پرچار کرتا ہے -

بعض جیلوں میں یہ مذہبی واعظ اعزازی نہیں بلکہ ملازمانہ حیثیت سے تمام دن کے لئے وعظ و پند و نصائح کرتے ہیں ان میں بعض اعزازی طور پر بھی یہ خدمت انجام دیتے ہیں اور ان کو صرف معمولی سفر کے اخراجات دیئے جاتے ہیں - ہر ایک کے مذہب کے مطابق اس کے مقدس دن یہ لیکچر دیا جاتا ہے، مولوی جمعہ کے روز، پادری اتوار کے دن اور پنڈت منگل کے روز آکر اپنے اپنے مذہب کے پیغام سناتا ہے -

پہلے شاہ پور کی تپدق جیل میں روزانہ کتھائیں اور وعظ ہوا کرتے تھے لیکن جب سے شاہ پور جیل سے تپدق قیدیوں کو ہٹا یا گیا ہے اس وقت سے وہاں یہ سلسلہ بند کر دیا گیا - البتہ بہت سی بوسٹل جیلوں میں روزانہ وعظ کہنے، اور ویاکھیان دینے کا اب بھی طریقہ رائج ہے -

نابالغ قیدی

نابالغ قیدی قدرتی طور پر جیل حکام اور عام پبلک اس بات کی خواہاں ہے کہ سوسائٹی کو زیادہ ایماندار اور قوانین شہری کا محافظ ہونا چاہیئے۔ اور مجرموں کی تعداد کم کیجائے۔ اس نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ احتیاط برتی جائے جو دوا سے بہتر ہے۔ تمام مصنفین تعزیرات کا یہ خیال ہے کہ مجرموں کو کم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نابالغ قیدیوں کا خیال رکھا جائے اس سے بیشتر کہ معمولی جرم اس کو عادی مجرم بنا دیں۔

کوئینٹن صاحب لکھتے ہیں :-

تجربہ نے سکھایا ہے کہ اصلاحی طریقوں کی کامیابی مجرموں کے عمر کے لحاظ سے ہوئی ہے۔ جوان مجرم عمدہ اور معقول سلوک سے سدھرے ہیں لیکن بڑی عمر والے مجرم جو اپنی عادات میں پختہ ہو چکے ہیں اُن پر اصلاحوں کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے[1]

اگر مجرم بچوں کو گناہ کے راستہ سے بچایا جائے اور اُن کو اس طریقے سے تربیت دیجائے کہ وہ ایماندار اور قانون شہری کے قدردان ہو سکیں تو اس کی

---

[1] دی موڈرن پریزنس

زندگی شروع سے ہی اچھے اثرات کے ماتحت گذرنی چاہئیے۔

جرم کے اسباب

اچھی صحت بھی کسی حد تک گناہ کو روکتی ہے کیونکہ زندگی کی کشمکش میں صحت یافتہ جسم ایک ضروری چیز ہے۔ اگر بچہ پیدائش سے کمزور ہو تو اس کو شروع ہی سے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑیگا کئی بچے اس وجہ سے مجرم بنے کہ ان کی آنکھوں اور کانوں میں خرابیاں تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے نقائص بچے کی تعلیم وفلاح وبہبودگی میں نقائص پیدا کرنے والے ثابت ہوں۔ اور ان کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں روزی کمانے کے قابل نہ ہو سکیں یا ان عیبوں کی وجہ سے سوسائٹی ان سے نفرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ والدین اور سکول ماسٹر کی ناراضگی وخفگی کی وجہ سے وانصاف حاصل نہ کر سکیں[1]

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بچے پر نسلی اثر ہوتا ہے۔ لیکن صحبت وماحول کا اثر اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے اچھی صحبت کافی حد تک نابالغوں کو گناہ سے روکتی ہے۔

مرشیر صاحب فرماتے ہیں :-

> جرم کو روکنا بھی کئی اور چیزوں کی روکنے کی طرح ہے۔ اور وہ صرف اس حالت میں رک سکتا ہے اگر اس کے اسباب کو ختم کیا جائے۔ اگر مجرم پیدائشی مجرم نہ ہوں اور وہ ماحول کی وجہ سے

---

(1) Impaisonment by Banke p. 82

بنا ہو۔ تب ہم جرم کو اس طرح روک سکتے ہیں کہ اس کی گندگی
کو دور کیا جائے۔ اور اس گندگی کو بہانے کے لئے نالیوں کا اچھا
طریقہ ہے۔ اگر جرم کی بنا تعلیم کا نقص ہے۔ تو ہمیں اپنے سکول
کو درست کرنا چاہئے۔ جرم جب ہی دور ہو سکتے ہیں جبکہ ان کی
وجوہات پر پوری طرح قابو پا لیا جائے ؎۱

چھوٹے بچوں کے لئے اچھا گھر اور اچھے والدین کا ہونا لازمی ہے۔ اگر والدین قابل و لائق اور معقول ہوں تو گھر رہنے کی اچھی جگہ ہوگا۔ خواہ وہ غربت ہی سے بھرا کیوں نہ ہو۔ اگر والدین غیر شریفانہ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یا مر چکے ہوں تو بچے کو ایسے گھر سے گلیوں میں اینڈنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ بد سیرت ساتھیوں اور آوارہ گرد لوگوں میں پھنس جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ اس کو پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہندوستان کی گلیوں سے مل سکتا ہے۔ بہت سے جرم وہ نابالغ بچے کرتے ہیں جن کے والدین مر چکے ہوں۔ یا جن کی گھریلو زندگی ختم ہو چکی ہو۔ اور ان کو پرورش و تربیت دینے والا ان کا کوئی رشتہ دار نہ رہا ہو۔

ایسے بچوں کو حکومت تربیت دے اور تربیت دینے والے سکول کھولے تو اس کو پتہ چلے گا کہ کتنی تعداد میں بچے سڑکوں پر بیٹھ کر عادی مجرم بنتے ہیں۔ اور اپنی زندگی معمولی چوری کرنے میں گزارتے ہیں۔

مجرم والدین کی اولاد

ہندوستان میں وہ بدقسمت بچے بھی ہیں جو

؎۱ کرائم اینڈ کرمنلز صفحہ ۲۸۵

مجرم والدین کی اولاد ہیں۔ اور پیدائش کے بعد ہی سے انھوں نے جرموں
پانا شروع کر دیا۔ ان کے لئے صرف یہی علاج ہے کہ پیدائش کے بعد ہی سے
والدین کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اور یہ صورت بلا قانو
ظہور میں نہیں آسکتی۔ اور اس قسم کا قانون رائے عامہ ہی سے پاس ہو سکتا
ہندوستان کے بہت سے شہروں میں پولس آوارہ گرد اور چور بچوں کو پکڑتی
چوری اور معمولی جرموں سے اپنا گذارہ کر رہے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو

بچوں کو قید کرنا جرم ہے

ان کو جیل میں بھیجنا بھی ایک جرم ہے
بھی عام طور پر ان کو جیل میں بھیجا جاتا
کھیل کود کی وجہ سے بچہ سے راستہ رکتا ہو اور وہ زخمی گدھے کو ہنکار رہا
کو عام طور پر سات دن کی قید محض کی سزا دی جاتی ہے۔ یا اگر آٹھ سال
ایک دکان سے خوراک چرا لیتا ہے اور ضمانت نہیں دے سکتا تو اس کو د
ضابطہ فوجداری کے ماتحت ایک سال محض قید کی سزا کا مستحق سمجھا جاتا
تفتیش کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا صرف ایک رشتہ دار
جس نے اس کو گلیوں میں مارے مارے پھرنے کا عادی بنایا تھا۔ اور ا
تربیت حاصل نہ ہو سکی تھی۔

بچوں کو موجودہ قانون جیل میں بھیج کر جہاں سب بے انصافی کرتا ہے و
بچوں کو محض قید کی سزا دے کر ان کو اور بدمعاشی و غنڈہ گردی کی طرف
سے ہے۔ محض قید ہی کوئی کام نہیں کرتے ان کا دماغ جرائم کی طرف رجوع
اور وہ ان کا اثر قبول کر کے دھاڑی قسم کے مجرم بن جاتے ہیں۔

جب تک ان آوارہ گرد بچوں کے لئے کوئی قانون پاس نہ کیا جائیگا اس وقت تک پولس اور مجسٹریٹ اپنے فرائض پورے کرتے رہیں گے ۔ اور ان کو سزاؤں پہ سزائیں ملتی رہیں گی۔

انگلینڈ میں بچوں کے سدھار کا قانون ۱۹۰۸ء سے کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جن کے لئے صرف ہندوستان میں اتنا ہی کافی نہیں کہ صرف وہ اسمبلی میں پاس ہو جائے۔ بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسی مشینری مہیا کی جائے جو اس قانون کے ضابطہ پر بہ آسانی عمل کرا سکے۔ جس طرح انگلینڈ میں ریمانڈ ہوم، آزمائشی رہائی کرانیوالے آئین، بچوں کی عدالتیں ، اور مصدقہ سکول بنے ہوئے ہیں۔

مدراس میں بچوں کا ایکٹ سنہ ۱۹۲۰ء میں منظور ہوا۔ اور ہندوستان میں مدراس ہی ایک ایسا علاقہ ہے جس میں کامیابی کے ساتھ نابالغ مجرموں کا سدھار ہو رہا ہے ۔ پہلے اس قانون کو مدراس کے شہر پر ہی صرف نافذ کیا گیا تھا۔ لیکن پھر تمام صوبہ مدراس پر نافذ کر دیا گیا ۔ یو پی' اور سی پی کے صوبوں میں بھی ایسے قانون پاس کئے گئے ہیں ۔

مجرم بچوں کی عادات و اطوار درست کرنے کے لئے جس مذکورہ مشینری کی ضرورت ہے ۔ اس کی حقیقت اور نوعیت یہ ہے۔

ریمانڈ ہومز

ریمانڈ ہومز (Remand Homes) وہ مقامات ہیں جہاں بچوں کا چالان کر کے ان کو مقدمہ کے فیصلہ تک رکھا جاتا ہے ۔

انگلینڈ کی کئی جیلوں میں نابالغوں کے لئے علیحدہ احاطے ہوتے ہیں لیکن

ہندوستان میں ایسی کوئی جیل نہیں ہے جہاں حوالاتی بچوں کے لئے کوئی علیحدہ احاطہ ہو۔ البتہ بچوں کو عام طور پر علیحدہ کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے۔ جو مناسب و موزوں طریقہ نہیں ہے۔ اور بچے ایسے طریقوں کی وجہ سے جیل کے بُرے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لیکن ریمانڈ ہومز اس سے بالکل مختلف ہیں۔ وہاں قیدیوں کو بھاگنے سے روکنے کو اہمیت نہیں دیجاتی۔ اس کی دیواریں جیل نما بڑی بڑی نہیں ہیں۔ بچے اس افسر کی نگرانی میں ہوتے ہیں جو بچوں کو تربیت دینے میں ماہر ہو۔ اور بچوں کو اپنے اعتماد میں لے سکتا ہو۔ اور ان کو صفائی، ایمانداری، صداقت اور دستکاری کے اصولوں کو منوا سکتا ہو۔ اس کو ان کے بری ہونے اور سزا پانے سے کوئی تعلق نہ ہوتا بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی ریمانڈ ہومز میں داخلہ کے وقت اس بچہ میں جو بُری عادات تھیں اس میں جاتے وقت تک کمی ہو جائے۔ اور کچھ نہ کچھ یہاں سے سدھر کر نکلے۔

بچوں کی عدالتیں

کم عمر قیدی کو عدالت میں پیشی کے وقت حسب معمول مجسٹریٹ کے سامنے پولس کے دبدبہ اور رعب کے ساتھ پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ جس سے قیدی خوفزدہ ہو بلکہ اس کو بچوں کی عدالت میں لے جانا چاہئیے۔ جو بالکل مجسٹریٹ کے ذاتی کمرے کے مشابہ ہو۔ مجسٹریٹ مرد نہو بلکہ عورت ہو تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ عورت بچہ کو زیادہ کھینچ سکے گی۔ اور زیادہ امکان ہو سکتا ہے کہ عورت اصلیت جرم کا پتہ جلد لگالے۔

کم عمر قیدی کو بجائے باوردی پولس کے سپرد کرنے یہ بہتر ہے کہ اس کو " نیک چلنی پر رہا ہونیوالے قیدی کے افسر " کی نگرانی میں رکھا جائے۔ جس کا تعلق عدالت سے ہو۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے بچہ کی عادات اور گھریلو حالات کا پتہ لگائے۔ اگر مناسب ومعقول مقام مل سکے تو اس کے والدین یا کسی اور ذمہ دار شخص کی معیت میں اس کو دیدیا جائے۔ اور اس وقت مجسٹریٹ مجرم کو محض آزمائشی رہائی پر چھوڑ دے اور آئندہ کی زندگی کی دیکھ بھال کرے۔

اگر جرم کی نوعیت سخت ہو۔ اور مجرم کا چال چلن اور طرز زندگی حد سے زیادہ خراب رہی ہو۔ تو اس کو بجائے جیل کے کسی مصدقہ سکول میں بھیجدیا جائے

مصدقہ سکول یہ مصدقہ درسگاہیں دو قسم کی ایک بڑے لڑکوں اور دوسرے چھوٹے لڑکوں کے لئے ہونی چاہئیں۔ یہاں ان کو کئی سال رکھا جائے۔ اور ان کو تعلیم و دستکاری سختی کے ساتھ سکھائی جائے اور ان کی سیرت وصحت کی حفاظت کی جائے۔

مدراس پریذیڈنسی کے اندر انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کی رہنمائی میں چھوٹے اور بڑے مصدقہ سکول عمدہ کام کر رہے ہیں۔ جن کے نتائج بڑی تعداد میں کامیاب ثابت ہو رہے ہیں۔ سیرت کی اصلاح کے دوسرے طریقوں میں فن سکاؤٹ اعلیٰ درجہ کا مالک ہے۔ جو ان سکولوں میں سکھایا جاتا ہے۔

پہلے ہی روز سے ان لڑکوں میں " اجتماعی زندگی " کی ذہنیت پیدا کرنیکی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ یہ چیز عام طور پر ان میں بالکل نہیں ہوتی۔ وہ

خودغرضی اور خود پرستی کے بندے ہوتے ہیں اور یہی ان کے اعمال کی کسوٹی ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں اخلاق کا پہلا اور ضروری سبق اجتماعی زندگی کی ذہنیت پیدا کرنا ہی ہے۔ چاہے دماغی نکتہ نگاہ سے ہمیں یہ پسند نہ آئے لیکن اصلاح اخلاقیات میں یہ بے بہا قیمت کی مالک ہے۔

ساری سوسائٹی کی بہبودگی کے لئے کام کرنے کے فرض کی یہ مضبوط ذہنیت ہے جس میں اپنے اغراض یا چند مخصوص اغراض کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ یہی اخلاق کی بنیاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کو مناسب طریقہ پر پھیلایا جائے تو کم عمر قیدیوں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔

ان کم عمر قیدیوں کے لئے اور بھی کئی مقید رکھنے کے مقامات ہیں جن کا مقصد بھی اصلاح ہے۔ انھیں دستکاری سکول، اور ریفر میٹری سکول کہا جاتا ہے۔

ریفارمیٹری سکول

ریفرمیٹری سکول دہلی اور جبل پور میں ہے۔ جو خاص قانون ریفرمیٹری کے ماتحت چلایا جاتا ہے۔

اور ان کا استعمال مخصوص قسم کے مجرموں پر ہوتا ہے چنانچہ جس آٹھ سال کے عمر کے لڑکے کو ایک سال کی سزا ہوئی تھی۔ اس کو ریفارمیٹری سکول میں نہیں بھیجا گیا۔ اسی صوبہ میں دو لڑکے دس اور بارہ سال کی عمر کے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا پاکر آئے۔ وہ بھی ریفارمیٹری سکول میں داخل نہیں کئے گئے۔ کیونکہ زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند سزا دی گئی تھی۔

اگر یہ سکول مصدقہ سکولوں کے اصولوں پر چلائے جاتے تو پھر بھی سارے

ہندوستان کے لئے ایک بچوں کے قانون کی ضرورت پڑیگی۔ جس میں تمام کم عمر قیدی شامل کئے جائیں ریفارمیٹری سکول میں داخل ہونے کے لئے آئینی طور پر پندرہ سال کی عمر کی قید ہے اور بوسٹل میں داخل ہونے کے لئے ۱۶ سے ۲۱ سال تک کی عمر پابندی ہے۔ بچوں کے قانون کی عدم موجودی میں ایک سال کی گڑبڑ سے بچہ نہ ریفارمیٹری سکول کا رہتا ہے اور نہ بوسٹل کا۔ اس سے کئی مرتبہ مشکلات پیش آچکی ہیں۔ مجلس قانون ساز اگر کم عمر بچوں کی عمر ۱۵ سال کے بجائے ۱۶ تک قرار دیدے تو ریفارمیٹری اپنے کم عمر بچوں کو براہِ راست بالغوں کی مخصوص درسگاہوں میں بھیج سکتی ہے۔ بچوں کا قانون اس مشکل کو حل کرتا ہے ایسے قانون میں ۱۴ سال سے کم عمر والے کو بچہ سمجھا جائے گا۔ اور ۱۴ سے ۱۶ سال تک کی عمر والے کو نوجوان خیال کیا جائے گا۔

مصدقہ سکول اس قانون کے ماتحت نوجوان اور بچوں دونوں کو ہی لینے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ بارہ سال سے کم عمر کے بچے چھوٹے مصدقہ سکول میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور بارہ سال سے زیادہ لیکن سولہ سال سے کم عمر والوں کو بڑے مصدقہ سکول میں داخل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جن دو بچوں کو عمر قید کی سزا ہوئی تھی ان میں سے ایک کو چھوٹے سکول میں اور دوسرے کو بڑے مصدقہ سکول میں شامل کیا گیا۔ چھوٹے مصدقہ سکول میں سولہ سال سے زیادہ عمر کا بچہ مقید رکھا نہیں جاتا۔ اور نہ بڑے سکول میں اٹھارہ سال کا نوجوان رکھا جا سکتا ہے۔

قانون عدالت کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر کم عمر مجرم یا نوجوان مجرم بے یار و مددگار اور آوارہ گردی کرتا ہوا ملے یا جس کے سرپرست درست نہوں یا کسی نامی چور کی

صحبت میں وہ رہتا ہو اور اس کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ نہ ہو۔ تو اس کو کسی مناسب حوالات میں رکھا جا سکتا ہے اگر وہ بچہ ہو تو اس کو مصدقہ سکول میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔

ماہران تعزیرات نے نہ صرف قوی و توانا مجرموں کو چھوٹی ہی عمر میں پکڑنے کی اہمیت کو پہچانا بلکہ انھوں نے کم سن مجرموں کے ساتھ بالغ مجرموں سے مختلف سلوک کی ضرورت سمجھی۔

۱۹۰۲ء میں سر ایویلین رگلز برائز کی رہنمائی میں امریکہ کے تجربہ شدہ نظریہ کو مد نظر رکھ کر انگلستان نے کینٹ کے اندر بوسٹل جیل میں ریفارمیٹری طریقے سے اصلاح کی۔ جس کے نتائج اس قدر تسلی بخش ثابت ہوئے کہ ۱۹۰۸ء میں پارلیمنٹ نے ایک بہت ضروری قانون پاس کیا۔ جسے جرائم کے انسداد کا قانون کہتے ہیں۔ جس کی بناء پر کم سن مجرموں کے ساتھ خاص سلوک کیا جاتا ہے۔ اور بوسٹل درسگاہوں کا قیام قبول ہوا۔

ان درسگاہوں میں تمام کم سن مجرموں کو تعلیم دینے کا رواج مخصوص نہ تھا۔ بوسٹل میں قید رکھنے کے لئے مجرم پر یہ شرائط عاید کی جاتی تھیں کہ وہ سولہ سال سے کم نہ ہو۔ اور ۲۱ سال سے زیادہ نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ عادات مجرمانہ ہوں۔ یا بدچلن اشخاص کی صحبت میں رہا ہو۔

۱۹۰۸ء کے قانون کے رو سے بوسٹل درسگاہیں وہ مقامات سمجھے جاتے تھے جس میں کہ کم سن مجرموں کو ایسی صنعتی اور دیگر قسم کی تعلیم دی جائے۔ اور ان کو ایسے ڈسپلن اور اخلاقی اثرات کے ماتحت رکھا جائے۔ کہ جن سے ان کی اصلاح ہو جائے۔

اور جرم کرنا بند کردیں۔

اس طریقے کے ایسے اچھے نتائج نکلے کہ بسلسلہ ۱۹۱۰ء کی بین الاقوامی کانگرس نے ایک سلسلہ قرارداد پاس کیا۔ جس میں ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ کوئی بھی قیدی ناقابلِ اصلاح تصور نہ کیا جائے۔ اور سزائیں نہ صرف انتقامی غرض سے دی جائیں بلکہ اخلاقی بھی ہوں۔ اور ایسی اصلاح کا زیادہ امکان مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے ذریعہ ہو سکتا ہے جس سے دماغی قوت بڑھائی جاسکے۔ اور جسمانی صحت میں ترقی ہو۔ اور قیدی اچھی صنعتی تعلیم بھی حاصل کر سکے یہ اصلاحی دستور معمولی سزاؤں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی موزوں بورڈ کے مشورہ پر کچھ عرصہ کے لئے چھوڑنے کا (پیرول پر) قاعدہ بھی بنالیا جائے۔ ایسے مخصوص سلوک کا رواج بالغ مجرموں کے لئے ہونا چاہیئے۔ چاہے وہ عادی مجرم ہو یا نہیں۔

اس تجویز پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت پنجاب نے سب بالغ قیدیوں کو فوراً ایک جیل میں جمع کرنا شروع کردیا۔ اور ہزار کوٹھریوں کی ایک جیل بنانا منظور کرلیا جس میں عادی اور اتفاقی دونوں قسم کے قیدی رکھے گئے۔ اس کے اندر بڑے بڑے کارخانے اور سکول بنائے گئے۔ پریڈ کے گراؤنڈ، کھیلنے کے میدان، اور جمناسٹک کے سامان مہیا کئے گئے۔ اور مذہبی و اخلاقی مضامین کے تعلیم دینے والے سند یافتہ معلم مقرر کئے گئے۔ تاکہ جسمانی، دماغی، اخلاقی اور اصلاحی اثرات قیدیوں پر ڈالی جاسکیں۔

بدقسمتی سے یہ سرحد اور پنجاب کے کم سن مجرموں کے خاص رہائش کا آرام وہ انتظام ناکافی ثابت ہوا۔ اور ۱۹۲۳ء میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ عادی مجرموں کو

اور جیل میں بھیجدیا جائے۔ اور لاہور کی بوسٹل درسگاہ پہلی بار کے مجرموں کیلئے مخصوص کردیجائے۔ اس لئے فی الحال یہ درسگاہ بوسٹل اصولوں پر چلتی ہے۔ لیکن یہ ان بالغ مجرموں کے لئے جن کے واسطے بوسٹل کا رواج چلایا گیا تھا مددگار ثابت نہیں ہوئی۔ یہ انگلستان کی اشار جیلوں سے ملتی جلتی ہیں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں ہی بنائی گئی ہیں۔

بورسٹل مدراس کی مقامی حکومت ہی ایک ایسی حکومت ہے جس نے ابتک ایک انگریزی نمونہ پر بوسٹل درسگاہ قائم کی ہے۔ تنجور کی درسگاہ لاہور سے قریب قریب نصف ہے۔ لیکن اس میں بھی فائدہ ہے کیونکہ اس میں انفرادی طور پر زیادہ توجہ دی جاسکتی ہے۔ اس کی اصلاحی اور صنعتی تعلیم کمل و معقول ہے۔ اور قیدیوں کی جسمانی صحت بڑھانے میں بہت قابل تعریف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ لڑکوں کی جسمانی تعلیم جمناسٹک، ڈرل، کھیلوں اور قواعد سے دیجاتی ہے۔ اور فن سکاؤٹ کی شروع کی تعلیم طبی امداد (فسٹ ایڈ) اور باہر کی ٹیموں سے میچ کا کھیلا جانا ان کے چال چلن کی تعمیر میں مدد کرتا ہے۔

یہ تمام خوبیاں لاہور کی قسم کی دوسری درسگاہوں میں چاہئے کیوں نہوں لیکن ایک خوبی میں تنجور کی درسگاہ ہندوستان کی باقی تمام درسگاہوں سے آگے ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں ایک قابل بوسٹل سوسائٹی کا وجود ہے جو کہ ان نوجوان کی رہائی کے بعد ان کی دیکھ بھال رکھتی۔ اس کی اہمیت ناقابل اندازہ ہے۔

بوسٹل تعلیم کی چار ضروری باتیں بوسٹل کے تعلیمی کورس کے چار بڑے بڑے اصول ہیں۔

(۱) جسمانی (۲) دماغی (۳) اخلاقی (۴) صنعتی۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر نظر ڈالی جائے۔

جسمانی گوڈرڈ ( ) نے واضح کیا ہے[1] کہ ذہنی اور جسمانی مریض جرائم کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور اصلاح متحدہ امریکہ میں بیس لاکھ اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے اس ملک کو ایک خطرناک قیام گاہ بنا دیا۔ کیونکہ ان کے ذہن کمزور ہوتے ہیں یا اُن کو ذہنی بیماری ہوتی ہے۔ مسٹر گوڈرڈ مزید فرماتے ہیں:۔

مجرم بچوں کی دیکھ بھال درسگاہ کے سپرد ہونی چاہیئے نہ کہ جیل میں۔ ان درسگاہوں کی تعمیرات پر ممکن ہے کہ خرچ زیادہ ہو۔ لیکن اتنا خرچ کسی صورت میں نہیں ہوگا جتنا خرچ کہ موجودہ حالت میں ہوتا ہے۔ جب نیویارک شہر کو صرف چالیس ہزار کمزور ذہن والے مجرموں کے لئے درسگاہ کی ضرورت پڑی تو اس وقت سنستائی ( ) شہر کے کمزور دل والے مجرموں کے مقدمات اور ان کی سزاؤں پر ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کرنا پڑا۔

ہندوستان کے اندر بھی یہی حالت ہے۔ یہاں ذہنی و جسمانی بیمار

---

[1] ایچ ایچ، گوڈرڈ

تندرست انسانوں کے مقابلے میں جرم وگناہ زیادہ کرتے ہیں۔ ایک انگریزی مثل ہے بیماری میں ہر آدمی "بدذات" ہوتا ہے۔ جبکہ بالغ پر بیماری کا اتنا اثر ہو سکتا ہے تو بچے سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی جسمانی نقص بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی فرد سے جرم کرا سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے نقص کو جیل کی سزا دینے سے پیشتر دور کیا جائے۔

مسٹر گوڈرڈ نے اس پالیسی پر لگاتار عمل کیا ہے۔ اور بہت سی قیدیوں کو جن میں نقائص پائے جاتے تھے۔ علاج کر کے تندرستی کے مدارج پر پہنچایا ہے مصلحین نے مجرموں کو سدھارنے کے لئے جسمانی تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ڈرل یعنی فوجی تربیت اور ڈسپلن کا بوسٹل کے مجرموں پر بہت عجیب وغریب اثر پڑا ہے اور عامیانہ و متبذل چال والے اور شکل وضع کے نوجوان بڑی تیزی سے شاندار شکل والے اور درست زاویہ نگاہ والے بن گئے۔ اور یہ دونوں ہی ذاتی خوبیاں بڑی قیمتی خوبیاں ہیں۔ اور انہیں ان کے معلموں نے مجرموں کے اخلاق سدھارنے کے لئے بہترین خوبیاں تصور کیا ہے۔ گھر ہو یا سکول یا معمولی زندگی ڈسپلن کے لئے اخلاقی طریقے ایسا تعلیمی اثر کرتے ہیں جس سے قوم فیضیاب ہوتی ہے۔ لیکن جیل میں تو وہ مجرم کو سدھارنے، اس کو سزا دینے یا اس کے روکنے وغیرہ کے لئے کامیاب علاج کی بنیاد ہیں۔ لہٰذا جسمانی تعلیم خواہ وہ سوئیڈان قسم کی اعلیٰ ڈرل ہو یا کمپنی کی ڈرل ہو جمناسٹک ہو یا کوئی اور مردانہ ہاکی فٹ بال قسم کا کھیل ہو وہ مجرموں

کے لئے درسگاہوں میں تعلیم کا ایک ضروری جزو ہے۔

دماغی تعلیم

دماغی تعلیم سے مراد پہلی بنیادی تعلیم کی تربیت دینا ہے۔ ہندوستان میں اَن پڑھوں کی اب بھی تعداد زیادہ ہے اور ہر جگہ سکولوں کی ضرورت ہے۔ پرائمری تعلیم جہاں عام طور پر لوگوں کے لئے اچھی چیز ہے وہاں مقید مجرموں کے لئے یہی انتہائی کارآمد و مفید ہے ۱۸۳۶ء کے کمیٹی کے خیالات ختم ہو چکے ہیں۔ اور اب تمام جیلوں میں بنیادی تعلیمی سکول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ تاکہ کم عمر اور لمبی سزا والے قیدی اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور اخبار پڑھ سکیں یا اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب سے بہ آسانی خط و کتابت کر سکیں۔ اور ساہوکار کی زد سے محفوظ رہنے کیلئے حساب و کتاب سے بھی واقف ہو جائیں۔

تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کتب خانوں کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں۔ تعلیمی مضامین اور علم صحت اور دیہات سدھار کے لئے میجک لالٹینوں کے ذریعہ گاہے بگاہے لیکچر ہونے چاہئیں۔ تاکہ ان کے ذہن اس کو جلد قبول کریں۔

اخلاقی تعلیم

مجرم کی اصلاح کے لئے سب سے اچھا طریقہ روحانی اور اخلاقی اثرات کا ہے ان ہی دو چیزوں کے ذریعہ مجرمانہ عادات والے اشخاص میں وہ اخلاقی ذہنیت پیدا کی جا سکتی ہے جس کی ان میں کمی ہے۔ ان کی ضمیر جب تک بیدار نہیں کی جائے گی اس وقت تک ان کی اصلاح ہونا ناممکن ہے۔ یا کسی حد تک اخلاقی ذہنیت پیدا ہونا ضروری ہے۔ جو سب

اعلیٰ اور عمدہ علاج ہے جس کا آخر پختہ اور بنیادی طور پر پڑتا ہے۔ اور یہی مجرموں کی اصلاح کرنے والی تعلیم کا نصب العین ہے۔

صنعتی تعلیم صنعتی تعلیم کا مقصد قیدیوں کو رہائی کے بعد ذریعہ معاش مہیا کرنا ہے جیل میں جب قیدی داخل ہوتا ہے تو اس کو وہی کام مشقت میں دیا جاتا ہے جس کو وہ جانتا ہے چونکہ عام طور پر ہندوستانی جیلوں کے قیدی پچھتر فیصدی غیر تربیت یافتہ زراعت پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو شروع ہی سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح زراعت صنعت کا ایک جزو بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کو موجودہ طریقے اور نئے اوزاروں کا استعمال کرایا جاتا ہے۔ ایسی تربیت میں مویشیوں کی دیکھ بھال بھی شامل ہیں۔ کسی قیدی بڑھئی یا جلاہے کا کام سکھانے اور اس کے چال چلن کو سدھانے میں کافی وقت لگتا ہے اور بیحد محنت کرنی پڑتی ہے۔ کم سزا والے ان کاموں میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ لمبی قید والے ان کاموں کو حاصل کر سکتے ہیں جن کی سزا کم از کم تین سال ہو۔

اچھا اسٹاف بوسٹل جیل کے چار مذکورہ ضروری حصوں کے علاوہ جیل کے لئے اچھی عمارتوں اور اچھے اسٹاف کی بھی ضرورت ہے اگر یہ دونوں چیزیں مالی دقتوں کی وجہ سے پوری نہ ہوسکیں تو جتنا سرمایہ ہو وہ بجائے عالیشان عمارات پر لگانے کے اسٹاف پر لگایا جائے تو بہتر ہوگا۔

انگلستان میں پورٹ لینڈ کی بوسٹل درسگاہ اس کی زندہ مثال ہے۔ آغاز میں تو دلسیٹ مجرموں کے لئے بڑی تاریک سی کوٹھری والی جیل تھی۔ لیکن اب

جہاں تک کامیاب نتائج کا تعلق ہے کوئی ہوسٹل ... کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ وہاں کے قیدی عادی مجرم ہوتے ہیں۔ اور خطرناک مقدمات سے وابستہ ہوتے ہیں مگر وہاں رہنے کے بعد چوری نہیں کرتے۔

وہاں کا سٹاف قابل، لائق اور محنتی اشخاص پر مشتمل ہے۔ ہر فن کے ماہر اس میں شامل ہیں۔ اس جیل میں سکول بھی ہیں۔ مسٹر بار کرافٹ انسپکٹر جنرل جیل ہائے پنجاب فرماتے ہیں:۔

میں اس بوسٹل میں صبح ۶ بجے اسٹاف کو جسمانی قواعد کراتے ہوئے دیکھنے کے لئے داخل ہوا اور نو بجے رات کو لوٹا جبکہ وہی اسٹاف اسی خوش خرمی سے کام میں مصروف تھا اور ضرورت پڑنے پر آدھی رات تک بیٹھنے کے ... تیار تھا۔ تاکہ ... نقطہ نظر پر بحث کر سکیں (امپریشن ... ۹۵)

انگلستان کی بوسٹلوں میں عمارتوں اور ... کے مقابلہ میں ... کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور قیدیوں کے اخلاق کو ... بند کر ... کے مقابلہ میں زیادہ ... ہے۔ ہندوستان میں بھی اس قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اعلیٰ کیریکٹر ... ہوں اور خوشی سے خدمات انجام دینا پسند کرتے ہوں۔ جو قیدیوں کو قیدی نہیں بلکہ انسان سمجھ کر ان سے عملی ہمدردی کریں۔ اور ان کے حالات و ماحول کو سمجھتے ہوئے ان کو اونچا اٹھانے کی کوشش کریں۔

بوسٹل جیلوں کے رہنما الیگزینڈر پٹرسن :

کی ان تجاویز کا کرنا یہاں ضروری ہے ۔ جو انھوں نے برہما میں عملی شکل میں چلائیں ۔ تاکہ ان کے فوائد و اثرات کا اندازہ لگایا جا سکے ۔

ان کی سکیم جس کا نام " قانون انسداد جرائم " رکھا گیا چار چیزوں پر مبنی تھی اول ،ایغا رمیٹری دوئم آزمائشی رہائش سوئم بچوں کا قانون چہارم بوسٹل قانون ۔

ان قانون کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں سلہ

(۱) چودہ سال سے کم عمر انسان کسی جیل یا حوالات میں نہ رکھا جائے ۔ مقدمہ کے دوران میں ریمانڈ گھر میں رکھا جائے ۔ جو نظر بندی کے مقامات ہیں ۔

(۲) چودہ سال سے کم عمر مجرموں کے مقدموں کی مقررہ عدالت میں نہیں بچوں کی عدالت میں شنوائی ہو جہاں مجسٹریٹ عورت ہو ۔

(۳) تمام مجرموں کے لئے آزمائشی رہائی کا دن رائج کر دینا چاہیئے

(۴) جسمانی سزا جیل میں نہیں احاطہ عدالت میں دیجائے ۔

(۵) ۱۶ سال سے کم عمر کے قیدی جیل میں نہ رکھے جائیں ۔

اور امور ذیل کا انتظام حکومت خود کرے ۔

(۱) مصدقہ سکول اس میں کم عمر قیدی جن کی عمر ۱۴ سال سے کم ہو اور جن سے جرم ہونے کا خوف ہو رکھے جائیں ۔

سلہ رپورٹ سنہ ۱۹۲۶ء جرائم اور مجرموں کے ساتھ سلوک مصنفہ ایلکس پٹرسین

(۲) چودہ سال سے کم عمر قیدیوں کے لئے ریفارمیٹری سکول بنائے جائیں۔

(۳) چودہ سال سے ۱۹ سال تک کی عمر کے مجرم ہوں ان کے لئے تعلیمی سکول کھولے جائیں۔ اور جو سکولوں سے لڑکے نکلیں ان کی رہائی کے بعد نگرانی کی جائے۔

احاطہ مدراس میں جہاں تمام مذکورہ قانون نافذ ہیں اور عمل پا رہے ہیں وہاں کسی قسم کی تبدیلی ہونا بے معنی ہے۔ لیکن بقایا صوبے انسداد جرائم کے قانون کو نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ علیحدہ علیحدہ ایک قانون کے نفاذ کے جھنجھٹ میں نہ پھنسے۔

آزمائشی رہائی

آزمائشی رہائی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر کسی جرم کا الزام ہو اور وہ ثابت ہو جائے تو اس کو جیل بھیجنے کے بجائے "آزمائشی رہائی" پر چھوڑ دیا جائے۔ بشرطیکہ ملزم اپنا چال چلن عمدہ دکھائے اور رہائی کے بعد بدمعاشی نہ کرے۔

اس طریقہ کو قانونی درجہ دینے کے لئے ۱۹۰۷ء میں انگلستان کے اندر آزمائشی رہائی کا قانون پاس ہو گیا جس کی بنیاد پر ہندوستان میں بھی یہ قانون رائج کر دیا گیا۔

یہ قانون پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اور قیدی کے لئے بجائے جیل کے "آزمائشی رہائی" ایک دوسرا اہم علاج ہے۔

انگلستان میں "آزمائشی رہائی" دو طریقہ سے کی جاتی ہے۔

کئی جج مجرموں کو "آزمائشی رہائی" کے قانون کے مطابق رہا کر دیتے ہیں۔

گویا ان کو آزمائشی رہائی کے آفیسر کے سپرد نہیں کرتے۔ رہائی کے بعد وہ آزاد ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی نگرانی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ طریقہ غیر تسلی بخش ثابت ہونے لگا۔ اور کافی بدنامی کا باعث ہوا۔ اور مجرموں نے بھی اپنی اصلاح نہیں کی بلکہ آوارہ گردوں، بدمعاشوں اور لچے لفنگوں کی صحبت میں بیٹھنا شروع کر دیا اور برے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ایسی صورت میں وہ عدالتوں کے سامنے دوبارہ پیش ہوتے تو اس قانون کی ناکامیابی ظاہر ہوتی۔

یہ حقیقت ہے کہ "آزمائشی رہائی" کا طریقہ بغیر آزمائشی رہائی کے افسر کی نگرانی کے چلانا غیر مفید ہے۔ اور وہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس طریقہ کا روح رواں آزمائشی رہائی کا آفیسر ہی ہے۔ جیسے ملک کی طرف سے تنخواہ دی جاتی ہو۔ اور جو اپنی متعلقہ عدالت کو براہ راست جوابدہ ہو۔

جیسا کہ پاول صاحب کا خیال ہے کہ:

آزمائشی رہائی آفیسر اور سچے اور بلند کیریکٹر کا ہونا چاہئے جو رحمدل ہو اور مجرم اس پر بھروسہ کر سکیں۔ اور جب مجرم برے حالات اور مشکلات میں پھنس جائے یا پھر اس کی عادات شفیعہ وغیرہ کرائیں تو وہ اس کو بچا سکے اور سہارا دے سکے۔

اس طریقہ پر بعض اس قسم کے اعتراضات بھی کئے گئے ہیں کہ ایسے مخلص و ایماندار و معقول آفیسر ملنا مشکل ہے۔ اور خاص طور پر ہندوستان کے بڑے بڑے علاقوں اور دور دراز مقامات میں مجرم کو نہ پہنچ سکیں اس لئے بڑے سخت بچے ہے

چالاک آفیسر ان کی نگرانی کرنا ناممکن ہے۔

ان اعتراضات میں اگرچہ کچھ جان ہے وہ بھی اس صورت میں جبکہ ملازمان کو کم تنخواہ دینے کی پالیسی برتی جائے۔ اگر اس کام میں فراخدلی سے کام لے اور معقول تنخواہ دے تو ایماندار اور وقت دینے والے آدمیوں کی کمی نہیں۔

کسی آزمائشی رہائی کے آفیسر کے سپرد سو مجرموں سے زیادہ نہ کرنے چاہئیں عملی طور پر ایک لاکھ آبادی رکھنے والا ہر شہر آزمائشی رہائی، اور بچوں کے قانون کے شرائط کے ماتحت ضروری تعداد مہیا کر سکتا ہے۔

ایک لاکھ یا زائد آبادی رکھنے والے ہندوستان میں تیس شہر ہیں اور پانچ ہزار سے لے کر ایک لاکھ کی آبادی والے ۲۲ سو کے قریب قصبات ہیں۔ اور اس صنعتی زمانہ میں ہر سال لوگوں کا رجحان زیادہ سے زیادہ شہروں میں آباد ہونے کا ہوتا جا رہا ہے۔ اس بناء پر اس قانون کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ البتہ دیہاتی علاقوں میں تمام وقت کے لئے ان افسروں کا مقرر کیا جانا ناممکن ہے۔ وہاں کے لئے گاؤں یا برادریوں کے چودھری اور ایماندار اشخاص ہی اس کام کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں۔ جو تھوڑا وقت دے کر اپنے گاؤں کے مجرموں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اور جرم نہ کرنے دیں۔

مسٹر پیٹرسن کی رائے ہے:۔

اگر یہ آزمائشی رہائی کا طریقہ پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی پر استعمال کیا جائے تو چند سالوں میں ہزاروں قیدی جیلوں سے باہر آکر سدھر سکتے ہیں۔

پیرول پرول کا یہ مطلب ہے کہ زیر نگرانی قیدی کو سزا مکمل ہونے پر یا اس سے پہلے رہا کر دیا جائے۔ اس میں پی' آر' ٹی' طریقہ کے مطابق رہا شدہ عادی مجرم (جس پر پولس کی جانب سے نگرانی ہوتی ہے) شامل نہیں ہے۔ پی' آر' ٹی' طریقہ کا مقصد انسدادی ہے۔ نہ کہ اصلاحی۔ یہ طریقہ پولس احتیاطی طور پر اختیار کرتی ہے۔ تاکہ آئندہ کے جرموں سے وہ محفوظ رہ سکے۔

پرول طریقے کے ماتحت کی نگرانی زیادہ رحیمانہ ہوتی ہے۔ اور جہاں تک ہو سکتا ہے غیر سرکاری ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ لائسنس پر مشروط رہائی کی قسم ہے۔ بشرطیکہ جیل میں اس کا کیرکٹر اچھا رہا ہو۔ اور اس نے ادھم بازی یا غیر آئینی حرکتوں میں حصہ نہ لیا ہو:

اس طرح کوئی بھی پرول پر رہا شدہ قیدی آزادی کے ساتھ اپنا روزگار چلا سکتا ہے اس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہوگی۔ ہاں اگر وہ جن شرائط کے ماتحت رہا ہوا ہے۔ اس کو پورا نہ کرے گا مثلاً اپنی جائے رہائش کے علاوہ مختلف مقامات پر مارا مارا پھرے گا اور چور ڈاکوؤں سے میل جول قائم رکھے گا تو اس کو اس کی بقایا قید گزارنے کے لئے جیل میں بھیجدیا جائے گا۔ اور رہائی کی شکل ختم کر دی جائیگی۔

پرول کی رہائی کے لئے دو باتوں کی نگرانی ضروری ہے:-

(۱) ذریعہ معاش (۲) اس کے کام اور اس کے اخلاق کی نگہداشت۔

اگر مجرم عارضی طور پر کسی دیہاتی علاقے میں نظر بند کیا جاتا ہے تو اس کو کھیتی باڑی کا کام کرنا پڑتا ہے اور اس کا آفیسر زمیندار مقرر کیا جاتا ہے۔ جس کے لئے وہ کام کرے گا۔ غیر دیہاتی مجرم کو تجارتی کام میں لگایا جاتا ہے۔ اس کا آفیسر

غیر سرکاری آدمی ہی مناسب ہو سکتا ہے رہا شدہ قیدیوں کے لئے ملیں، کارخانہ، فیکٹریاں، ریلوے، کانیں، ملازمت کا سامان مہیا کرسکتی ہیں۔ اور ایسے اداروں کی مدد کے لئے جیل کے افسران بھی منتظر رہتے ہیں۔

مثال کے طور پہ مکتی فوج (   ) آف پنجاب لاہور بوسٹل جیل کے ابتدائی زمانہ میں کافی مفید کام کیا۔ سالہا سال تک مسٹر ہٹھ ٹیکر (   ) بوسٹل کے لئے عارضی طور پر رہا شدہ بچوں کو مکتی فوج سے لے لیتے۔ اور ان کو کسی نہ کسی صنعتی کام میں تربیت دیکر ان کے گاؤں میں بھجوا دیتے۔ جہاں وہ جیل کے پرندے بننے کے بجائے سوسائٹی کے باعزت فرد بن کے رہتے۔

اس فوج نے رنگون اور دوسرے مقامات پر بھی اچھا اور مفید کام انجام دیا۔ ان مقامات پر کولولی کا سپرنٹنڈنٹ آزمائشی رہائی کے آفیسر کا کام انجام دیتا۔ اسی طرح جنگ عظیم کے دوران میں رہا شدہ بچوں کی ایک بڑی تعداد نے دفاع ملازمیں کام کیا۔ جہاں ان کو " فوز مین " کے ماتحت رکھا گیا۔

بوسٹل قسم کے اداروں میں فنظر بند کرنے سے قید کا خیال استقامت نہ پکڑتا اس قسم کے قیدیوں کے لئے پنجاب اور مدراس کے صوبہ میں حکومت نے ملازمتیں جائز کر رکھی ہیں۔ ممنوع قرار نہیں دیں۔ بہت سے تعلیم یافتہ بچے ان اداروں کے چھاپے خانہ میں تربیت پاکر گورنمنٹ کے چھاپہ خانوں میں کام کرنے کے لئے عارضی اور مشروط طور پر رہا کرکے بھیجد ئے جاتے ہیں۔

بہت سے قیدی غیر سرکاری ملازمت حاصل کر لیتے ہیں جن کی ذمہ داری

ان کے مالکان پر ہوتی ہے۔ کرنل پاول نے اس سلسلہ میں ایک تنبیہ کی ہے؛-

غیر سرکاری مالکان کو ان بچوں سے سستی مزدوری وغیرہ ملوث
کام کرانا نہیں چاہیئے ورنہ وہ اس سے گھبرا کر جرم کا اعادہ کر کے
جیل جانے پر مجبور ہوں گے۔

(انڈین پریزنس باب ۱۲ صفحہ ۱۵۱)

قیدیوں کی عارضی رہائی کے طریقہ سے جیل کی آبادی اور خرچ میں کمی پڑتی ہے۔ اور یہ طریقہ مستقبل کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ اور اس سے قیدیوں پر کوئی مضر اثر نہیں پڑے گا۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں پنجاب حکومت کی مقامی حکومت نے یہ قانون پاس کیا۔ کہ نیک چلن قیدیوں کو چند شرائط کے ماتحت رہا کر دیا جائے اس کا نام "نیک چلن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنیکا ایکٹ"

قرار پایا۔ اس قانون کا اصول یہ ہے:۔ "اگر حکومت ایک قیدی کے لئے جو خاص میعاد کیلئے مقید کیا گیا ہے یہ محسوس کرے کہ وہ خاندانی ہے اور جیل کے دن بھی اُس نے نیک چلنی کے ساتھ گزارے ہیں اور آئندہ بھی وہ جرم سے اجتناب کریگا اور نیک چلن محنتی رہے گا۔ تو اس کو مقامی حکومت مشروط طور پر ایک گورنمنٹ آفیسر کے ماتحت یا کسی مذہبی ادارے یا کسی شخص کی ضمانت پر رہا کرنے کیلئے تیار ہوگی۔"

یہ قانون بچوں اور بالغ قیدیوں پر یکساں عائد ہوتا ہے۔

اس قانون کے ماتحت تھوڑی سزا کے قیدی، قتل ڈاکہ زنی کے مجرم رہا نہیں کئے جا سکتے۔

پنجاب گورنمنٹ نے اس قانون کے عملدرآمد کے لئے ایک نیا محکمہ قائم کیا ہے جو کہ اصلاح قانون کے مجرم بچوں کی بھی نگرانی کرتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا آفیسر آئی، سی، ایس یا پی، سی، ایس ہوتا ہے۔ اس افسر کے فرائض بہت زیادہ اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ جیل کے انسپکٹر جنرل کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے اور مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہوتا ہے:۔

(۱) بوسٹل اور اصلاحی آواروں اور مشروط رہائی کے کاموں کی نگرانی۔

(۲) بچوں اور بالغوں کی سرکاری کھیتی باڑی کا "نیک چلن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنے کے ایکٹ" کے ماتحت کل انتظام۔

(۳) بچوں اور بالغوں کی سزاؤں کے بارے میں کل اطلاعات فراہم کرنا اور مستحق مقدمات کی نگرانی کرانا۔

(۴) بیمار اور بوڑھے قیدیوں کی رہائی کی سفارش کرنا۔

(۵) مشروط رہائی کے لئے قیدیوں کا انتخاب کرنا۔ اور گورنمنٹ سے ان کی رہائی کے لئے سفارش کرنا۔

(۶) گورنمنٹ کو مجرم بچوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کے طریق بتانا۔

(۷) قیدیوں کی رہائی کے بعد نگرانی کرنے کا انتظام کرنا۔

یہ قانون اپریل ۱۹۲۶ء سے جاری ہے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء تک ۹۹۰ قیدی لائسنس پر رہا کئے گئے۔ ان میں سے چند کے علاوہ باقی تمام پر اچھا اثر پڑا۔

۱۹۲۲ء کے رہا شدہ قیدیوں کے پیشوں کا اندازہ حسب ذیل کیا جاتا ہے۔

گورنمنٹ ریفارمیٹری کھیتوں پر۔ نزد منٹگمری ——— ۸۷ آدمی

محکمہ زراعت ——— ۲۲ "

فرم اور زمیندار ——— ۱۲ "

جلد سازی ——— ۱۳ "

مستری اور کھدائی کا کام کرنیوالے ——— ۴۸ "

قیدی رہا ہونے کے بعد خوش و خرم رہتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر اُنھوں نے ان آسان قوانین کو نہ مانا تو وہ جیل واپس بھیجدئے جائیں گے۔ وہ اس سے واقف ہوتے ہیں کہ اگر وہ دیانتداری سے کام کریں تو ان کی تنخواہ بڑھ جائے گی اور ان کو معافی بھی زیادہ ملے گی۔ اس لئے ان میں ذمہ داری اور خودداری کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو آزاد زندگی بسر کرنے کے قابل بنالیتے ہیں جس سے ان کی زندگی سدھر جاتی ہے۔ اور اس طرح سے حکومت کے مستقل خرچ میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔

ہر وہ قدم جو جیلوں کی آبادی کی کمی کے لئے اٹھایا جاتا ہے اس سے حکام جیل کا کام کم ہو جاتا ہے اور کامل سکون کے ساتھ بقایا قیدیوں پر توجہ دیجانے لگتی ہے موجودہ وقت میں جیلوں کی آبادی انکی مرکانیت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس صورت میں اصلاحی اقدامات کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔

تمام ہندوستان میں پنجاب ہی ایک صوبہ ہے جس نے جی، سی، پی، آر، ایکٹ (یعنی نیک چلن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنے کے قانون) کے سلسلہ میں

قدم اٹھایا۔ دوسرے صوبوں میں ایڈوائزری بورڈ کے مشورہ کے مطابق رہا کیا جاتا ہے مگر اس میں دو بڑے نقصانات ہیں۔ (۱) رہائی سے پہلے قیدیوں کو آزاد زندگی بسر کرنے کی تربیت نہیں ملتی

(۲) جب وہ رہا کئے جاتے ہیں تو گورنمنٹ ان کے رویہ اور کاموں پر کوئی نگہداشت نہیں ہوتی۔

جی۔ سی۔ پی۔ پی، آر، ایکٹ نہایت ضروری خلا کو پر کرتا ہے۔ اور یہ نہایت دانشمندانہ اقدام ہے۔ جو دوسرے صوبوں میں بھی نافذ کیا جائے۔

پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ قانون وہاں کے لئے موافق و مناسب ہے۔ یہاں زیادہ تر جنگجو طبقے بستے ہیں جو اکثر جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ خون کا بدلہ لینا یا مویشی چرانا ان کا شیوہ ہوتا ہے اس کو وہ جرم تصور نہیں کرتے۔ ایسے مجرم خاص طور پر بوسٹل اور جی، سی، پی، پی، آر کے قانون کے اصولوں کے ذریعہ بہتر بنائے جا سکتے ہیں۔

اتفاقی مجرم

ہندوستان میں پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی کو "اتفاقی مجرم" اور انگلینڈ میں "پہلی بار کا مجرم" کہا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں مقامات پر اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاتا کہ اس مجرم نے پہلی ہی مرتبہ جرم کیا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلی بار گرفتار ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ گرفتار ہونیوالا کئی جرائم کے ارتکاب کے بعد ہی گرفتار ہوا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی مرتبہ جرم کرے اور گرفتار ہو جائے۔

قیدیوں میں سزاؤں کی وجہ سے جو درجہ بندی کی جاتی ہے وہ انتہائی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور پہلی بار کے مجرم اس سے کافی سدھر جاتے ہیں۔

انگلستان میں اتفاقی مجرم کیساتھ سلوک

انگلستان کی بورسٹل درسگاہوں میں ۱۶ سے ۲۱ سال تک کے عادی کمسن مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ بالغ مجرم جو کہ پہلی مرتبہ عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ وہ شاذ و نادر ہی جیل میں بھیجے جاتے ہیں انھیں عام طور پر ضمانت یا آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا ان کو کوڑوں یا جرمانوں کی سزا دی جاتی ہے۔ انگلستان کی جیلوں کی آبادی میں تخفیف کی وجہ درحقیقت آزمائشی رہائی کا اصول اور جرمانوں کی ادائیگی کی مہلت دینے کی اجازت ہی ہے۔ جس سے بہت سے شریف انسان جیلوں کا منہ تک نہیں دیکھتے

اور اس سے جھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کا اگر جرم سنگین ہوتا ہے تو ان کو لازمی طور پر جیل میں بھیجدیا جاتا ہے۔ جرم کی مناسبت سے جیل بنی ہوئی ہے جو جس جرم کا ہوتا ہے اس کو وہاں جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ دو تین جیلوں کے حالات ملاحظہ کیجئے اس میں مجرمین کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس سے انکا اندازہ لگ جائیگا۔

ونڈز ورتھ (جیل خانہ لندن کے کئی علاقوں)

کے مجرموں کے رکھنے کا ایک مرکز ہے جہاں سات سو قیدیوں میں سے تقریباً دو سو سپیشل کلاس میں رکھے جاتے ہیں۔ یہ ۱۲ سے ۲۲ برس کے بالغ جوان جوان ہوتے ہیں جن کی سزا چند دنوں سے دو سال تک ہوتی ہے۔ انکو طویل عمر بالغ اور عادی مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے بالغوں کی جیل میں ان کی کلاس سب سے مشکل اور دلچسپ شمار کی جاتی ہے۔ بقول گورنر جیل یہی لوگ سب سے زیادہ مشکلات پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی بدعنوانی زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی ہے۔ جوشیلے نوجوان سے ایسی ہی توقع کی جاتی ہے۔ کئی ایسے خوش مزاج نوجوان ہوتے ہیں جنھیں معقول طریقے سے ترتیب دیجائے تو وہ باہر نکلکر انتہائی نیک سیرت نیک خصلت ثابت ہو سکتے ہیں۔

ان قیدیوں کو دوسرے قیدیوں سے نہ صرف علیحدہ رکھا جاتا ہے بلکہ خاص چنیدہ افسران ان پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کا کارڈ ڈپٹی گورنر جیل رکھتا ہے۔ ہر صبح ایک گھنٹے کے لئے ان کو جسمانی تربیت دیجاتی ہے۔ اور اس کے بعد کسی خاص صنعتی کام کی مشق کرائی جاتی ہے۔ بڑھئی اور

راج مزدوروں کا کام وہاں زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھ پرش بنانا، دندی کا کام اور قلعی گری بھی سکھائی جاتی ہے۔

ان میں سے کچھ قیدی اپنی تھوڑی سزا کی وجہ سے کوئی بھی تجارتی کام نہیں سیکھ سکتے اور نہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، البتہ شائستہ قیدی کو شارٹ ہینڈ ڈرائنگ، نیم گیری اور گانے بجانے کے درس دینے کی کھلی اجازت ہے۔ یہ سارا تعلیمی کام رضاکارانہ طور پر کیا جاتا ہے۔ اور اداریب۔ اس سے قیدیوں کو بڑا فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ مذہبی اور روحانی تعلیم بھی پادری کے ماتحت دی جاتی ہے۔ ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ قیدیوں پر مفید و موثر تعلیم کا اثر ڈالیں۔ اور قیدیوں کی امدادی سوسائٹی کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے قیدیوں کی خانگی مشکلات کی چھان بین کر کے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہر وزیٹر کے سپرد ہفتہ وار بارہ قیدی سپرد کر دئے جاتے ہیں۔ اگر ان کی مستورات سے متعلقہ کوئی کام ہوتا ہے تو وزیٹروں کی بیویاں ان کو انجام دیتی ہیں۔ اور ان کے گھروں میں جا کر دریافت کرتی ہیں۔

رہائی کے بعد ان قیدیوں کی دیکھ بھال امداد قیدیان کی سوسائٹی کے سپرد ہوتی ہے جس کی جیل میں ہفتہ وار میٹنگ ہوتی ہے۔ جو غیر سرکاری وزیٹروں کے پیش کردہ تجاویز پر غور کرتی ہے اس کمیٹی کا خرچ ۱۹۳۰ء تک تیرہ سو پونڈ سالانہ تک پہنچ گیا تھا۔ جو سوائے دو شلنگ فی کس سرکاری گرانڈ کے تمام رضاکارانہ چندوں سے سارا کیا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کی طرف سے دو تنخواہ دار ایجنٹ ہوتے ہیں جو رہا شدہ قیدیوں کے لئے کام تلاش کرتے ہیں۔ اور

ان کی ترقی کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔

یہ مختصر کیفیت اپنے اندر بہترین نکات رکھتی ہے۔ جس سے ہندوستانی جیلوں کے اتفاقی قیدیوں کا حل ہو سکتا ہے۔

(۱) اتفاقی مجرموں کو عادی مجرموں سے علیحدہ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ جس کو تمام ہندوستان میں تسلیم کیا گیا ہے اور کل صوبوں میں عجلت کے ساتھ قبول کیا گیا ہے۔

(۲) قیدیوں کو کوئی مفید تجارتی کام سکھانے کی اہمیت۔

(۳) بنیادی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کی ضرورت ہے۔

وینڈزورتھ جیل میں دن کے کام ہونے کے بعد شام کو تعلیم دی جاتی ہے لیکن ہندوستان میں یہ سلسلہ اس وقت تک جاری نہیں ہو سکتا۔ جبتک قیدیوں کو موجودہ روشنی سے بہتر روشنی اور اچھے قسم کا کمرہ مہیا نہ کیا جائے۔

(۴) ایسی جیل میں رضاکارانہ طور پر کام کرنے والوں کی ضرورت ہے جو کہ استاد بھی ہوں اور غیر سرکاری وزیٹروں کا کام بھی انجام دے سکتے ہوں۔ موجودہ اسٹاف سے یہ تعلیم کا انتظام تمام ہندوستانی قیدیوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا چلانا ناممکن ہے۔ گرچہ کچھ حد تک تعلیم یافتہ قیدی کے ذریعے یہ کام کیا جا سکتا ہے یعنی قیدیوں کو پڑھایا جا سکتا ہے مگر تمام قیدی اس سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے۔

(۵) ہمیں آخر میں رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی کی طرف توجہ دینی پڑیگی اور ساتھ ہی پبلک سے نیا صنانہ امداد حاصل کی جائے گی۔ جو قیدیوں کی

ئی کے بعد ان کے کام آسکے۔

لندن کا دوسرا بڑا قید خانہ ورم وڈسکرب (

ہے جس میں تیرہ سو قیدیوں کے لئے کوٹھریاں ہیں۔ قیدیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اس جیل کی آبادی تقریباً ۶۰۰ ہے اور اس میں دو قسم کے قیدی ہیں

(۱) پہلی مرتبہ کے بالغ مجرم جنکی سزا پانچ دن سے لیکر دو سال تک ہو۔

(۲) وہ مجرم جس کی بوسٹل کا سلوک ختم ہوا ہو اور جن کا لائسنس ضبط کر لیا گیا ہو

ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

پہلی مرتبہ کے قیدیوں کے ساتھ عام قید خانوں میں نرم سلوک کیا جاتا ہے ان کی قید کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

کم از کم ان کی تربیت کا عرصہ چھ ماہ ہوتا ہے۔ ان مجرموں کو اس میعاد میں زیادہ سے زیادہ آزادی دی جاتی ہے۔ اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ باقی تفصیلات ویکفیلڈ اور تھ کے جیل خانے سے ملتی جلتی ہیں۔

ان مجرموں کے لئے جن کو عدالت سے سزا با مشقت ملی ہو اور کبھی جیل نہ گئے ہوں ایک خاص جیل ( ) میڈسٹون میں بنوایا گیا ہے اس قسم کے قیدی ہندوستان میں سٹار کلاس میں رکھے جاتے ہیں۔ یہ کلاس ہندوستان کے تمام صوبوں میں رائج نہیں ہے۔ اور اس وقت تک رائج نہیں ہو سکتی جب تک جیلوں کی آبادی مکانیت سے زیادہ ہے۔ اس جیل میں جسمانی اور تجارتی تربیت کے علاوہ تعلیم پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اور گانا بجانا اور کھیتی باڑی کی تعلیم بھی عام ہے۔

میڈسٹون جیل خانہ میں ۲۵۰ وزیٹر، پندرہ استاد اور دو اقتصادی کارکن رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں۔ تعلیم شام کو ساڑھے چھ بجے دیجاتی ہے۔ وزیٹر اپنے خرچ پر میلوں چلکر اپنے کاروبار کو چھوڑ کر جیل کے معائنہ وغیرہ کے لئے آتے ہیں۔

کھیتی باڑی، نیم گیری، شورٹ ہینڈ معاملات عامہ اور فسٹ ایڈ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ فرنچ زبان اور ادبیات سکھائے جاتے ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں چیمبر آف کامرس کے امتحان میں ۷۴ امیدواروں میں ۴۲ امیدوار کامیاب ہوئے۔ نو نے خاص درجہ حاصل کئے۔ اور دو کو استادی کی سند ملی۔ فسٹ ایڈ میں ۵۰ میں سے ۴۷ پاس ہوئے اور شورٹ ہینڈ میں ۹۷ میں سے ۸۶ کامیاب ہوئے۔

ایک اور خصوصیت اس جیل کی یہ ہے کہ ہر سال کچھ منتخب شدہ قیدی تین ہفتہ کے لئے تبدیلی ہوا کی غرض سے وائٹ کے جزیرے کیمپ ہل پر جو نظر بندوں کے قید خانے ہیں ان میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لوگ کشتی کے ذریعہ وہاں پہنچتے ہیں اور کھلی ہوا میں وقت گذارتے ہیں۔ اس تبدیلی کا جسمانی اور دماغی اثر نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے اور وہ اس جیل کی ایک مستقل ضرورت بن گئی ہے۔

ویکفیلڈ جیل خانہ بالغ قیدیوں کی تربیت کے لئے بنایا گیا ہے جس میں پہلی مرتبہ کے قیدی خاص طور پر بھیجے جاتے ہیں۔ اس جیل میں قیدی کو جب بھیجا جاتا ہے جبکہ وہ کم از کم چھ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال اپنی قید کی مدت کسی دوسری جیل میں گذارے۔ تھوڑی سزا کے قیدی اس جیل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔

انگلستان میں ویکفیلڈ جیل خانہ سب سے بڑا جیل خانہ شمار کیا جاتا ہے۔

اس کی تاریخی حیثیت بھی ہے۔

زمانہ سابقہ میں یہ پہلا جیل تھا جس میں صنعتی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں بالغوں کو اس طرح تربیت دیجاتی ہے جس طرح بوسٹل میں بچوں کو ٹریننگ ملتی ہے۔ یورکشائر ( ) جیسے صنعتی علاقہ میں یہ جیل خانہ ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ کوٹھریاں ہیں۔ یہ علاقہ انتہائی بھدا ہے۔ اس جیل کی صورت بھی انتہائی بھیانک ہے اس میں سورج بہت کم دکھائی دیتا ہے ماحول گندہ اور خراب ہے اور بالکل گلاسگو ( ) زنانہ جیل کے مثل ہے۔

مسٹر بارکر جنرل جیل خانہ جات پنجاب فرماتے ہیں:۔

"میں نے اپنے آخری سفر میں ویکفیلڈ جیل خانہ کو کافی تبدیلی کی حالت میں پایا۔" (امپیرزمنٹ صہ۱۱)

اس جیل میں ڈھائی سو قیدی تھے جو جیل کے کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ ان کے بال فیشن ایبل طریقے پر کاٹے جاتے تھے۔ اور ان کو صفائی کے لئے تیل باقاعدہ طور پر ملتا تھا قیدی خوش و خرم نظر آتے ہیں اور وہ قیدی نہیں بلکہ کارندے معلوم دیتے ہیں سب دن بھر کام میں مصروف رہتے ہیں۔ ویکفیلڈ میں سست و کاہل اور نکمے قیدیوں کے لئے جگہ نہیں۔ خاص طور افسران اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کوئی قیدی بغیر کام کے اپنا وقت نہ گذارے جب انسان مصروف و مشغول رہتا ہے تو اس کی توجہ برائی کی طرف رجوع نہیں ہوتی۔

جیسا کہ ۱۹۲۵ء ۔ ۱۹۲۶ء کی قید خانوں کی رپورٹ سے ظاہر ہے:۔

"جسمانی، صنعتی، دماغی، اخلاقی تربیت کے مکمل نظام پر عمل

در آمدہ قیدی پندرہ گھنٹے پہلے روزانہ کام کرتا تھا جس میں آٹھ گھنٹے صنعتی کاموں میں صرف کئے جاتے تھے۔ قیدیوں میں ذمہداری کا احساس پیدا کیا گیا۔ اور تجربہ کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا رہا ؟

صنعتی تربیت کے ساتھ قیدیوں کو جسمانی تربیت دیجاتی تھی۔ جو ہفتہ میں ایک دن صبح کو ملتی تھی اور شام کو دو گھنٹے تعلیم پر صرف ہوتے تھے۔ اور شب کو ساڑھے نو بجے بند ہونے سے پہلے ایک گھنٹہ کھیلنے کے لئے دیا جاتا تھا۔

وکیفیلڈ مدراس کے کیمبشر سنٹرل جیل ( ) سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے کیونکہ وہاں بھی دستکاری۔ درزی کا کام۔ بُننے کا کارخانہ اور دیگر صنعتیں کافی سکھائی جاتی ہیں۔ اور تنخواہ بورسٹل ادارہ کے مانند اس میں بھی ایک کمیٹی قیدیوں کی بہی خواہی کے لئے بنی ہوئی ہے۔ جو ان کے مفاد کی حفاظت کرتی ہے۔

ویکفیلڈ کی سکیم بالغ مجرموں کے لئے بورسٹل کا کام دیتی ہے گو بالغوں کے عادات پختہ ہو جاتے ہیں مگر تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ اس طریقے سے بھی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔

انگلستان کی جیلوں میں قیدیوں کو سدھارنے میں مہارت حاصل کرنا زیادہ آسان ہے۔ اس لئے کہ ان قیدیوں کی تعداد ان کی مکانیت سے بہت کم ہے۔ اور افسران اعلیٰ طبقے سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور لیڈر رضاکارانہ طور پر خدمات انجام دینے والے ہوتے ہیں جس سے افسران کے کام کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ انگلینڈ

میں ایک جیل خانہ پر سالانہ بارہ سو روپیہ خرچ ہوتا ہے برہما میں ایک سو بیس روپیہ سالانہ، مدراس میں ۲۷ روپیہ سالانہ اور یوپی میں ۹۵ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے

اتفاقی مجرم پر خرچ شدہ رقم نتیجہ کے اعتبار سے مفید ثابت ہوتی ہے لیکن اس کو نصب العین قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہت سے اتفاقی مجرم حادثاتی مجرم ہوتے ہیں۔ جن کو عادی مجرموں سے علیحدہ رکھنا چاہیئے۔ تب ہی جرم کا سلسلہ رک سکتا ہے۔

ہندوستان کے بہت سے صوبوں میں اتفاقی اور عادی مجرموں کیلئے علیحدہ علیحدہ جیلیں ہیں۔ لیکن دوران مقدمہ میں ان دونوں قسم کے قیدیوں کو علیحدہ نہیں رکھا جاتا۔ عدالتی کارروائی مہینوں تک چلتی رہے۔ جس سے اتفاقی مجرم پر عادی مجرم کا اثر پڑنا لابدی ہے۔ اس تواتر جرم کو روکنے کے لئے پولس افسران کو مجرم کی سزاؤں کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچا کر جیل افسران نے گوش گزار کرانی چاہیئے اور جیل تک صوبجاتی اخراجات اجازت دیں ان ہر دو قسم کے زیر سماعت قیدیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بارکیں یا وارڈ بننے چاہئیں۔

قیدیوں کو ترقی دیکر نمبردار (   ) بنائے جانے کے اصول کی عام طور پر انگریزی حکام مخالفت کرتے ہیں۔ مگر انگلینڈ میں یہ نظام خاص طور پر بیشتر ہیڈ جیل خانہ میں زیادہ زور پر رائج ہے۔ گرچہ اس کا وہاں نام دوسرا ہے۔

یہ نظام ہندوستان میں اس وقت تک مقبول رہے گا جبتک جیل میں رات کو ایک جگہ سونے کے لئے بڑی بڑی بارکیں استعمال کی جاتی رہینگی۔ اس نظام کے متعلق بہت سے ہندوستانی ماہرین کی یہ پختہ رائے ہے کہ اس کے فوائد

نقصانات سے بہت زیادہ ہیں۔"

اس کا سب سے بڑا نقص عادی مجرموں والی جیلوں میں اتفاقی قیدی نمبر ایک کو لگانا ہے جس کو بند ہونا چاہیئے۔ مدراس اور صوبجات متوسط میں اس اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ اور عادی مجرم پر اتفاقی قیدی کو نمبردار نہیں لگایا جاتا۔ اسی طریقے کی طرف دوسرے صوبوں کا رجحان پایا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ویکفیلڈ کے "پروگیسیو ٹریننگ سنٹر" میں اتفاقی اور عادی دونوں مجرم داخل کر لئے گئے ہیں۔

عام طور پر جتنی زیادہ بالغ اتفاقی قیدیوں کو بوسٹل کے اصولوں پر تربیت دیجائے اتنے ہی اچھے نتائج نکلیں گے۔ مستقبل کے لئے ہندوستانی جیلوں میں ہمارا یہی مقصد ہونا چاہیئے۔

***

دوبارہ مجرم یا عادی مجرم

جس طرح کمسن مجرموں کے واسطے پرہیز علاج سے بہتر ہے ۔ اسی طرح مجرمانہ عادت ثانیہ کو درست کرنے سے بہتر افراد کو پیشہ کے طور پر جرم کرنے سے باز رکھنا ہے ۔ جب کبھی کوئی ڈاکٹر بیمار کے معائنہ کے لئے آتا ہے تو وہ محض مریض کیلئے دوائی ہی تجویز نہیں کرتا بلکہ مرض کے علامات کی فوری وجہ تلاش کرتا ہے ۔ اور ساتھ ہی ان عام حالات کی بھی کھوج لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ علامات ظاہر ہوئیں مثال کے طور پر اگر مریض کو بخار اور درد سر ہو تو وہ صرف بخار کی دوائی اور اسپرین دیکر ہی مطمئن نہیں ہو جاتا بلکہ اصلیت کی تفتیش کرتا ہے ۔ کہ یہ علامات ملیریا کے جراثیم کی وجہ سے ہیں ۔ جو کہ شہر کی دو دہ ڈائری سے آگئے ہیں ۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈائری کے بازار کی فضا مسموم ہے اور وہاں مکھیوں کی بھرمار ہے جس کا باعث اس علاقے کے باشندوں کی لاپرواہی اور میونسپل کمیٹی کے ملازمان کی کاہلی و کوتاہی ہے ۔ اور مریض کی موت کی وجہ بلا واسطہ مناسب قانون کی عدم موجودگی ہے ۔

یہی حالت مجرم کی بھی ہے ۔ جیسا کہ " رنیگلز برائز " نے کہا ہے ۔

جرم کا مستقبل حاکمان قوم اور ماہران سائنس کے ہاتھوں میں ہوتا ہے

منتظم جیل انتظامی معاملات میں بہت ہی معمولی اور تھوڑا حصّہ لیتا ہے۔ لیکن "وجوہاتِ جرم" کے مطالعہ اور وہ اپنے تجربات سے اس کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایسی ہدایت دے سکتا ہے جس سے بتدریج مسئلہ کا حل نکالا جا سکے (انگلش پریزن سسٹیم۔

جرائم کے اسباب وہ تمام اسباب و علل جن کی وجہ سے جرائم کی پیداوار ہے دوبارہ مجرموں کی تعداد بڑھانے کی ذمہ دار ہے لیکن ہم یہاں صرف ان مخصوص وجوہات کا ذکر کریں گے جو پہلی بار کے مجرم کو دوبارہ جرم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایسے اسباب مختلف ملکوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں انگلستان عادی مجرموں کا گروہ ہے جو کہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے جیل کی آبادی قائم ہے۔

انگریزی جرائم انگریزی جیلوں کی روزانہ اوسط آبادی ۱۹۲۷ء میں ۱۷۹ و ۱۱ تھی۔ اور اسی سال ۸۰۳۰ و ۳۶ مرد اور ۶۶ ۴ و ۷ عورتیں جیل میں داخل ہوئیں۔ ۱۹۲۶ء میں سزا یافتہ قیدیوں میں سے ۴۶ فی صدی آدمی اور ۸۶ فی صدی عورتیں سابقہ سزا پائی ہوئی تھیں۔ اور ان میں سے بھی چالیس فی صدی سے زیادہ مرد اور ۵۶ فی صدی سے زیادہ عورتیں چھ یا چھ سے زیادہ سابقہ سزا یافتہ تھیں

اس سے ظاہر ہے کہ انگلستان کی جیلوں کی آبادی پس ماندہ لوگوں پر مشتمل

ہے۔ جن کی اصلاح ناممکن ہے۔ ان کا صرف یہی علاج ہے کہ ان کو لامحدود عرصہ کے لئے جیل میں رکھنا چاہیئے۔

مجرم جن جرائم کی وجہ سے جیل میں آتے ہیں ان کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ قابل الزام جرائم میں جو سب سے زیادہ جرم کیا جاتا ہے وہ چوری اور نقب زنی ہے۔ اور ناقابل الزام جرائم میں بھیک مانگنا، آوارہ گردی کرنا اور اس سے گلی شراب نوشی کرنا جرم ہے۔ اب بھی شراب نوشی کی وجہ سے انگلستان میں زیادہ سزائیں دیجاتی ہیں۔ اور دوبارہ مجرموں کی تعداد بھی اسی بنا پر ہے۔ قانوناً شراب نوشی جرم کہلانے کے مستحق نہیں۔ جرم محض دماغ اور جسم کی کمزوری پر منحصر ہے۔ شراب نوشی کی حالت میں انسان جرم کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے اس کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

ہندوستانی جرائم

ہندوستان میں حالت اس کے برعکس ہے یہاں شراب نوشی سے عادی مجرم بہت کم بنتے ہیں البتہ چوری، نقب زنی کی عادت ان کو عادی مجرم بنانے میں کافی حلہ ثابت ہوتی ہے گویا انگریز کو سرمایہ داری جیل دکھاتی ہے۔ اور ہندوستانی کو غربت مجرم بناتی ہے۔

ہندوستان میں سے دھاڑس چوروں اور ٹھگوں کو کافی مٹایا جاچکا ہے مگر پھر بھی ایسے لوگوں کی تعداد موجود ہے جو گذارہ جرم اور گناہ ہی سے کرتے ہیں۔ اور اپنی چھوٹی عمر کے اولاد کو جرم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں مدراس کی جیلوں میں ۵۰۷ ایسے قیدی تھے جو آوارہ

گردی اور چوری کے الزام میں مقید تھے اور ضمانت داخل نہیں کر سکتے تھے۔

مندرجہ ذیل تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عادی مجرم کافی ہیں۔ اور ان کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

مدراس میں کل سزا یافتہ قیدیوں میں سے تقریباً ساڑھے بارہ فی صدی قیدی سابقہ سزا یافتہ تھے۔ اور جنھیں عادی مجرم سمجھا گیا وہ تقریباً ساڑھے بیس فیصدی قیدی تھے۔ اس صوبہ کی جیلوں میں جو قیدی مقید تھے ان کی عادی مجرموں کی اوسط تین ہزار روزانہ تھی۔ اس طرح پنجاب میں عادی مجرموں کی روزانہ اوسط ۰۰، ۵ سے زیادہ ہے۔ اور چار بڑی بڑی جیلیں عادی مجرموں کے لئے ہی بنائی گئیں جو ان ہی سے چلتی ہیں۔

انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات صوبجات متوسط اور برار عادی مجرموں کے بارے یوں فرماتے ہیں۔

باقاعدہ مجرم آبادی کا نصف حصہ عادی مجرموں کا ہے۔ اور اس سے نمٹنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔"

عادی مجرموں کی قسمیں

مسٹر پاول نے ہندوستانی عادی مجرموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

(۱) پیشہ ورانہ مجرم، جو یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اور پولس کو جھکمہ دینا باعث فخر ہے۔ لیکن یہ مقابلتاً تعداد میں کم ہیں۔

(۲) مجرمانہ ٹولیاں، ان میں بہت سے لوگ اس لئے جرم کرنے لگے ہیں کیونکہ تہذیب کی ترقی کی وجہ سے انکا ذریعہ معاشں چھن گیا ہے۔

مثلاً بنجارے لوگ جن کا پیشہ دیہاتوں میں اناج اُٹھانے کا تھا ریلوں کی وجہ سے چھن گیا۔ اور جو چھپر بند طبقہ مثل فوجوں کے ساتھ جاتا تھا کہ ان کے لئے چھپر ڈال دیں وہ بھی بیکار ہو گیا۔ اب بھی آسانی سے مجرم ٹولہ بن سکتا ہے اگر پانچ ہزار شملہ کی پہاڑیوں کے رکشا والے اچانک بی، پی، آسٹن موٹر کے استعمال کے رائج ہونے سے ذریعہ معاش چھوڑ بیٹھیں تو یقینی بات ہے ان کی طبیعت کا رجحان جماعتی شکل میں چوری اور ڈکیتی کی طرف ہوگا۔

(۳) بھیک منگوں کی حوصلہ افزائی۔

(۴) وہ نوجوان جو غربت و تعلیم نہ ہونے اور خراب ماحول کی وجہ سے یا آوارگی کی بنا پر چھوٹی عمر سے روزگار کے لئے مکر و فریب اور چالاکیوں سے کام لیتا ہو

دوبارہ مجرموں کا علاج

قدرتی طور پر اس کے دو حصے ہوں گے (۱) جیل سے باہر (۲) جیل کے اندر۔

(الف) ان عادی مجرموں کی ٹڈی دل فوج کے لئے جو مسلسل رہائی کے زمانہ میں پبلک اور پولیس کے لئے پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور جیل میں جا کر ٹیکس دہندوں اور حکومت کے لئے بار ثابت ہوتے ہیں یہ ضروری ہے کہ ایسے طریقے نکالے جائیں جو رہا شدہ پہلی بار کے مجرم کو ایماندارانہ زندگی بسر کرنے میں معین ثابت ثابت ہوں۔ تمام طریقے تمام حالتوں میں نتیجے کے اعتبار سے ایک ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس کی خاصیت و تاثیر کسی فرد کے چال چلن اور آغاز جرم پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر جس کو اتفاقی مجرم قرار دیا گیا ہو اس کیلئے

وہی عمل نہیں کیا جائے گا جو مجرم گروہ کے ممبر کے لئے کیا گیا تھا۔ جس نے فوراً جیل میں اپنی میعاد ختم کی ہو۔ اول الذکر قیدی کی پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لئے پرول آفیسر اور امدادی سوسائٹی کی ضرورت ہوگی۔ اور موخر الذکر قیدی کے لئے مجرم گروہ کی بستی میں تبدیل کرنا ہی بہتر ہوگا۔

وقتی رہائی کا طریقہ بھی انتہائی مفید ہے۔ جیل کی زندگی قیدی کو ایسی تربیت نہیں دے سکتی جس سے وہ اپنی ذات کو آزاد زندگی کے قابل بنا سکے اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ ایک درمیانی اسٹیج اختیار کرے جبکہ آزاد زندگی کی عادت ڈالے۔ مجرم طبقوں کی بستیاں مثال کے طور پر اس کام کے لئے پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور کئی صوبوں میں بالغوں کو لائسنس کی رہائی کے نام سے وقتی رہائی کے اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ پنجاب میں یہی اصول بالغوں کے لئے رکھا گیا ہے جس کا نام "نیک چلن قیدیوں کی آزمائشی رہائی کا قانون" ہے۔

ایسی طریقہ پر عادی مجرموں کو بھی چلانا چاہیئے۔ ان کے لئے بھی زراعتی بستیاں بنانی چاہئیں۔ جس میں ان کو کھیتی باڑی کا کام مہیا کرنا چاہیئے۔ تاکہ قیدی جیل کے سیکھے ہوئے فنون سے رہائی کے بعد روزی کما سکیں۔

مجرموں کی بستیاں

صوبہ پنجاب میں گذشتہ بائیس سال سے جرائم پیشہ ٹولی کا انتظام ایک مخصوص محکمہ کے سپرد ہو چکا ہے جس میں تقریباً سولہ ہزار رجسٹرڈ اشخاص داخل ہیں۔ ان میں سے دس ہزار سے زائد جرائم پیشہ بستیوں میں نظر بند ہیں۔ جس میں ۱۶، زراعتی اور ۸ صنعتی اور ۴۔ ریفارمیٹری بستیاں ہیں جو کہ تمام پنجاب میں پھیلی ہوئی ہیں بقایا

وہ مخصوص دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ یعنی پروانہ معافی کے ماتحت آزاد زندگی کی اجازت دیدی گئی ہے۔ بستی کے قیام کے دنوں میں ان لوگوں کو ذریعہ معاش طریقے بتائے جاتے ہیں۔ اور کمسن قیدیوں کو بنیادی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے۔ اور کھیلوں پر بھی توجہ دی جاتی ہے جس سے دماغ اور جسم پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

بستی کی زندگی میں پانچ سال سے دس سال تک کے عرصہ کے بعد قیدی کو دو سال کی آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے روزگار پیدا کرنے والا کام اور سکونت کے لئے ایک مکان مل جائے۔ جو لوگ دس سال سے بھی زیادہ بستی میں رہنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ان کو زراعتی زمین کھیتی باڑی کرنے کے لئے دیدی جاتی ہے اگر وہ زراعتی کام سے واقف ہوتے ہیں۔

(ب ۱) عادی مجرم کی سزا اتفاقی مجرم سے زیادہ طویل ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے اصلاح کرنے کا موقعہ باہر کے نسبت اندر زیادہ مل جاتا ہے۔ تھوڑی سزا میں طریقہ علاج اور ان کا اثر کیسے ظاہر ہو سکتا ہے جبکہ اس مدت میں مجرم کی طبیعت کا اندازہ بھی نہ لگایا جا سکا ہو اچھے نتائج حاصل کرنے کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔

جرم کے اعادہ کو گھٹانے کے لئے ضروری ہے کہ جب مجرم حوالاتی کے طور پر دوبارہ جیل میں داخل ہو تو اس کے فیصلہ کا انتظار کئے بغیر اس کی اصلاح کے لئے قدم اٹھانا چاہئے انتظار کرنے سے بہت سا وقت اور محنت رائیگاں جائے گی۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اتفاقی حوالاتیوں کو عادی حوالاتیوں سے

زیر سماعت مقدمہ کے دوران میں علیحدہ رکھا جائے ۔ تاکہ وہ عادی مجرموں کے خطرے سے محفوظ ہو سکیں ۔ اس سلسلہ میں ہندوستانی جیلوں میں کافی اصلاح کی ضرورت ہے اور یہ اصلاح اس وقت تک قابل عمل نہیں ہو سکتی جب تک پولس اور مجسٹریٹ قیدی کی سابقہ سزاؤں کے متعلق جیل حکام کو آگاہ نہ کریں۔

اتفاقی اور عادی مجرموں کے لئے یہی مفید ہے کہ ان کی سزا کے پہلے چھ ماہ جرم کی روک تھام کے لئے صرف کئے جائیں ۔ اور اگر ان کی سزا تھوڑی ہی ہو یعنی چھ ماہ یا اس سے کم تو سزا کو جرم کے روک تھام میں لگا دینا چاہئے ۔

انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات صوبہ مدراس لفٹن کرنل کیمرن فرماتے ہیں :-

تھوڑی سزا والے مجرموں کو کوئی فن نہیں سکھایا جا سکتا یا اصلاحی اثرات سے وہ مستفید نہیں ہو سکتے ۔ اور موجودہ حالت میں معمولی سزا کوئی سزا ہی نہیں بلکہ یہ مدت محض جیل کی زندگی سے واقف کرانے کے مترادف سمجھنی چاہئے ۔ جس سے قیدی یہ خیال لے کر جیل خانہ سے باہر آتا ہے کہ آخر جیل اتنی بری جگہ نہیں، جو مجرم کو جرم کرنے کی ترغیب دیتا ہے ۔

ہم اس برائی کو ایک برکت میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں اور وہ اس طرح کہ قیدیوں کو ایسا عبرتناک سبق دیا جائے جس سے ان کو ہوش آ جائے اور وہ سمجھنے لگے کہ مجرمانہ زندگی ایماندارانہ زندگی کے مقابلہ میں تکلیف دہ ہے ۔

ہندوستان کی بہت سی جیلوں میں تھوڑی سزا والے قیدیوں کو آسانی سے

آسان مشقت دیجاتی ہے۔ جو اصولاً غلط ہے۔ اور جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جرم کی روک تھام کے بجائے جیل کی زندگی باہر کی زندگی سے بہتر ہے۔ اور قیدیوں کے موج اڑانے کے لئے ہے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جرم کی روک تھام کے اصول کو اختیار کرنے میں کافی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ناممکن نہیں۔ اور بالآخر قیدی کو اس اصول سے فائدہ پہنچتا ہے۔

عادی مجرموں کے لئے بھی سزا کا پہلا حصہ جرم کی روک تھام کے لئے ہونا چاہیئے تاکہ انھیں ڈسپلن سکھایا جا سکے۔ اور ان میں استوار فرمانبرداری اور محنت کرنے کی عادت پڑ جائے۔ اس کے بعد کسی قسم کی تربیت یا کوئی فن یا اخلاقی و روحانی تعلیم دیجا سکتی ہے۔

اتفاقی اور عادی مجرموں کے اکھٹے رہنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا علاج ان کو علیحدہ علیحدہ جیلوں میں رکھنا ہے۔ اس اصول کو ہندوستان کے تمام صوبوں میں قبول کر لیا گیا ہے۔ لیکن ابھی تمام صوبوں میں اس پر عملدرآمد نہیں ہوا ہے۔ کچھ صوبوں میں عادی مجرموں کے لئے جیلیں بنا دی گئی ہیں لیکن وہاں اتفاقی قیدی عادی مجرموں پر نمبردار کی حیثیت سے لگا دئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مفید نہیں ہے۔ جس پر توجہ دیجارہی ہے۔ اور بتدریج اصلاح پذیر ہے۔

اگر رات کو بڑی بارکوں میں قیدیوں کو رکھا جانا ضروری ہے تو عادی مجرموں پر اتفاقی مجرموں کا نمبرداری کا سلسلہ صحیح نہیں ہے۔ عادی مجرموں پر علاوی مجرموں کا ہی نمبردار لگانا چاہیئے۔ اور اس کا انتخاب نیک چلنی اور اعتماد کی بنا پر ہونا چاہیئے

نہ کہ رشوت کے بل بوتے پر۔

عادی مجرموں کی تقسیم

عادی مجرموں کو دو حصوں میں منقسم کیا جانا چاہئے، (۱) معمولی۔ (۲) ناقابل علاج۔

پہلے قسم کے معمولی عادی قیدی عام طور پر نیک چلنی اور شریفانہ طریقے سے دن گذارتے ہیں۔ اور قاعدوں اور ضابطوں پر چلتے ہوئے اپنی مشقت پوری کرتے ہیں۔ اور بہت کم تکلیف دیتے ہیں۔

دوسرے قسم کے عادی مجرم مختلف ذہنیت کے ہوتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو جیل کے ڈسپلن کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں معمولی قیدیوں سے علیحدہ رکھنا چاہئے۔ اور مخصوص طریقے آزمانے چاہئیں۔ یہ قیدی پیشہ ور مجرم ہیں جن کے خیالات سوسائٹی سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ جن کی اصلاح ناممکن ہے یا کافی محنت، کوششوں کے بعد سدھرتے ہیں۔

انگلستان میں ان ناقابل علاج عادی مجرموں کے قضیہ کو "رکاوٹی نظربندی" ( ) کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کو ۱۹۰۸ء میں ایک اسپیشل قانون کے ماتحت اختیار کیا گیا۔ جس کے بعد کیمپ ہل پرد ہائٹ جزیرے میں ایک بڑی لاگت کی جیل تعمیر کی گئی۔ جہاں ان پیشہ ور مجرموں کو رکھا گیا۔ شروع میں ان کی نظربندی لامحدود تا حیات تک رکھی گئی تھی لیکن پارلیمنٹ نے اس کو منظور نہ کیا بلکہ زیادہ سے زیادہ دس سال اور کم سے کم پانچ سال کی مدت مقرر کی اور عام طور پر عملاً پانچ سال کی ہی سزا دی گئی۔ کئی نیک چلن تین سال ہی میں رہا کر دئے گئے۔ اس جیل کی اوسط آبادی

ڈیڑھ سو ہے اور اس کے تمام قیدی پہلے کسی نہ کسی جرم کی جیلوں میں رہ چکے ہیں۔
اس جیل میں مجرموں کی اصلاح کی طرف راغب کرنے کے لیئے حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔ کچھ فالتو سہولتیں بھی ملتی ہیں۔ یا ڈسپلن ڈھیلا کر دیا جاتا ہے۔ کئی مرحلوں سے گذرنے کے بعد رہائی سے چھ ماہ پہلے "پرول لائن" پر رکھا جاتا ہے جہاں ان کا اپنا کمرہ ہوتا ہے۔ اور خود کام کرتے اور کھانا پکاتے ہیں۔ ہر قیدی پر اعتماد کر لیا جاتا۔ ہے کہ وہ فرار نہ ہوگا۔ اور نہ ان کے مشقت کی نگرانی ہوتی ہے۔ اس "رکاوٹی نظر بندی" کے طریقے میں یہ نقص ہے کہ نیک چلن مجرم دو سال میں پرول کی رعایت ملنے کے اسٹیج پر پہنچتے ہیں جس کے بعد آئندہ کے اصلاح کی امید جاتی رہتی ہے۔ پرول لائن کی مقابلت آزادی ہوتے ہوتے بھی قیدی خوش و خرم نہیں ہوتے۔ کیونکہ پرول لائن میں چار پانچ سے زیادہ قیدی نہیں ہوتے۔ تب وہ جیل کی ملنسارانہ زندگی کے بعد تنہائی کی زندگی سے اداس رہنے لگتے ہیں۔
نتائج کے اعتبار سے ۱۹۱۲ء سے لے کر (جب سے یہ جیل آباد ہوئی) اب تک اس کے رہا شدہ قیدیوں میں سے ۴۴ فیصدی قیدی دوبارہ مجرم نہیں بنے۔
گرچہ یہ تعداد کامیاب معلوم نہ دے لیکن یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ تعداد ان قیدیوں کی ہے جو انتہائی لاعلاج اور ناقابل اصلاح ہوتے ہیں اور جن کی گھٹی میں شیطنیت سما جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے رکاوٹی نظر بندی کے اصول کو قانون نے بالکل نکمہ کر دیا ہے۔

تاہم ۳۳ فیصدی کی کامیابی اس تجربہ کی تائید میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے
ہیں کہ بڑے سے بڑے قیدیوں کی بھی اصلاح ممکن ہے۔

اسی جیل کے کرنل بارکر فرماتے ہیں :-

میں کیمپ ہل کی جیل کے قیدی سے ۱۹۱۰ء میں ملا تو اس
جیل کے بارے میں اس کی یہ رائے تھی۔ اگر اسے پوچھا گیا
کہ تمہاری رہائش کا انتظام کیسا ہے تو اس نے جواب دیا بہت
عمدہ، کھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا یہ بھی
بہت عمدہ ہے اور کہا کہ جب کبھی میں کھانے پر بیٹھتا ہوں تو
یوں سمجھتا ہوں کہ خدا کا شکر ہے کہ "برطانیہ کے باشندے ٹیکس
ادا کر رہے ہیں"

ہندوستان میں بھی رکاوٹی زنجیر بندی کی ضرورت ہے خواہ وہ کسی قسم
کی ہو۔ چاہے محدود ہو یا لا محدود ہو۔ ماہران تعزیرات نے کئی بار اس پر زور دیا ہے
اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں ناقابل اصلاح مجرموں کی تعداد بھی موجود ہے جنہیں
اگر رہا کیا جائے تو مسلسل مصیبتوں کا باعث ہے ہیں اور معمولی جیلوں میں رکھا جائے
تو انتظام کو درہم برہم کرتے ہیں۔ ان کے لئے بستیاں اور جزیرے زیادہ مفید
ہو سکتے ہیں۔ مدراس کے ناقابل اصلاح قیدیوں کو کچھ سال کے لئے پورٹ بلیر
بھیجنے کی تجویز ہوئی تھی لیکن بعد میں جزائر انڈمان
میں رکھا گیا جہاں کامیابی خاطر خواہ حاصل ہوئی ہو

علاج

بقول ڈاکٹر جونسن اٹھارہویں صدی سے قبل پچاس میں یعنی ہاورڈ کی رپورٹ تیار ہونے سے پہلے انگریزی جیلوں میں تقریباً سالانہ پانچ ہزار قیدی علاج و معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے مرجاتے تھے۔ ہر سال ۲۵ فی صدی اموات ہوتی تھیں انگلینڈ کی موجودہ حالت اس سے بالکل مختلف ہے ۱۹۲۶ء میں مقامی جیلوں کی شرح اموات صرف ایک ہزار میں تقریباً تین ہیں جیل ہسپتال میں بیماروں کی اوسط تعداد سالانہ ۴۲ فی ہزار ہے۔ اس سے دگنی تعداد بیرونی مریضوں کی ہوتی ہے۔

جو بیمار خطرناک اور جیرپھاڑ کا ضرور تمند مریض ہوتا ہے اس کو سول ہسپتال بھیجدیا جاتا ہے۔ جیل کے میڈیکل افسروں کا کام بہت معمولی اور ہلکا ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بیمار کے جسمانی حالات سے ہوتا ہے۔ اور زیادہ وہ بیماری کی روک تھام کرتے ہیں۔ جیلوں کی صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ نئے داخل شدہ قیدیوں کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے اور ان کا معائنہ جسمانی ہوتا ہے۔ اور شاذ و نادر ہی ان کو کوئی نیشن اسٹیج سے گذرنا پڑتا ہے۔

اس احتیاط، اچھی غذا، مناسب کام اور ورزش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انگلستان کے ہر جیل کا قیدی باہر نکل کر جیل میں داخلہ کے وقت کی صحت سے اپنی صحت ... بہتر پاتا ہے۔

دماغی حالت اور جرم

اس میں انگلستان کے جیل ڈاکٹر قیدی کی دماغی حالت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اپنے فرائض میں اس کو دلچسپ ترین حصہ تصور کرتے ہیں وہ جسمانی صحت کی طرف بہت کم خیال کرتے ہیں۔

۱۹۲۶ء میں کم از کم ۱۵۹۵ آدمی اور ۶۹۰ عورتوں کو دماغی معائنہ کے لئے جیل میں رکھا گیا۔ ان سب کا اچھی طرح امتحان کرکے ان کے دل و دماغ کی حالت کی رپورٹ کو عدالت میں پیش کرنا مقصود تھا۔ تشخیص میں ۲۴۰ پاگل نکلے اور ۱۹۸ دماغی طور پر کمزور۔

ہندوستان میں دماغی حالت کی رپورٹ شاذونادر ہی مانگی جاتی ہے۔ اور اس قسم کا قانون بھی ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ "انگریزی دماغی کمزوری کا قانون ۱۹۱۳ء" انگلستان میں موجود ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ انگلستان دیوانوں کو پاگل خانہ میں بھیجا جاتا ہے۔ لیکن دماغی کمزوری کے غیر مصدقہ مریضوں کو جیل میں رکھا جاتا ہے۔

احاطہ مدراس میں بھی دماغی کمزوری والے لوگوں کے لئے ایک خاص جیل ہے جن میں سے منتخب کرکے گڈاپور جیل میں بھیجے جاتے ہیں اس میں تین سو کے قریب لوگوں کو رکھا جاتا ہے۔ اگر ڈاکٹر ان کی دماغی حالت کی طرف توجہ دیں تو پاگل قیدیوں کو جیل سے نکال کر دماغی نقص والے جیل میں زیادہ بھیج سکتے ہیں۔

ہندوستان کے لوگوں کی دماغی کمزوری کے مسئلہ پر ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ البتہ امریکہ اور انگلستان میں عدالتی انصاف کے سلسلہ میں بہت

کچھ کیا جا رہا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ مقدمہ اور سزا کا دارومدار ڈاکٹر کی شہادت پر ہوگا جو مجرم کی دماغی ذہنیت کے بارے میں دیجائیگی۔

ہندوستان میں بھی دماغی صحت کی ایک ایسوسی ایشن بنائی گئی ہے۔ جو ہندوستانیوں کے درمیان کام کی سکنات کا مطالبہ کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ زیادہ امید افزا میدان ہندوستان کی جیلوں میں ہی نظر آئیگا۔ اور صوبجاتی جیلخانوں کے محکمے اس قسم کی امداد کو خوش آمدید کہیں گے۔ کیونکہ غیر تفتیش شدہ مجرم سے زیادہ کسی قوم پر کوئی بار نہیں ڈالا جاسکتا۔ وہ اس کے دور کرنے میں پیش پیش نظر آئیں گے۔

ہندوستان حکومت کی یہ پالیسی رہی ہے کہ جیل کو میڈیکل افسروں کے ماتحت کر دیا جائے۔ اور مشقت، کپڑے، خوراک، اور صفائی کے نگراں بھی وہی ہوں۔ جو بیماری کے روک تھام اور علاج معالجے کے بھی ذمہ دار ہوں۔ لیکن یہ طریقہ انگلستان کے طریقہ کے بالکل برعکس ہے۔ وہاں صرف ایک جیل کا آفیسر میڈیکل آدمی ہے۔

انگلستان کے میڈیکل آفیسر کا اندازہ ہے کہ علم النفسیات کے ماہر ڈاکٹروں کی مدد سے دماغی کمزوری کے قانون کے اطلاق نے جیل کی آبادی میں روزانہ دو سو قیدیوں کی اوسطاً ایک دائمی تخفیف کر دی ہے۔ اگر اسی طرح ہندوستان میں تخفیف ہو جائے تو ہر ایک صوبہ میں ایک ایک جیل تو لازمی طور پر خالی ہو جائے گی اور اس سے جیل کے کام کو بھی فائدہ پہنچیگا کہ ان کو دماغی خرابی کے لوگ نکمہ اور ادھورا کام کر کے پریشان نہ کرسکیں گے۔

بیماروں کی جیلیں ہندوستان میں بعض بیماروں کے لئے علیحدہ علیحدہ جیلیں ہیں۔ مثلاً تپ دق کے لئے مینگیاں بر ہما میں علیحدہ جیل تھی۔ اسی طرح ترچناپلی اور بلاری (مدراس میں) پنجاب میں شاہ پور اور سی پی چھندواڑہ میں بھی تپ دق کے مریضوں کے لئے جیلیں بنی ہوئی ہیں اسی طرح کوڑھیوں کو بھی جیلوں کے خاص خاص حصوں میں علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

ہندوستانی جیل ہسپتالوں کی ناگفتہ بہ حالت مگر مجموعی اعتبار سے ہندوستان کی جیلوں میں بیماروں کا علاج انتہائی غیر اطمینان اور پریشان کن ہے۔ جانوروں کے ہسپتال میں جانوروں کا علاج جیلوں کے انسانی علاج سے ہزار درجہ بہتر کیا جاتا ہے۔ جیل کے ڈاکٹروں کو قیدیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر ہسپتال میں جب قیدیوں کے معائنہ کے لئے جاتا ہے یا قیدی ہسپتال کے داخلہ کے واسطے ڈاکٹر کے پاس آتے ہیں تو ڈاکٹر ان کا جوتوں کی ٹھوکروں سے استقبال کرتا ہے۔ خطرناک اور نازک مریضوں کو بارکوں میں گھسیٹ گھسیٹ کر لاتا ہے۔ مریضوں کے سہارے کی چیزیں دودھ اور گھی بند ہوتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ ہندوستان کی بعض جیلوں کے اسٹاف کا کوئی اچھا ریکارڈ نہیں ہے بلکہ پنجاب کی جیلیں مثلاً انبالہ، اولڈ سنٹرل ملتان جیل، لاہور سنٹرل جیل، اور لائلپور جیل اپنی لاپرواہیوں کی بدولت کافی بدنام ہیں اور طبی دنیا کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بنی ہوئی ہیں۔

چنانچہ انبالہ جیل ہی کو لے لیجئے جہاں ڈاکٹر ایم، او، کی ہدایت کے مطابق
بیماروں کو نو، نو، دس، دس روز تک نسخہ تیار کرکے نہیں دیتا۔ ان کی دیکھ بھال
نہیں کرتا اور بیماروں کو خواہ مخواہ ڈاکٹر ان کو زندگی میں موت کے نقشے دکھاتا ہے۔ اور
جو بیمار ہسپتال میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کو ڈاکٹر دھتکار دیتا ہے۔ مغلظ گالیاں
دیتا ہے۔ حتیٰ کہ انتقال سے ایک روز قبل بھی مریض کو ہسپتال میں داخل نہیں کرتا اور
اگر کرتا ہے تو کھانے کے لئے بعد از مرگ۔

غضب خدا کا اس ہسپتال میں کونین جیسی عام دوائی بھی مریضوں کو نہ دی جاتی تھی۔
اس کے لئے بیمار کو ترسنا پڑتا تھا اور جب کہیں جا کر اس کی جگہ سنکونہ جیسی نکمی دوائی
ملتی تھی۔

عبداللہ قیدی ایک سال سکنہ خواجہ باقی باللہ دہلی (شوفی) درمیان شب
۲۵۔۲۶ نومبر ۱۹۴۲ء) بھی ڈاکٹر کی غفلت کی وجہ سے فوت ہوا۔ اس نے ڈاکٹر
سے اپنا داخلہ ہسپتال میں انتقال سے ایک روز قبل کرانا چاہا مگر ڈاکٹر کے غرور نے
اس کی اجازت نہ دی۔ رات ہوئی تو مطبخ میں توسے پر روٹیاں پکاتا ہوا قے کرکے
مر گیا۔

چنانچہ اسی غرور بے توجہی کا یہ نتیجہ نکلا کہ انبالہ جیل کے ہسپتال میں نومبر، دسمبر
۱۹۴۲ء کے اندر قریب قریب اسی اشخاص کا انتقال ہو گیا۔ اور ان سات ماہ میں
کوئی دن ایسا نہیں گیا جس دن کسی کی جان نہ گئی ہو۔

اس بدانتظامی کو دیکھ کر انبالہ جیل کے ۲۵۔ پولیٹیکل قیدیوں نے مجبور ہو کر ۲۵،
دسمبر ۱۹۴۲ء کو اسی مضمون کی ایک درخواست سپرنٹنڈنٹ انبالہ جیل کی معرفت

وزیر جیل خانہ جات پنجاب کو بھی اور تحقیقات کا مطالبہ کیا جس کو سب بستے کہاتے میں ڈال دیا گیا اور ہسپتال کا نقشہ وہی کا وہی رہا۔

اولڈ سنٹرل ملتان جیل اپنی وسعت کے اعتبار سے شاندار جیل ہے اس کا میڈیکل عملہ بھی اس کی شان کے مطابق کثیر ہے۔ تین ڈاکٹر اور ایک میڈیکل آفیسر معہ کمپونڈروں کے تمام وقت کے ملازم ہیں۔ یہ عملہ اگر دو جیلوں کا انتظام کرنا چاہے تو بہ آسانی کر سکتا ہے مگر اس سے ایک جیل کا بھی انتظام نہیں ہو تا۔ بیماروں کو دوائیاں نہ دینے میں بخل اور دیر لگائی جاتی ہے۔ کسی کمزور بیمار کو مکھن لگایا جاتا ہے تو سات سات روز کے بعد (جب اس کا ڈھمہ نکل جاتا ہے) تب وہ ملتا ہی دودھ بیماروں کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ نمبردار تمام دودھ ہضم کر جاتے ہیں۔ اور ڈاکٹر اپنے ان پہلوانوں کی خاطر مدارات عجیب و غریب طریقوں سے کراتے ہیں۔ ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء کا مشہور واقعہ ہے کہ جگ لال سکنہ متھرا نظر بند ۱۲۹ ڈیفنس آف انڈیا رولز ۸۔ ستمبر کو رہا ہوئے۔ ڈاکٹر کچھ دن پہلے ان کا دودھ لگا چکا تھا۔ قاعدہ کے مطابق رہا ہونے کے بعد اس دودھ کا اندراج کٹنا چاہئے تھا۔ مگر نہیں کٹا اور وہ دودھ ہسپتال کے نمبردار کو ملتا رہا۔ نہ معلوم یہ عنایت رشوت کی مرہون منت تھی یا جود و سخا کی۔ البتہ مشہور ضرور یہ ہے کہ اس قسم کی عنایتیں رشوت اور نذرانوں کے ہی بدولت کی جاتی ہیں۔ بہر نوع اسی طرح ۸ دن تک نمبردار کو دودھ دیا جاتا رہا۔ ۱۸ ستمبر کو جب جگ لال ۲۶۔ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت دوبارہ نظر بند کیا گیا تو بھانڈا پھوٹا اور ڈاکٹر سے شکایت کی گئی۔ تو اس نے کہا ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔

ان بدعنوانیوں کی ذمہ داری میڈیکل آفیسر کی غفلت و سستی و تساہل رہے۔ وہ بمشکل تمام چھ گھنٹہ کے لئے ہسپتال میں آتا ہے اس کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر سپید و سیاہ کے مالک ہیں۔ من مانی کارروائیاں کرتے ہیں۔ بیماروں کو کپڑے اور چارپائی نہیں دیتے برہنہ رکھتے اور زمینوں پر لٹاتے ہیں۔ میڈیکل آفیسر سے شکایت کی جاتی ہے تو وہ اس کو اس طرح نظر انداز کر دیتا ہے جس طرح کالیہ اپنے آپ کو علم النفس کا ماہر سمجھتے ہوئے قیدیوں کی تکالیف کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔[۵۱]

لاہور سنٹرل جیل میں میڈیکل اسٹاف بھی دوائیوں کے استعمال کرانے میں محتاط نہیں۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں سردار دیوان سنگھ مفتوں ایڈیٹر اخبار ریاست اس جیل میں مقید تھے۔ اور گاؤٹ کے مریض تھے۔ ان کو دوائیوں کا مکسچر دیا گیا تو شیشی کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا تھا۔ جو ظاہر کر رہا تھا کہ دوائی ایک دو ہفتہ کی بنی رکھی تھی ضرورت پڑنے پر وہی اٹھا کے دیدی گئی۔ اور نیا مکسچر نہیں بنایا گیا[۵۲]

ہندوستان کی جیلوں میں کس قسم کی ادویات دی جاتی ہیں اور جیل کی ادویات کا استعمال کس طرح ہوتا ہے۔ اس کو یو۔پی کے مشہور پولیٹیکل قیدی مولانا عبدالقدیر صاحب نے اپنے ایک مضمون "جیل کی آپ بیتی" میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لائلپور جیل کی بدعنوانیوں کا خاکہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں[۵۳]:-

---

۵۱ انبالہ جیل اور اولڈ سنٹرل جیل کی بدعنوانیاں میری نظر بندی کے زمانہ میں میرے سامنے ہوئیں جن کو میں نے خود دیکھا اور تحقیق کر کے لکھا۔ ۵۲ واقعہ سردار دیوان سنگھ مفتوں نے مجھ کو خود بیان کیا۔

۵۳ اخبار تیج دہلی ۱۷ مئی سنہ ۱۹۴۲ء

ادویات جیل افسران کی نظر میں

ادویات کا معاملہ طرفہ تماشہ ہے جب تک سالانہ سپلائی نہیں ہوتی تھی اس وقت تک ہسپتال میں بہت سی ادویات نہیں تھیں۔ مثلاً سوڈا بائی کارب، سوڈا سیلیاس، گلیسرین، مکسچر امیکا وغیرہ۔ یہ نہیں معلوم کہ کب سے ختم تھیں۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو روزانہ استعمال میں آتی ہیں۔ البتہ مجھے کیواسطے خدا معلوم ہر چوتھے پہاڑ سے مل جاتی تھی۔ میرا مشاہدہ ہے کہ بیچارہ کمپاؤنڈر روزانہ کافی مقدار میں ادویات وسامان مرہم پٹی افسران کے گھر کے مریضوں کے لئے لیجایا کرتا تھا۔ اس کی حالت بقیہ غریبوں کی جوروں سے کم نظر نہیں آتی تھی۔

یونانی مفردات کا عجیب طریقہ استعمال

ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ یونانی مفردات عجیب وغریب طریقے سے استعمال کرائی جاتی ہے۔ جن میں میٹھی، نوسادر، ریوند چینی، چرائتہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ادویہ تمام چینی کے تسلوں میں کھلی رہتی ہیں۔ ایک پاؤ سے بیس پچیس پچیس بوتلیں تیار کی جاتی ہیں جنہیں نہایت فراخدلی سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان کے نمبر مقرر ہیں۔ مثلاً ۵-۲-۱ اس میں لیسی کا پانی قریب آدھ پاؤ۔ سوڈا بائی کارب ½ ۱ تولہ۔ سوڈا سیلیاس ایک تولہ ہوتا ہے۔ باقی نل کا پانی۔ یہ مکسچر زکام اور درد کے مریضوں میں تقسیم ہوتا ہے ۲-۸ میں ریوند چینی کا زلال آدھ پاؤ، سوڈا بائی کارب ۱ تولہ، پیپرمنٹ ۴ بوند۔ باقی نل کا پانی یہ مکسچر بدہضمی کے لئے ۳۰-۱۴ میں جن، آب زلال آدھ پاؤ۔ نوسادر تین ٹکیہ۔

سوڈا بائی کارب ½ تولہ ۔ باقی نل کا پانی ۔ یہ دونوں مکسچر کھانسی اور زکام کے مریض کے لئے تیار کئے جاتے ہیں ۔ اگر مریض کو ایک جز سے آرام نہ ہو تو اسے دوسرے نمبر کی بوتل سے دوا پلا دیجاتی ہے ۔

میڈیکل عملہ کی ناواقفیت

ڈاکٹر صاحب اور سول سرجن صاحب طب یونانی سے بالکل یک قلم بے بہرہ ہیں ۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ یونانی مفردات کہاں کہاں اور کس کس کے ساتھ نافع ہے ۔ اور کہاں مضر، ان کا بدل کیا ہے ۔ ان کی مقدار کیا ہے ۔ کس مزاج ، کس عمر، کس موسم اور کس حالت میں کونسی دوا دینی چاہیئے ۔ اور کس طرح ۔ یعنی جوش دیکر ۔ پیس کر ، گرم پانی میں ، بھگو کر ، پکا کر ، سفوف بنا کر ، گولی بنا کر ، وغیرہ وغیرہ طریق پر دینی چاہیئے ۔ کیا یہ علم طب یونانی ، ڈاکٹری ، انسانیت پر بیک وقت ظلم اور دھوکا نہیں ہے ۔

قیدیوں کے ساتھ رہائی کے بعد سلوک

دو سو سال کی بات ہے جبکہ جون ہاورڈ جیلوں کا سب سے بڑا مصلح پیدا ہوا ۔ اور بہت عرصہ تک اس نے اور اس کے جانشینوں نے قیدیوں کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی ۔ ان میں سب سے زیادہ کام کرنے والے انجمن احباب کے ممبران ( ) تھے ۔ جنھوں نے ۱۸۰۸ء میں قیدیوں کی امداد کے لئے ایک جماعت بنائی تھی ۔

جماعت امداد قیدیان

اس جماعت کے قیام کے بعد ہمدرد خلائق اشخاص نے اپنا وقت اور توجہ جیلوں کی اندرونی حالت کو سدھارنے میں صرف کرنا شروع کر دی ۔ لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ اندرونی جیلوں کی سدھار جب ہی کامیاب ثابت ہو سکتی ہے ۔ جبکہ رہا شدہ قیدیوں کی امداد کی جائے ۔ یہ امداد جرائم کے انسداد اور سوسائٹی کی حفاظت کے لئے لازمی ہے ۔

چنانچہ اس خیال و اصول کے ماتحت طے کیا گیا کہ ایک جماعت بنائی جائے ۔ جس کی شاخیں اطراف ملک میں پھیل جائیں ۔ اور اس کے مددگار ملک کے گوشہ گوشہ میں ہوں ۔ اور وہ رہا شدہ قیدیوں کی اعانت کریں ۔ اور رائے عامہ کی مدد سے موجودہ قانون میں مفید تبدیلی کرائیں ۔

یہ تھی ابتدا اس جماعت کی جس کا نام "رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی" ہے۔ جو انگلستان، دنیا میں کافی پھیل چکی ہے۔ اور ہزاروں لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ چکا ہے جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس میں اس صدی سے قبل اس جماعت کے سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں کلکتہ کے اندر رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی بنائی گئی۔ اور اس کے سات سال بعد بمبئی میں اس جماعت کا قیام ہوا جس کی جنگ عظیم کی وجہ سے ترقی مسدود ہو گئی۔ لیکن جنگ عظیم کے اختتام پر یہ نیک کام پھر شروع کیا گیا۔ اور سنہ ۱۹۲۲ء میں مدراس کے اندر اس جماعت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ملاری کے ضلع میں ایک مقامی سوسائٹی بن چکی تھی۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں صوبجات متوسط اور برار میں ایک سوسائٹی بنی جس میں رائے پور تنکور اور کچھ واڑے بھی شامل تھے۔ پنجاب میں سنہ ۱۹۲۰ء میں کافی مشکلات کے بعد پبلک میں جاگیرتی پیدا ہوئی اسمبلی میں سوالات کئے گئے۔ اخبارات نے نکتہ چینیاں کیں مضامین لکھے، عام جلسے کئے تب ہی جا کر مقامی سوسائٹیاں وجود میں آئیں سنہ ۱۹۲۹ء میں ان مقامی سوسائٹیوں کے نمائندوں کو جمع کر کے پنجاب کے صوبہ کی سوسائٹی کو تشکیل دیا جس کا صدر دفتر لاہور مقرر ہوا۔ اس کی شاخیں سنہ ۱۹۳۳ء تک ۴۴ کے قریب کے ضلع کی قائم ہو گئیں جن کا باقاعدہ حساب آل انڈیا امداد قیدیان کی سوسائٹی میں شائع ہوا۔ جن کو پنجاب کے صوبہ سے سنہ ۱۹۳۴ء میں ۴۔ ۳۰۹ : ۲۷ و ۱۰۔ آمدنی ہوئی۔ اور ۵۔ ۲۔ ۴ ۔ ۸۵ و ۸۔ خرچ ہوا۔

"یو۔پی میں فی الحال کوئی باقاعدہ منظم سوسائٹی نہیں ہے۔ لیکن سب سے پہلے اس صوبہ میں سنہ ۱۸۹۴ء میں سوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی پہلی میٹنگ

۲۰ فروری ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی جس کے فنڈ میں ۱۷ ہزار معززین صوبہ نے دینے کے وعدے کر لئے تھے۔ چنانچہ ہر ضلع میں چندہ ہونا اور سوسائٹیاں بننا شروع ہوگئی تھیں۔ فنڈ بھی کافی جمع ہوگیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد لوگوں نے دلچسپیاں لینا آہستہ آہستہ بند کردیں۔ صوبہ اور ضلع کی سوسائٹیوں نے بھی اپنا اپنا کام چلانا چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے اس فنڈ کو سکیورٹی میں لگا دیا۔ اور ان کو خیراتی اداروں کے خزانچی کے حوالہ کردیا۔

خزانچی کے حوالہ صرف ۴۵۵۰۰ روپیہ ہے۔ جس کا ششماہی سود انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کو دیدیا جاتا ہے جو اس کو جیلوں میں تقسیم کردیتا ہے۔ تاکہ رہائی پر قیدیوں کو کپڑے، اوزار، اور روپیہ سے امداد کی جاسکے۔ ۴۵۵۰۰ کے بڑے سرمایہ کے علاوہ لکھنؤ سوسائٹی نے بھی ایک ہزار روپیہ دیا ہے۔ گورنمنٹ بھی پندرہ سو روپیہ کی سالانہ گرانٹ دیتی ہے۔ جو مذکورہ طریقہ سے خرچ کی جاتی ہے۔

۱۹۲۲ء میں بنارس کی امن سبھا نے رہا شدہ مجرموں کی امداد کا کچھ کام کیا۔ مثلاً ان کو فیکٹریوں میں یا گھروں کی ملازمتیں دلاکر ان کی امداد کی۔ سال بھر کے بعد یہ سبھا ختم ہوگئی۔

۵ اگست ۱۹۲۴ء کو متھرا میں سوسائٹی بنائی گئی جس نے پورے سال کام کیا۔ ۱۹۳۰ء میں اٹاوہ میں ایک سوسائٹی بنی جس کو ڈھائی سو روپیہ کی صوبے کے فنڈ سے مدد دی گئی۔ اسی سال الہ آباد میں بھی سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۳۳ء میں ہردوئی اور لکھنؤ سوسائٹی ان مختلف کامیابیوں کے ساتھ

چلیں متھرا سوسائٹی کے آنریری سکرٹری نے رپورٹ کی کہ متھرا سوسائٹی محض کاغذی ہے[1]

چنانچہ وہ توڑ دی گئی۔ اب صوبہ کا تمام نظام درہم برہم ہے۔ صوبہ یوپی کو امن سبھا قسم کی سوسائٹیوں سے اس سے زیادہ اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔ جن کے بانیوں کو کوئی پبلک پوزیشن نہوں وہ جماعتوں کا ایسا ہی حشر بناتے ہیں ان کی نیتیں صاف نہیں ہوتیں جو قدم اٹھتا ہے غرض کے لئے۔ ملازمت کیلئے۔ وہ پبلک بھلائی کے لئے نہیں ہوتا۔ اس لئے آگے نہیں چلتے۔ ذرا سا لالچ قدم ڈگمگا دیتا ہے۔ آل انڈیا قیدیوں کی امداد سوسائٹی بھی ایسے لوگوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔

بڑی شان و شوکت سے ۱۱ اپریل ۱۹۲۴ء کو نئی دہلی میں سر عبداللہ المامون سہروردی ایم ایل اے، بیرسٹر ایٹ لا سے اس کا افتتاح کرایا گیا اور اس آل انڈیا سوسائٹی کے ممبر بھی ملک کے مقتدر و معزز حضرات بنائے گئے۔ صدارت کی عزت لیڈی بہور کو بخشی گئی۔ اور جنرل سکرٹری کے فرائض کو انجام دینے کے لئے مسٹر برکت رام کالیہ نے اپنا نام پیش کیا۔

جنرل سکرٹری نے ایک ڈیڑھ سال بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ یوپی کی بریلی، نینی تال، لکھنؤ، بنارس، الہ آباد اور صوبجات متوسط جبلپور، نرسنگھ پور، امراؤتی اور ناگپور کی جیلوں کا معائنہ کیا۔ بڑے بڑے گورنروں سے ملاقات کی۔

---

[1] سالانہ رپورٹ آل انڈیا امداد قیدیان سوسائٹی ۱۹۲۳ء-۱۹۲۴ء صفحہ ۳

تعلقات بڑھائے۔ اور جب مقصد عظیم ملازمت مل گئی تو یہ "مصلح اعظم" قیدیوں کی گردنوں پر مظالم ڈھانے کے لئے چڑھ گیا۔ اور تمام سابقہ دروغوں کارگزاریاں ڈرامات کر دیا۔ نہ کوئی آل انڈیا سوسائٹی رہی اور نہ اس کا خیال، انگلینڈ کی ہوا کھانے کے بعد قیدیوں کے لئے مفروضہ ہمدردانہ نعرے بھی ختم ہوئے۔ اور اس کے برعکس قدم اٹھنے لگا۔

چنانچہ اب اس آل انڈیا سوسائٹی کا عرصہ سے کوئی اجلاس بھی نہیں ہوا۔ نہ کوئی اس کی میٹنگ ہوئی۔ کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ ضرورت ہے کہ سوسائٹیوں کو خود غرض لوگوں سے محفوظ رکھا جائے۔

ان تمام ہندوستان کی سوسائیٹیوں میں مفید و کامیاب سوسائٹی مدراس کی رہی۔ اس صوبہ میں غیر سرکاری لوگوں نے بھی دلچسپی لینا شروع کر دی۔

قیدیوں کی رہائی کے بعد کیا حالت ہوتی ہے اور ان کی زندگی کیسی بے بسی سے گذرتی ہے اس کا صحیح اندازہ اخبار "اسٹیٹسمین" کی مندرجہ ذیل خبر سے لگایا جا سکتا ہے۔ خبر یہ ہے:۔

ستیش چندر رائے جس کو رہا ہوئے ابھی دو دن ہی گذرے تھے اس کو دوبارہ عدالت سے چھ مہینہ با مشقت کی سزا ہوئی ہے کیونکہ وہ بلیا گھاٹ میں ایک مکان سے دو شالہ چرا کر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا جو پکڑا گیا۔

ملزم نے بیان دیا کہ وہ جب سے جیل سے رہا ہوا ہے وہ اس وقت سے بھوکوں مر رہا تھا۔ اس لئے چوری کرنے پر مجبور ہوا۔"

یہ حقیقت ہے کہ جیل سے باہر جا کر قیدی کی نہایت ناگفتہ بہ حالت ہوتی ہے وسیلے وسیلے سے محتاج، نہ پہننے کو کپڑا نہ ٹھہرنے اور رہنے کو کوئی جگہ، بے سہارا و بے بس ہوتا ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے۔ مجبوری دوبارہ جرم کا خطرہ دلواتی ہے۔ جس سے پبلک اور پولس دائمی پریشانیوں کا شکار بنتی ہے۔ اگر اس کی شادی کی جائے یا وہ شادی شدہ ہو تو اغلباً اس کی اولاد بھی جرموں میں پرورش پائیگی اور مجرم بنے گی۔
اس قسم کے مقدمے صرف بنگال ہی میں نہیں ہوتے بلکہ ہر اس جگہ ہو سکتے ہیں جہاں کوئی قیدیوں کی امدادی سوسائٹی نہ ہوگی۔ اور قیدیوں کی اعانت پر کوئی توجہ نہ دے گا۔

ہندوستانی جیل کمیٹی کے ممبران اپنی رپورٹ میں اس بات پر مصر رہیں کہ رہائی کے بعد قیدیوں کی امداد کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنی رپورٹ کے باب ۱۴ پیرہ ۲۵۲ میں فرماتے ہیں :-

رہا شدہ قیدیوں کی امداد و رہبری کے لئے ایک قابل و مخلص جماعت کی ضرورت ہے اس امر کو عام شائستہ اور مہذب ملک نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی مصنف لکھتا ہے۔
ہماری اصلاحات رائیگاں ہونگی اگر قیدی کو رہائی کے بعد ایک دم جیل سے باہر نکال دیں گے۔ جبکہ زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کے۔ نہ کوئی اعانت، نہ امداد قیدی کو حاصل نہ ہو۔
مسٹر ... اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں :-

مجرم کی زندگی میں وہ لمحہ زیادہ خطرناک نہیں ہوتا جبکہ اُسے
سوسائٹی سے علیحدہ کر کے قید میں مقید کیا جاتا ہے بلکہ وہ لمحہ انتہائی
پریشان کن ہوتا ہے جبکہ وہ جیل کے دروازوں کے کھلنے پر دنیا
میں واپس آتا ہے۔ اور اپنا کیرکٹر کھو چکا ہوتا ہے۔ اور خوشیوں
سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جن کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ وہ مہینوں
سالوں کی قید کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد پریشان حالی
میں لوگوں کے درمیان آ کر کھڑا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کی جیب میں کوئی
پیسہ نہیں جس سے وہ اخراجات کو بھی پورا کر سکے۔

یہ چیزیں ہندوستان میں اتنی صحیح ہیں جتنی کہ دوسرے ممالک
میں قیدیوں کو رہا ہو کر کام کی تلاش میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں انکی
انفرادی کوشش بیکار جاتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اب
مناسب منظم سوسائٹی کا وجود عمل میں آ گیا ہے جس سے رہا شدہ قیدیوں
کی امداد حاصل ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ ان کی ترقی دینے کے لئے
جلد قدم اُٹھانا چاہیئے۔"

اس مفید کارآمد کام پر بہت سے ناواقف لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں ان کا
کہنا ہے کہ اس قسم کے سوسائٹی کی ضرورت نہیں ہیں اور نہ گنجائش ہے
حالانکہ ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہر سال یوپی کی جیلوں سے کم و بیش تیس ہزار
قیدی رہا ہوتے ہیں اور ۱۹۳۶ء میں صوبہ مدراس کی جیلوں سے ۶۲۱۴۲ قیدی رہا
ہوئے جن میں "۲۰۴۵" قیدی ایسے تھے جو پہلے قید کاٹ چکے تھے۔ اگر ان کی

معقول مدد کی جاتی تو وہ ہرگز دوبارہ جرم کے مرتکب نہ ہوتے اور ان کی کافی تعداد دوبارہ جیل خانے سے محفوظ رہ جاتی۔

ستیش چندر رائے کی مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے حسب ذیل امداد پر غور کیجئے جو مختلف صوبوں، ضلعوں کی سوسائیٹیوں کے ذمہ دار لوگوں نے رہا شدہ قیدیوں کے ساتھ کیں ــــ مدراس سوسائٹی کی رپورٹ ۴۲ء ملاحظہ ہو۔[۵]

(۱) ایک سابق بورسٹل جیل کے قیدی کو ۴۴ روز تک سوسائٹی نے کھانا کھلایا اور کوشش کرنے کے بعد میڈیکل ہسپتال مدراس میں وارڈوں کی جگہ ملازمت دلوائی۔

(۲) ایک عارضی قیدی کو ایک ریسٹورنٹ میں اٹھارہ روپیہ کی ملازمت ملی
(۳) ایک بورسٹل قیدی کو بینی اینڈ کمپنی لمٹیڈ میں قلی کی ۱۵ روپیہ پر نوکری ملی۔
(۴) ایک سابق قیدی کو بارہ روپیہ کی مِل میں سوسائٹی نے ملازمت دلوائی اور ساتھ ہی اس کی بیوی کی ملازمت کی کوشش کی چنانچہ دونوں ملازمت کی وجہ سے خوش و خرم ہیں۔
(۵) ایک مسلمان کو بھوانی ہسپتال میں ملازم کرایا۔ مدورا میونسپلٹی میں ایک بورسٹل قیدی کو بھنگی کی ملازمت دلوائی۔ اور دوسرے بورسٹل قیدی کو برہمپور

---

[۵] آل انڈیا ایڈ یا امداد قیدیان سوسائٹی رپورٹ ۴۵ء ۴۴ء ۴۳ء ۴۲ء ۵۱ء ۴م

جیل میں وارڈر کی جگہ ملازم کرایا۔ اور ایک سابق قیدی کو کوٹلا میں موٹر ڈرائیوری کی جگہ دلوائی۔

یو پی کی سوسائٹی نے ۱۹۳۴ء میں ۲۹۔ رہا شدہ قیدیوں کو ملوں، ناگپور میونسپلٹی اور ایسے ہی اداروں میں ملازم کرایا۔ جورج بکس قیدی جس کو ۴۰۸ کے ماتحت سزا ہوئی تھی اور جس کے دو بچے اور ایک بیوی تھی اس کو مئی ۱۹۳۴ء میں دس روپے، جون میں پانچ روپیہ۔ جولائی میں دس روپے اور لکھنؤ جانے کے لئے اٹھارہ روپے دئے [۵ل]

ان امدادوں کے نتائج پر نظر ڈالئے۔ کیا وہ قیدی جس کی ۴۴۔ روز سوسائٹی نے کھانے کی امداد کی ہو وہ بغیر امداد کے جرم سے بچ سکتا تھا۔ کیا جن قیدیوں کو سوسائٹی نے ملازم کرایا اگر وہ ملازم نہ ہوتے تو جیل کا رخ نہ کرتے کرتے اور ضرور کرتے۔ لیکن ان کے لئے ان کے بھائیوں کی ہمدردی سد راہ ہو گئی ایسی مفید تدبیر کی مخالفت کرنا مناسب اور صحیح نہیں۔

لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف چند غیر سرکاری لوگوں پر اتنے اہم کام کی ذمہ داری سونپ دیجائے اور اس ذمہ داری سے حکومت اپنے آپکو سبکدوش کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امدادی سوسائٹیاں قیدیوں کے لئے رہبری کا کام دے سکتی ہیں۔ اور انتہائی مفید بھی بن سکتی ہیں مگر مکمل طور پر نہیں۔ یو پی کی سوسائٹی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح کی بد انتظامیوں کا شکار قیدیوں

[۵ل] رپورٹ آل انڈیا امداد قیدیان سوسائٹی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۹۰۲

کو نہیں بنایا جا سکتا۔ جماعتوں کے تجربے ظاہر کرتے ہیں کہ قانون کے مقابلہ میں وہ آزاد ہوتے ہیں۔ وہ انتظام مکمل بھی کر سکتے ہیں اور نامکمل بھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت ہند اپنے سابقہ تجربہ پر عمل درآمد کرانے کے لئے صوبجاتی حکومتوں کو مجبور کرے کہ وہ قیدیوں کو آئندہ سے سوا روپیہ ماہوار دینا لازمی کر دے تاکسی طریقے سے کوئی قیدی امداد سے محروم نہ رہ سکے۔ اور جرم کی طرف مائل نہو۔

پولیٹیکل قیدی[1]

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ملک کی آزادی کی جدوجہد میں جو شخص حصہ لیتا تھا۔ اور آزادی کی حصول کے لئے خلافِ قانون حرکت کرتا تھا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو چور، بدمعاش اور ڈاکو کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور نہ اس کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ تفتیش میں جس طرح چور پر مار پڑتی تھی اسی طرح پولیٹیکل لوگوں کو کوٹا جاتا تھا۔ اور مار کے بل پر اقبالِ جرم کرانے کی کوشش کی جاتی تھی۔

چنانچہ مولانا محمد جعفر تھانیسری جو ۱۸۶۳ء میں تحریک وہابیان کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے تھے اپنی تصنیف "کالے پانی" میں اپنی زد و کوبی کا حال لکھتے ہیں :-

> دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب وغیرہ میری کوٹھڑی میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتا دو تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا۔ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا

---

[1] وقت اس عنوان پر آزادی کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ چھونے کے برابر جو کچھ لکھا جا سکتا ہے وہ حاضر ہے۔

اسوقت پارسن صاحب نے مجھکو بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ جب میری مار حد کو پہنچی اور گر پڑا تو وہ باہر چلے گئے۔ اگلے دن جب میں رونے سے تھک علی الصبح پارسن صاحب پھر آیا اور دہی کا رروائی شروع مگر تھوڑی زدوکوب کے بعد مجھکو اپنی بگھی میں بٹھلا کے ہائی صاحب کے بنگلے میں لیگیا انہوں نے میری خوشامد کی انکار کرنے پر ایک کمرے میں لے گئے جہاں لیجاکر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک لکھوں آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو۔

کھانا

پولٹیکل قیدیوں کی بھی یہی حالت تھی ان کو عام قیدیوں کی طرح رکھا جاتا تھا۔ کھانا بد ترین قسم کا ملتا تھا۔ صاحب تواریخ عجیب نے جیل میں جیسا کھانا کھایا اس کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

دو روٹیاں اور تھوڑا سا ساگ میرے حوالے کیا گیا۔ ساگ میں سوائے موٹے موٹے ڈنٹھلوں کے پتی کا نام نہ تھا۔ جن کا چبانا بھی دشوار تھا روٹیوں میں قریب چوتھائی کے بالو اور مٹی ملی تھی۔ اس کے بعد اکثر جیلخانوں میں وقتاً فوقتاً رہ کر دیکھا تو سب جگہ قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا۔ کیونکہ قیدیوں کو در اصل جو خوراک ملتی ہے اس سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب ان کو گیہوں پیسنے کیلئے دئے جاتے ہیں تو وہ مارے بھوک کے سیر دو سیر گیہوں چبا جاتے ہیں یا کچا آٹا پانی میں گھول کر پی لیتے ہیں اور آٹے کا وزن پورا کرنے کے واسطے آٹے میں بالو یا مٹی ملا

دیتے ہیں اور اسی طرح جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا ہوتی ہے اس کو جیل کے عہدیدار کھا جاتے ہیں۔ ناکارہ ڈنٹھل جن کو جانور بھی نہ کھائیں گنڈاسوں سے کاٹ کر قیدیوں کے واسطے پکا دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ عام قیدیوں کے مقابلہ میں پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ انتقامانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اور ارادتاً ذلیل کرنے کے منصوبے گانٹھے جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء میں لاہور سنٹرل جیل کے اندر پولیٹیکل قیدیوں کا جو چالان گیا تو ان پر یہ عتاب ہوا۔

کل قیدی ایک ایک قطار کر کے دروازہ پر بٹھا دئے گئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے ان کا معائنہ کر کے غصہ کے ساتھ حکم دیا کہ ایک ایک آڑا ڈنڈا بھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈالدو چنانچہ ایک آڑا ڈنڈا جو ایک فٹ ۵ گرہ سے زیادہ لمبا ڈالدیا گیا۔ یہ حکم از راہ تعصب فقط ہم لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا تھا۔ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال تھا۔ (کالا پانی ص۲۹)

لباس لباس عجیب وغریب ہوتا تھا۔ گیرا اور کمبل کا کرتہ پاؤں میں بیڑی او رسان خطا کر دیتے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اگر ڈاڑھی ہے اور کوئی مشرع مسلمان ہے تو اس کی ڈاڑھی قینچی کی نذر کر دی جاتی تھی

چنانچہ جیل میں داخلہ کے بعد مولنٰنا محمد جعفر تھانیسری کو ۔ سب سے پہلے یہ رنج
ذرسا سانحہ پیش آیا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ڈاڑھی مونڈنے کا دستور

جیل خانے کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ تراش کر منڈی بھیڑ سا بنا دیا اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے گرے ہوئے بالوں کو اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

کاغذ کوٹنے کی مشقت

مشقتوں میں بھی پولیٹیکل قیدیوں کو سخت سے سخت مشقت دیجاتی تھی۔ کاغذ کوٹنے کی ڈھینکلی کا کام جو جیل میں سب سے زیادہ سخت کام تھا اس کے دینے میں بھی جیل افسران گریز کرتے تھے۔ سوت کھولنے اور ردّی کاغذ کے پھاڑنے کی مشقت تو عام طور پر دیجاتی تھی۔

پیدل چالان

جب قیدیوں کا چالان ایک جیل سے دوسری جیل میں جاتا تو ان کو جیل سے اسٹیشن تک لے جانے کے لئے پیدل راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ جس کا منظر یہ ہوتا تھا۔

"پاؤں میں بیڑی، سر پر بستہ جس کو ایک ہاتھ سے تھامے
ہوئے اور دوسرے ہاتھوں میں ہتکڑی کی گلجوٹ، اس پر
سپاہیوں کی مار مار، کہ جلدی جلدی چلو ریل چلی جائیگی"

نمک نکلنے پر بید کی سزا

سزائیں بھی معمولی معمولی خطاؤں پر دیجاتی

تھیں۔ تلاشی ہوتی اور ذرہ سا نمک بھی نکل آتا تو بیدیں لگائی جاتیں اور لہولہان ہونا پڑتا تھا۔ غرض کہ وہ طریقہ جو ایک عام قیدی کے ساتھ برتا جاتا تھا وہ پولیٹکل قیدیوں کے ساتھ بھی کیا جاتا تھا۔ انسان اور جانور برابر تھے۔ ہیرہ اڈھئی ایک دام وں بکتا تھا۔

یہی صورت و حالت ۱۸۶۳ء میں ہی نہیں بلکہ ۱۹۰۸ء میں بھی قائم تھی۔ ہندوستان کے مشہور قوم پرست لیڈر مولانا حسرت موہانی کے ساتھ جیل میں جو سلوک ہوا اس کو مولانا موصوف نے اپنے رسالہ میں اس طرح لکھا ہے۔

۴۔ اگست ۱۹۰۸ء سے قید سخت کا آغاز اس

۱۹۰۸ء کا لباس

طرح ہوا کہ کچہری سے جیل واپس بھیجتے ہی ایک لنگوٹ ایک جانگیا اور ایک کرتہ ایک ٹوپی۔ پہننے کو۔ اور ایک ٹکڑا ٹاٹ کا اور کمبل اوڑھنے بچھانے کے واسطے اور ایک قدح آہنی بڑا اور ایک چھوٹا دیگر جملہ ضروریات کو رفع کرنے کی غرض سے مرحمت ہوا۔ ان چیزوں کے سوا قیدیوں کو اور کوئی شے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ابتدا میں بحالت نیم برہنگی فریضہ نماز کے ادا کرنے میں تکلیف ہوتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اپنی مجبوری و بےبسی کے احساس نے اس کا بھی خوگر بنا دیا۔

جیل کی سخت ترین مشقت چکی سے پہلے ہی روز سابقہ پڑا اور راقم نے بمصداق بر سر اولاد آدم ہر چہ آید گذرد اس جبری خدمت کو بسر و چشم قبول کیا۔ اور تقریباً ساری مدت روزانہ ایک من آٹا پیسنے سے سروکار رہا۔ حالانکہ عام قیدیوں سے بھی عموماً چکی ایک یا دو ماہ سے زیادہ نہیں پسوائی جاتی۔

ریل کا کرایہ علی گڑھ سے الہ آباد جیل کی روانگی اور وہاں پہنچنے پر جو تکالیف کا سامنا ہوا اس کی نسبت "مشاہدات زندانِ فرنگ" کے تحت میں مولٰنا تحریر فرماتے ہیں۔

گورنمنٹ نے کرایہ کے علاوہ دوسری ضروریات کے لئے ایک پیسہ زائد نہیں دیا۔ یہاں تک کہ راستے میں قیدیوں کی خوراک کے لئے ایک آنہ فی روز کے حساب سے ملتا ہے۔ وہ بھی نہیں ملا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن صبح تک تھوڑے سے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملا۔

کثیف و غلیظ بدبودار کپڑے الہ آباد جیل میں داخل ہونے کے بعد علی گڑھ جیل کے کپڑے اتروا لئے گئے اور کہا گیا کہ کپڑے کچھ دیر میں ملیں گے اس وقت تک کالے کپڑے پہنو جن کی کیفیت یہ تھی کہ ان سے زیادہ کثیف و غلیظ اور بدبودار کپڑوں کا تصور بہ آسانی ذہن میں نہیں آتا۔ لیکن مجبوراً ویسی کپڑے پہننے پڑے۔

کتابیں جلانا عینک بھی اتروا لی گئی۔ حالانکہ علی گڑھ میں معائنہ کے بعد اجازت مل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جیلر صاحب نازل ہوئے اور میرے ساتھ کے تمام اخباروں، کتابوں اور کاغذوں کو باستثنائے دیوانِ حافظ جلوا کر خاکستر کر دیا اور دفتر میں حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

منتقمانہ سلوک دفتر میں مجھ کو غضب آلود اور قہر بار نگاہوں سے دیکھ کر ارشاد ہوا کہ "اگر یہاں ٹھیک طور سے نہ رہو گے تو

اسپتال بھجدئیے جاؤگے۔ اور وہاں مارکر خاک کردئیے جاؤگے"

اس کے علاوہ ان دفعداروں کو جو قیدیوں سے کام لینے
میں حکم ملا تھا کہ ان کے دماغ کی گرمی نکال دو۔

چنانچہ گرمی نکالنے کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا کہ کچا غلہ کھانے کے الزام میں پیشی کرائی گئی جس میں تین دن کی رہائی ضبط کی اور اس کے بعد خراب چکی دیکر غلہ کم پیسنے کے جرم میں دو دن کے لئے رات کو ہتکڑیاں ڈالنے کا حکم ہوا یہ سب کچھ وارڈروں کی معرفت ہوتا تھا۔ اس کا علم سپرنٹنڈنٹ کو کچھ نہ تھا۔ مولنا لکھتے ہیں :-

"میں چاہتا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ سے سب حال کہدوں لیکن برقنداز کو
پیٹی اتار کر زدوکوب پر آمادہ پاکر میں نے خاموشی اختیار کی
اور معاملے کو خدا کے سپرد کیا"

برہنہ کرکے تلاشی لینا

جوں جوں قید کے ایام گذرتے تھے مولنا پہ سختی ہوتی جاتی تھی۔ اور نائب جیلر تانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ کتابوں کا پڑھنا، کتابوں کا رکھنا حتی کہ شاعری کی بیاض کو چھونا جرم تھا۔ ایک پڑھے لکھے اور عالم و فاضل انسان کے لئے علم و فنون کی یاد تازہ کرنا بڑا پاپ سمجھا جاتا تھا۔

مولنا کے دوست منشی عبدالحق جو شعر و شاعری سے ذوق رکھتے تھے ایک روز اپنے ہمراہ متفرق اشعار و غزلیات کا ایک مجموعہ لے آئے۔ جسے جیل پولیس کے خوش مذاق قیدی نے اپنے دل بہلانے کے لئے مرتب

گیا تھا۔ وہ بیاض مولانا کو دکھائی۔ مولانا اس کو دیکھ کر مسرور ہوئے مگر اس واقعہ کی اطلاع کسی نے نائب جیلر سے کر دی۔ وہ دفعتاً کئی برقندازوں کے ہمراہ چکی خانہ میں آیا۔ اور فرداً فرداً ہر قیدی کو بالکل برہنہ کر کے تلاشی لی، مطلب تو اس کا مولانا پر الزام لگانا تھا۔ مگر مولانا کے پاس کچھ نہ نکلا مگر اس بہانے وہ ان کو برہنہ کر کے اپنی کم ظرفی کا ثبوت دے گیا۔

پخانہ پر پہرہ اس زمانہ میں خوراک کی بھی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جوار، باجرہ، ماش اور گیہوں کے مخلوط آٹے کی کچی روٹی دیجاتی تھی۔ جس میں گیہوں کی مقدار سے کچھ ہی کم مٹی یا چونہ ملا ہوا ہوتا تھا۔ روٹی کچی ہوتی تھی اور قانوناً ۹ چھٹانک وزن کے ملنے کے بجائے چھ چھٹانک وزن کی روٹی ملتی تھی جس کو مولانا حسرت نے ایک مرتبہ تول کر دیکھا۔ سبزی بھی انتہائی نفرت زدہ ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر رات کو پخانہ کرنے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا جس سے بعض اوقات سخت تکلیف ہوتی تھی مولنا فرماتے ہیں:۔

صبح کو جب بارک کا دروازہ کھلتا ہے۔ تو سب قیدی ایک ساتھ پاخانے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیدھے قیدیوں کو آخر تک منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی جب گھنٹی سے کام لیا جاتا ہے۔ تو اور بھی زیادہ وقت کا سامنا ہوتا ہے۔ کیونکہ گھنٹی دو تین منٹ سے زیادہ پاخانے میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی جس کے بعد بلا توقف باہر نکل آنا چاہئیے۔ اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کل قیدی

فارغ ہوئے ہوں یا نہ ہوں۔

مشقتیں ۱۹۰۸ء میں عام قیدیوں کی طرح پولیٹیکل قیدیوں سے کھولو چلانا، کنواں کھینچنا، مونج کوٹنا، چکی پیسنا، بان بٹنا وغیرہ مشقتیں لیجاتی تھیں۔ اور مشقتیں پوری کرانے میں جیل کا تمام عملہ پولیٹیکل قیدیوں کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ اور اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ پولیٹیکل قیدیوں کو ایک لمحہ بھی چین سے نہ بیٹھنے دیئے۔

کھولو چلانا انہی غیر شریفانہ سلوک لو بہیمانہ مشقتوں کا ذکر اراہندو گھوش کے بھائی برندر کمار اپنی جیل آپ بیتی میں کرتے ہیں ۔ سلہ

نئے سپرنٹنڈنٹ نے آتے ہی پولیٹیکل قیدیوں کو کھولو میں جوت کر تیل نکالنے کا نیا دھندا پیدا کیا۔ ایک آدمی کو دن میں ۱۵ سیر سرسوں کا تیل نکالنا پڑتا تھا۔ بڑے بڑے پہلوانوں کے بھی کھولو چلانے میں دم ٹوٹ جاتے تھے۔ پوری بیوائی تھی۔ آٹھ دس منٹ میں دم چڑھ جاتا تھا۔ اور حلق سوکھنے لگتا تھا۔ گھنٹے بھر میں تو ہاتھ پاؤں مٹی ہو جاتے تھے۔

نند گوپال پنجابی کھتری لو لمبے چوڑے جوان تھے۔ بغاوت کے جرم میں دس سال کے لئے کالے پانی بھیجے گئے تھے۔ یہ "الہ آباد" سوراجیہ کے ایڈیٹر تھے جب کولہو چلاتے چلاتے تھک گئے۔ تو انھوں نے انکار کیا سپرنٹنڈنٹ

نے دیکھا کہ نند گوپال سے پندرہ سیر تیل نکالنے کی امید نہیں ہے۔ اس لئے پاؤں میں ڈنڈا بیڑی ڈالکر تا حکم ثانی زبر تکلیف تنہائی کوٹھری میں بند کر دیا۔

رکھشا چلانا ادھر کولہو چلاتے چلاتے اوناش چندر ادھ مرا ہو گیا۔ دس بجے کے بعد اس کی کام کرنے کی طاقت ہی زائل ہو جاتی تھی اعصاب بے حس ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ہمارے ساتھیوں کی صحت خراب ہونے لگی جس پر جیل کے افسروں نے حالت کو تبدیل کرنا ضروری سمجھا۔ اس لئے ہم میں سے چند ایک کو انتخاب کر کے کا ردنیشن دربار کے کام پر جیل خانے کے باہر عمارت کے کام پر بھیجا۔ بریندر کمار کو مستری کے پاس گارا دینے کے کام پر بھیجا گیا۔ الاسکر کو اینٹ بنانے اور کسی کو لکڑی کاٹنے کے کام پر روانہ کیا۔ کسی کو رکھشا گاڑی کھینچنے پر لگایا گیا۔ یہ مشقت کالے پانی کے قیدیوں سے بلا روک ٹوک اور بلا جھجک لی جاتی تھی۔

یہ دور ایسا تھا جس میں پولیٹیکل قیدی پر کوئی رحم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ افسران جیل ہم پر سختیاں کرنے کو اپنی ترقی، وفاداری کا باعث سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ حکومت کے باغی جس قدر ستائے جائیں گے اور پریشان کئے جائیں گے۔ اسی قدر حکومت کی ہم پر نظر عنایت ہو گی۔ اور ہم اونچے مدارج پر پہنچیں گے۔

پتھر پھوڑنا چنانچہ مسٹر اچیت راؤ وکیل ایڈیٹر اخبار ناگپور پر جو سختیاں کی گئیں وہ اس نظریہ کی شاہد ہیں۔

آپ کو شروع میں ہی پتھر توڑنے کا کام دیا گیا۔ ایک قیدی کو ہر روز

چھ مربع فیٹ پتھر کے ٹکڑے توڑنے پڑتے تھے ہتھوڑی کی چوٹ سے انگلیاں پھوٹ پھوٹ کر علیحدہ ہو جاتی تھیں۔ پتھر کے ٹکڑے پٹک پٹک کر جسم کو زخمی کر دیتے تھے۔ اگر کہیں دانت اور ہونٹوں میں لگ جاتا تو جہنم میں کپکپی آ جاتی تھی۔ چنانچہ یہی حال وکیل صاحب کا ہوا۔ وہ کچھ عرصہ کے بعد روٹی پکانے، چکی پیسنے، کی مشقت پر لگائے گئے ان مشقتوں میں ان کے ساڑھے پانچ ماہ گذر گئے۔ جیل افسران بھی ان سے غافل نہ تھے بیس رپورٹیں کر چکے تھے جس کے نتیجے میں وکیل صاحب ہتھکڑی، بیڑی، ڈنڈا بیڑی، کھڑی ہتھکڑی اور ٹاٹ وردی کی سزائیں پا چکے تھے۔

ٹاٹ وردی کی سزا

ٹاٹ وردی کی سزا میں ان پر کیا گذری یہ انکی قلم سے سنیئے۔

مارچ، اپریل اور مئی کے مہینوں میں صوبہ متوسط میں بڑی سخت گرمی ہوتی ہے لیکن ان تینوں ماہ مجھے بدقسمتی سے ٹاٹ وردی پہننی پڑی جن قیدیوں کو ٹاٹ وردی کی سزا دی جاتی ہے انھیں ناگپور جیل میں ٹاٹ کا کرتا اور ٹاٹ کا ہی لنگوٹ دیا جاتا ہے۔ دوسرے قیدی اپنی مرضی کے مطابق اپنا کپڑا گرمی میں اتار سکتے ہیں لیکن ٹاٹ وردی والوں کو ۲۴ گھنٹے برابر یہ ٹاٹ کی کاٹنے والی پوشاک پہنے رہنا پڑتا ہے۔ ٹاٹ وردی پہنے ہوئے پسینہ میں انکی نوکدار چبھن بدن پر چبھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سوئیوں کے فرش پر سو کر نیسایا کر رہا ہے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے

ٹاٹ کے کانٹے بدن میں چبھتے تھے اس پوشاک سے سچ مچ میں
ایک چلتا پھرتا دوزخ معلوم ہوتا تھا۔

اپریل، مئی کے دن جلتی ہوئی دھوپ کی گرمی، کانٹوں
سے چھلنی ہوا بدن، جسم پسینہ سے تر بتر۔ نہانے کا نام نہیں،
پسینہ پونچھنے کے لئے بھی پاس کو رومال یا انگوچھا نہیں ایسی
حالت میں خیال کیجئے کہ کتنا عذاب سہنا پڑا ہوگا۔ ٹاٹ کے
کپڑے میں پسینہ کی بو کی سبب سینکڑوں قسم کے کیڑے اور جوئیں
پڑ گئی تھیں جسم کے تمام حصوں پر جوئیں لام باندھے دوڑتی اور
خون چوستی تھیں اس بدبو کے سبب روٹی کھانے کو بھی دل نہ
چاہتا تھا۔

جسم پر ٹاٹ کی وردی تو پہلے ہی نصب ہو گئی تھی اسی
وقت پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال دی گئیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ
یہ ہوا کہ مجھے بخار آنے لگا۔ ساری رات بخار رہتا تھا۔

خودکشی یہ ظالمانہ اور جابرانہ مشقتیں یہ فرعونی سختیاں کون برداشت کر سکتا
تھا۔ چنانچہ بعض غیر تمند پولیٹیکل تمنذی سب بے عزتی اور گالیوں سے
گھبرا کر خودکشی کو بہتر سمجھتے تھے چنانچہ بابو اپندر کمار ایسے مواقعوں کا ذکر اپنی
آپ بیتی میں کرتے ہیں۔

اس وقت ایک ہیبتناک واقعہ ہوا اندو بھوشن نے خودکشی کرلی۔ اس کا مضبوط جسم، سخت سے سخت کام میں کبھی نہیں گھبرایا لیکن وہ بے عزتی اور گالیوں سے پاگل ہو جاتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ اس بے عزتی سے جینا میرے لئے ناممکن ہے۔ ایک دن رات کو اپنا کرتا پھاڑ کر اسے رسّی بنائی اور کھونٹی سے باندھ کر گلے میں پھندا ڈال لیا۔"

پاگل پن پاگل بننے کی نسبت بھی سن لیجئے، کس طرح پاگل اور دیوانے بنائے جاتے تھے۔

اسوقت جتنے قیدی باہر گئے تھے جیل میں واپس آنے لگے، کچھ تو اس لئے کہ باہر کام عمارت کا ختم ہوگیا تھا اور کچھ بیمار ہوکر، الاسکر دت بھی واپس آگیا۔ اسے دھوپ میں بیٹھ کر اینٹ بنانے کا کام دیا گیا تھا۔ ۱۴ گھنٹے دھوپ میں بٹھا کر الاسکر سے اینٹیں بنوائی گئیں آخر تنگ آکر اس نے کام سے انکار کیا اس لئے اسے واپس جیل بھیجا گیا۔ یہاں اسے سات روز تک ڈنڈا بیڑی لگا کر کھڑا کیا گیا۔ وہ بیچارا پہلے دن ہی بخار کے زور سے بیہوش ہوگیا اسے ہسپتال بھیجا گیا۔ رات کو اس کا بخار ۱۰۶ ڈگری تک بڑھ گیا۔ بخار اترا لیکن اب وہ الاسکر نہ تھا سخت سے سخت مصیبتوں میں جس کے منہ سے اُف نہ نکلتی تھی وہ الاسکر پاگل ہوگیا۔

۱۹۱۵ء میں پولیٹیکل قیدی بھائی پرمانند جی ۱۹۱۵ء میں اسی سلوک کا ذکر کرتے ہیں

ان کے دور میں بھی پولیٹیکل قیدی کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اور جیل کے نمبرداروں کو ہدایت کر دی جاتی تھی کہ پولیٹیکل قیدی، اچھوتوں کی طرح کسی قیدی سے بات نہ کریں اور جب کھانا کھاتے تھے تو عام قیدیوں سے الگ بٹھائے جاتے تھے۔ حالانکہ عام قیدی سب مل جل کر کھاتے تھے۔

خراب کھانا اور جودار کپڑے

کھانے میں خراب دال، سوکھی اور سڑی ہوئی دو روٹیاں جو کی ریتدار اور کچرے چاول، پتے اور گھانس دار سبزی ملتی تھی اور مشقت میں چکی۔ جس کو بھائی جی نے بھی چلایا اور پھانسی کوٹھری میں رہے جو سنگین مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ چنانچہ روٹی اور کپڑوں کے سلسلہ میں بھائی جی لکھتے ہیں :-

تھوڑی دیر میں دو قیدی اور ساتھ سپاہی کھانا لائے۔ ایک پیالہ میں پانی اور دوسرے میں دال، اور دو روٹی ہاتھ میں دے کر اگلی کوٹھری کو روانہ ہوئے روٹی جو کی بنی ہوئی تھی اس میں خاصہ حصہ ریت تھی دال سڑی ہوئی اور معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کس اناج کی ہے۔ ایک ہی لقمہ روٹی کا منہ میں ڈالا دوسرا ڈالنا ناممکن ہو گیا۔ پانی سے منہ صاف کر لیا۔ اور بیٹھ رہا۔ اندھیرا ہو گیا بھوکے پیٹ رات گذارنے کا فکر تھا ابھی کمبل بچھا کر لیٹا ہی تھا کہ تمام بدن کے ساتھ جوئیں چمٹ گئیں دونوں کمبل جوؤں سے

ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ کمبل اٹھا کر پرے پھینک دیے اور
کھڈی کے اوپر لیٹ رہا پھر بھی جوئیں کافی چڑھ چکی تھیں۔

کھانا پریڈ

یہ روٹی کس طرح کھانی پڑتی تھی اور روٹی پریڈ کا کیا طریقہ تھا یہ کہ "پیٹی افسر یا منڈیل پکارتا تھا برتن ہاتھ میں لو۔ ایک لائن میں بیٹھ جاؤ۔ چاول کا ڈبہ ڈالا، دال کی کرچھی پڑی تھوڑی سی ترکاری، دو چھوٹے سے پھلکے مل گئے۔ چار پانچ منٹ کے اندر سو ڈیڑھ سو قیدی کو کھانا بانٹ کر بھنڈاری دوسرے احاطہ میں جا داخل ہوئے۔ پندرہ منٹ گذرے کھانا کھا کر اٹھ جاؤ، پلیٹ صاف کرو اور لائن میں رکھ دو اور اپنی اپنی لائن یا قطار میں بیٹھ جاؤ"

پولیٹیکل قیدی کے بیتیں لگنا

خود دار انسان، حس رکھنے والی ہستیاں، اور قوم کی غلامی کے پھندے کو پاش پاش کرنے والے افراد، بھلا ایسے ذلت آمیز اور منتقمانہ سلوک کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ جیل میں محکومیت کی لعنت کو ختم کرنے کی پاداش میں بھیجے جاتے ہیں وہ جیل میں محکومیت کو کیسے پسند کریں۔ کیوں جیل کے قانون کو مانیں اس کشمکش میں ان کی قید بیت جاتی ہے وہ کسی قانون کو نہیں مانتے۔ ان کی خودداری کی قدر بھی ہوتی ہے لیکن جیل افسران اس کو کچلنا چاہتے ہیں چنانچہ بھائی پرمانندجی اپنے ہمنام اور اپنے ساتھی پولیٹیکل قیدی کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

پرمانند نے کام کرنے سے انکار کیا۔ اس نے کہا مجھ سے

یہ کام نہ ہوگا۔ جیلر غصہ سے بڑبڑانے لگا۔ اور کرسی سے
ہاتھ دکھانے کے لئے اُٹھنے لگا پرمانند نے اسے دھکا دیا
وہ کرسی پر گرا۔ کرسی گر گئی وہ نیچے جا پڑا۔ جمعدار وغیرہ
نے پرمانند کو پیٹا۔ اس کے سر سے خون نکل آیا۔
سپرنٹنڈنٹ کو ٹیلیفون کیا۔ چار پانچ دن کے بعد سپرنٹنڈنٹ
نے مقدمہ کیا۔ اور تمام جیل کے پھاٹک وغیرہ بند کراکے
پرمانند کو بید لگانے کی سزا دی۔ اسے تیس بید لگے۔

مراعات یا تفریق

یہ سلوک یقیناً قابلِ اعتراض اور ناقابلِ برداشت تھا چنانچہ پبلک ایجی ٹیشن ہونے، ملک کے کونہ کونہ میں صدائے احتجاج بلند ہوئیں تو حکومت نے پولیٹیکل قیدیوں کو امتیازی درجہ دیا۔ اور بی کلاس میں ان کو منقسم کرنا شروع کردیا اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ پولیٹیکل قیدیوں میں پھوٹ پڑنے لگی۔ چھوٹے بڑے، اے کلاس، اور بی کلاس کا احساس ہونے لگا جس کو کلاس ملجاتی تھی وہ دوسرے کے سلوک سے لاپرواہ ہوجاتا تھا۔ یا ادنیٰ درجہ کا کلاس والا جب مصیبتیں برداشت کرتا تھا تو اس کو اے کلاس کی رحمتوں اور نعمتوں کا خیال آنا قدرتی بات تھی۔ جس سے نفرت و حقارت کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ آئے دن جیلوں میں اسی عنوان پر جھگڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اسی تنازعہ کو مولٰنا افضل حق صاحب اپنی کتاب "میرا افسانہ" میں لکھتے ہیں :۔

اے کلاس اور بی کلاس کے سیاسی قیدیوں میں کچھ عرصے سے کشمکش جاری تھی، بی کلاس کا تقاضا تھا کہ اے کلاس کو مراعات سے مستفید ہونا اصول مساوات کے منافی ہے اس جھگڑے کی صورت روز بروز دل شکن ہو رہی تھی۔ آئے دن آپس میں تکرار اور تھو کا فضیحتی ہوتی رہتی تھی

جس مراعات پر یہ کشمکش ہوتی تھی اور اصولوں کا واسطہ دیا جاتا تھا۔ اس کی بھی حالت ملاحظہ کیجیے۔ اس وقت یعنی ۱۹۳۲ء کی اے کلاس کیسی تھی۔ مولانا افضل حق جو اے کلاس کے ہی نہیں بلکہ اسپیشل کلاس کے مالک تھے۔ انہوں نے کورنٹین کے دس دن جس کوٹھری میں گذارے۔ اس کی حیثیت یہ تھی۔

مجھے ایک کوٹھری میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا۔ میں اس کوٹھری میں ایک قبر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خیال کیا کہ یہ کسی قیدی بزرگ کی خانقاہ ہے اور فیوض روحانی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ دیکھنے سے پتہ چلا کہ قبر بلا تعویز ہے۔ گستاخ وارڈر نے کمبل قبر پر بچھا کر کہا کہ اس پر آرام فرمائیے۔ وہ یہ کہہ کر جیلاوے کی طرح نکل گیا۔ اور میرے لئے یہ معمہ حل طلب ہی رہا....

میں نے اپنے پیشرو اسیران فرنگ سردار بھگت سنگھ!

دریا سنگھ سے جو علیحدہ علیحدہ قریب کی کوٹھریوں میں بند تھے اس قبر کے متعلق سوال کیا معلوم ہوا کہ یہ مٹی کا چبوترا قیدی کا پلنگ ہے۔ اور عام طور پر اسے کھڈی پکارتے ہیں۔"

کھڈیاں ہوشیار پور جیل کی نسبت چوڑائی میں کم تھیں۔ مجھے اس کا تلخ تجربہ اول رات ہی ہو گیا۔ میرے برتن کھڈی کے پاس پڑے تھے اور میں کھڈی پر سو رہا تھا رات کا آدھا بجا ہو گا کہ میں کروٹ بدلتے ہی برتنوں پر آگرا۔ چوڑائی میں یہ کھڈیاں گھوڑے کی پیٹھ سے زیادہ چوڑی نہ تھیں اس لئے اکثر قیدی گر کر سوار ہوتے تھے۔ دس رات میں تین دفعہ گرا۔ اس سے یہ ضرور ہوا کہ میں ہوشیار سوار ہو گیا۔ چنانچہ اسی کھڈی پر اسپیشل کلاس کے قیدی کے اپنے قید کے ایام پورے کر سکے۔

خودداری کا خون

سپیشل کلاس کا مالک بنا دیا گیا تھا لیکن ذلیل کرنے اور خودداری کو ٹھیس لگانے کی جیل افسر برابر کوششیں جاری رکھتے تھے۔ اور غلامانہ حیثیت و ذہنیت کے طالب رہتے تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ پولیٹیکل قیدیوں کو زندہ موت کے گھاٹ اتار دیں اور بہیمانہ سلوک کا شکار بنائیں۔ روزانہ کشمکش رہتی تھی۔ کوئی ساعت، کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا جس میں پولیٹیکل قیدیوں کی خودداری کا امتحان نہ لیا جاتا ہو۔ اس کشمکش سے ہر قیدی کو واسطہ پڑتا تھا۔ مولانا افضل حق بھی اس کا نشانہ بنائے گئے۔ اسکی تفصیل انکی زبانی یہ ہے:-

ایک دن سپرنٹنڈنٹ اور انسپکٹر جنرل پولیس جیل کے ملاحظہ کے لئے آئے۔ میری کوٹھری میں بھی آیا ابھی باہر کی دہلیز کے اندر قدم نہ دھرا تھا سپرنٹنڈنٹ نے واویلا شروع کر دیا۔ افضل حق کھڑے ہو جاؤ میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ۔ ان کا اضطراب اور میری خاموشی، ایک عجیب سماں تھا دونوں انگریز افسر سلاخوں کے ساتھ حیرانی کے عالم میں سرنگوں کھڑے تھے۔ اور میں بیٹھا ہاں بانٹا کیا۔ آخر انسپکٹر جنرل نے مہر سکوت توڑا۔ میرے متعلق سپرنٹنڈنٹ سے چند سوالات پوچھے۔ مگر مجھ سے کسی نے کچھ دریافت نہ کیا۔

ہتھکڑی لگنا

سپرنٹنڈنٹ کو میری یہ حرکت کھا گئی۔ اگلے روز اتوار تھا۔ پیر کے روز خود سپرنٹنڈنٹ تو میرے پاس نہ آیا۔ داروغہ ہتھکڑی لایا۔ مجھ سے کہا کہ جناب تشریف لائیے۔ میں نے کہا کہ فرمائیے۔ بولے ہم حکمیہ دالہ بندست ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ کا حکم ہے کہ آپ کی ہتھکڑی لگائی جائے۔ کہا عذر کیا ہے سب شوق اٹھے پیچھے میں نے ہاتھ بڑھائے انھوں نے سلاخوں سے باندھے ہوز ملے لگے میرے بازو اونچے تھے اور سر بازوؤں میں جھکا تھا یہ سیاہ کمبل اوڑھے عجیب صورت بنائے کھڑا تھا مجھے اب اپنی حالت پر ہنسی آ رہی تھی یہ تحملہ نذر در کا فور ہو چکا تھا۔

اتنے میں ڈاکٹر صاحب تشریف لائے مجھے زنجیر سے بندھا دیکھکر واپس چلے گئے آدھ گھنٹہ کے بعد ایک عہدہ دار قیدی آیا۔ مجھے میرا ہسٹری ٹکٹ دکھایا کہ میڈیکل افسر کے مشورہ سے آپ کے لئے بیڑیاں تجویز ہوئی ہیں میں نے کہا سر تسلیم خم ہے۔ غرض ہتھکڑی اتروائی اور بیڑی پہنائی گئی۔ میری حالت عجیب تھی جسم ہلکا بیڑی بھاری قدم اٹھانے میں دقت، چلنے میں مشکل، جب کبھی دل کڑا کرکے قدم اٹھاتا۔ درودیوار زبان سے تمسخر اڑاتے کہ

آہستہ خرام بلکہ مخرام ... زیر پایت ہزار جان است۔

گرمی کے دن تھے۔ بغیر چارہ نہ تھا، بیڑی پہنکر پاجامہ اتارنے اور باندھنے کی ابتدا میں جو دقت ہوتی ہے وہ وہی جانتے ہیں جسکو بدقسمتی سے ایسا اتفاق ہوا ہو۔ عموماً قیدی کو بیڑی پہنا کر تہ بند دیا جاتا ہے تاکہ قیدی کو یہ تکلیف نہو مگر باوجود میرے مطالبے کے تہ بند مجھکو نہ دیا گیا۔ اس لئے استاد کے آگے زانو تہ کرنے پڑے۔ رات کو ہر کروٹ پر بیڑی کی جھنکار سے آنکھ کھلتی ہے۔ لوہا کبھی اس ٹانگ پر لگتا ہے کبھی دوسری پر

(میرا افسانہ ۱۲۹)

سپیشل کلاس قیدی سے ہاں کا بجوانا بیڑی و ہتھکڑی کی سزا کا دیا جانا شاندار مراعاتی سلوک ہے۔

بی کلاس قیدی

سردار جگت سنگھ بی کلاس قیدی ہیں آپ کھاتے پیتے گھر کے خاصی جائداد کے تن تنہا وارث تھے اور بیوہ ماں کے ایک ہی بیٹے تھے تحریک ترک موالات سے قبل

آپ کی شان ملاحظہ طلب تھی بوٹ سوٹ کا رنگ کٹائی سے کام تھا۔ اب چکی پر سوار ہیں، منہ پر ڈھاٹا۔ ہاتھوں میں چکی کا ہتھہ اور دانت پیس پیس کر دانہ پیس رہے ہیں۔ سردی میں پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں۔ ہاتھوں میں آبلے اور آنکھیں نمناک ہیں۔ اور سپرنٹنڈنٹ انہیں گزشتہ کی مشقت پر ڈانٹ رہا ہے کہ یہ جیل ہے کھیل نہیں ہے مشقت پوری کرو۔ ورنہ ٹکٹکی باندھ کر بید لگیں گی۔ یہی نہیں بلکہ ان بی کلاس کے قیدیوں سے سپرنٹنڈنٹ جیل کا اصرار ہے کہ جیل کے رواج کے مطابق ہر قیدی گلے میں طوق اور گنی ڈالے جس پر قیدی کا نمبر اور جرم کندہ ہوتا ہے۔ سب انکاری ہیں۔ سردار جوالا سنگھ کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی گئی آپ نے سرتابی کی آپ کے برخلاف بھی قواعد جیل کے خلاف ورزی کا الزام لگا جیل میں ہی مقدمہ کی سماعت ہوئی اور حکم سنایا کہ جوالا سنگھ تمہیں ایک سال اور قید سخت کی جاتی ہے۔

ان ہی جوالا سنگھ پر مسلسل سختیاں کی گئیں ہتھکڑیاں بیڑیاں کئی ماہ تک ان کے زیب تن رہیں۔ ان کو قید تنہائی کی سزا دی گئی کئی بار ان کو ۳۰ روز سے زیادہ عرصہ کے لئے کوٹھری میں بند رکھا گیا۔ چنانچہ ان سختیوں کا ذکر اخبارات میں ہوا۔ اور اس کی تمام روئداد میر عبدالستار صاحب نے ۲۶ جون کو بندے ماترم لاہور میں شائع کرائی۔ ۱۹۱ء

سی کلاس قیدی — یہ وہ اے بی کلاس کے قیدی تھے جن کو جیل میں تکلیف ہونے کے بعد تھوڑا بہت آرام مل جاتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ ان کو بھی کا نی امتحانات دینے پڑتے تھے لیکن وہ لوگ جن کی بد حالی و پریشانی پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا اور مجسم خدمت، مجسم قربانی اور جاں نثاری کے پتلے تھے، وہ سی کلاس قیدی ہی تھے۔ ان کے سلوک میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ وہ اخلاقی قیدی سے بھی بدتر طریقے پر رکھے جاتے تھے۔ ان کے لئے جیل میں کوئی آرام نہ تھا۔ وہ سوائے دکھ کے اور کچھ نہ جانتے تھے۔ ایک درد مند ان کی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:-

میں تنہائی کی کوٹھریوں میں رضاکاروں کو دیکھنے کے لئے چلا گیا۔ تفریح طبع کے لئے جب کبھی چڑیا گھر میں میرا جانا ہوا۔ جانوروں کو تانا سا تنتے دیکھا کرتا۔ بالکل اسی طرح یہ والنٹیر کوٹھری کے اس سرے سے اس سرے تک تانا تنتے تھے۔ اور جنگلے کے قریب جا کر مجھے اس قسم کی بدبو آئی جس طرح کہ چڑیا گھر کے جانوروں کے پنجرے سے آتی ہے۔ چڑیا گھر کے جانوروں کو مصروف تگ و دو دیکھ کر عبرت سی ہوا کرتی تھی۔ والنٹروں کو روا دوال دیکھ کر بات کھل گئی کہ خدا کے یہ بندے اور حتیٰ کہ دورہ کے درست کرنے کے لئے چلنے پھرنے پر انسان و حیوان مجبور ہوتے ہیں اور بند مکان میں پاخانہ پھرنے کی وجہ سے عفونت لازمی تھی۔ والنٹروں نے میرے پاس صفائی کی کمی کی شکایت کی

سے کہ بعض دن پاخانہ بالکل اُٹھایا تک نہیں جاتا۔ نیز انھوں نے اپنے خون آلود کپڑے مار پیٹ کی کہانی سُنا کر بطور ثبوت پیش کئے۔ اس وحشیانہ زبردستی پر افسوس ہے [۵۱]

ہسپتال کی ادویات

ہسپتال بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے وہاں پر دوائیوں کی کافی مقدار نہیں کسی پر نجان شخص کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ نمبر ۸ ، ۹ کیا ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہ یہ مکسچر ہر ایک بیماری کی دوا ہے۔ شاید ان پر "بڑے نام" کا جادو بھر آگیا ہے اس لئے یہ ہر ایک بیماری کی دوا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک اور علاج ہو چلا گیا۔ اگر قیدی کے پیٹ میں درد ہو یا دستوں کی شکایت ہو اور بد قسمتی سے وہ ڈاکٹر کے پاس اپنی بیماری کی اطلاع دیتا تو اس کے لئے اینما ہی سب سے بہتر علاج سمجھا جاتا تھا [۵۲]۔

تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش

ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ جو معقول انسان انکو دیکھے تو ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء کی یو پی کی تحقیقاتی کمیٹی نے ان ناگفتہ بہ حالات کو دیکھ کر یہ سفارش کی پولیٹکل قیدیوں سے کام کم لینا چاہئے اور کپڑے، رہنے کی جگہ اور کھانے کا خاص خیال رکھنا چاہئے اور ان کو عام قیدیوں سے علیحدہ مخصوص قیدی سمجھنا چاہئے۔ اور سزائیں عام قیدیوں کو

---

[۵۱] میرا افسانہ ص ۱۰۴ [۵۲] میرا افسانہ ص ۱۳۳

دیجاتی ہیں - ان سے پولیٹیکل قیدیوں کو مستثنیٰ کیا جائے تو بہتر ہے۔

ان سفارشات کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۲ء میں اخبارات نے بھی پولیٹیکل قیدیوں کو مراعات دیئے جانے پر زور دیا - اور خاص طور پر کلاسوں کی تقسیم اور پولیٹیکل قیدیوں میں باہمی امتیازات کو اڑانے کا مطالبہ کیا - کچھ شنوائی ہوئی تو پنجاب گورنمنٹ نے ۴۲ء کی تحریک کے قیدیوں کی ایک کلاس بنا دی، اور اے، بی، سی کلاس کا جھگڑا ختم کیا، اور تمام چھوٹے بڑے لیڈر، ڈکٹیٹر، والنٹیر قسم کے قیدیوں کو ایک جگہ، ایک کھانا دینے کا فیصلہ کیا۔

نظر بندی ۴۲ء

۴۲ء کے نظر بندوں کے ساتھ حکومت نے کیا سلوک کیا اس کے لئے بہترین واقعات و حالات وہی ہو سکتے ہیں جو مشاہدات میں آئے ہوں اور جو اپنی ذات پر گذرے ہوں اس لئے ۴۲ء کی نظر بندی کی کیفیت و تاریخ لکھنے کیلئے میں اپنی آپ بیتی سے کام لوں گا - جو میں نے دیکھے اور مجھ پر گذرے ہیں۔

۱۵ اگست ۴۲ء کی شب کو ڈھائی بجے جبکہ دہلی میں کرفیو آرڈر نافذ تھا اور شہر میں میونسپل کمیٹی کی عمارت، بیلی کوٹھی، انکم ٹیکس کے دفتر کو جلانے سب انسپکٹر پولس کو قتل کرنے اور بازاروں میں بجلی کے کھمبے توڑنے، ٹیلیفون کے سلسلوں کو منقطع کرنے کی وارداتوں سے خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اور شہر فوج کے قبضہ میں زیادہ تر دیا گیا تھا اس وقت مجھ کو چودھری کہنہ انسپکٹر سی، آئی، ڈی نے گرفتار کر کے دہلی جیل بھیجا۔

رات کا وقت تھا جیلر آرام کمرہ میں مصروف خواب تھے۔ کوشش ہوئی کہ کسی اخلاقی قیدیوں کی بارک میں رات بھر بند کیا جائے۔ لیکن میرے انکار اور وارڈر کی بچاپن نے نظر بند ساتھیوں کی قیام گاہ دہلی کے کارخانہ میں پہنچا دیا۔

معلوم ہوا کہ نظر بندوں کو دو کلاسوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اے کلاس اور بی کلاس" بی کلاس کارخانہ میں رکھے گئے ہیں۔ اور اے کلاس نظر بندیہیں وارڈ میں مقید ہیں۔

دہلی جیل کا کارخانہ

کارخانہ میں چار نل ہیں ایک نل کوٹ موقعہ پر غسل خانہ پر، ایک کچن کے پاس، ایک بیت الخلا: (فلش سسٹم) کے دروازہ پر، اور چوتھا نل لمبی ہودی میں جہاں کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔ غسل خانہ کی ساڑھے پانچ فٹ تینوں جانب سے اونچی دیواریں ہیں، کچن دس فٹ چوڑا اور پچاس فٹ لمبا ہے۔ جس کے اندر تین مٹی کے چولہے بنے ہوئے ہیں۔ جو کم و بیش ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔

ہر قیدی کو ایک چار پائی ملی ہوئی ہے۔ چار پائی دو قسم کی ہوتی ہے ایک عام بان کی بنی ہوئی اور دوسری لوہے کی پٹی سے بنی ہوئی۔ ہر ایک چار پائی میں زنجیر آہنی ڈالکر کسی درخت کی جڑ سے لپیٹ کر مقفل کر دی جاتی ہے تاکہ کہیں قیدی چار پائی کے ذریعے کوٹ موقعہ (جیل کی دیوار) سے نکل نہ جائے۔ یہ زنجیر بان کی چار پائی میں بھی مقفل کی جاتی ہے۔ حالانکہ بان کی

چار پائی کی پٹی بہ آسانی نکالی جا سکتی ہے۔ اور بہ آسانی پٹی کو ڈالا بھی جا سکتا ہے۔ اور کام لانے کے لئے چار پائی استعمال کی جا سکتی ہے۔ مگر اب تک اس قسم کا کوئی واقعہ دہلی میں سننے میں نہیں آیا۔ مگر جیل حکام مضبوطی اور ضد کے ساتھ اپنے پرانے دستور پر اڑے ہوئے ہیں۔

یہ کارخانہ تقریباً ایک ایکڑ زمین میں بنا ہوا ہے۔ اس کے صحن میں ٹینٹ لگا دئے جاتے ہیں۔ ہر اک ٹینٹ میں دو آدمی بہ آسانی اور تین آدمی بدقت معہ چار پائی کے رہ سکتے ہیں۔

کارخانہ میں مچھر زیادہ ہیں جس کی وجہ سے باہر سونے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سیاسی قیدیوں کو کارخانہ کے اندر گھومنے کی اجازت ہے لیکن کارخانے کے باہر جیل کے بقایا حصہ میں بلا نمبردار کے بلا ضرورت نہیں جا سکتے گشت لگانے کی سخت ممانعت ہے۔

یوریپین وارڈ

یوریپین وارڈ جیل کے کونے پر بنا ہوا ہے جس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ جس میں تین کوٹھریاں ہیں۔ ہر اک کوٹھری میں دو چار پائیاں۔ دو آدمی کے لئے آ سکتی ہیں۔ ان چار دیواری میں چھوٹے چھوٹے درخت زیادہ ہیں جس کی وجہ سے یہ مقام اندھیارا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی زمین نصف ایکڑ سے کچھ کم ہے۔ فلیش سسٹم اور غسلخانہ پختہ ہے۔

اے کلاس نظر بند کا سامان

اے کلاس نظر بندوں کو جو سامان دیا جانا چاہیئے تھا وہ یہ تھا:۔

ایک کرسی، ایک میز، ایک چارپائی، ایک الماری، ایک بکس، دو دھوتیاں رات کے لئے، دو پگڑی پانچ گز لمبی، دیسی ایک جوڑا جوتی دو چادریں، ایک چٹائی، ایک تکیہ، دو تکیہ غلاف، گھاس بھرا ہوا تکیہ، دو تولئے دو سوتی، ایک پرنہ پانچ فٹ لمبا، دو جانگئے اور دو کچھ (سکھوں کو) اس کے علاوہ اپنے خرچ پر کپڑا استعمال کر سکتے تھے۔ اور جہاں جیل میں بجلی ہو وہاں ایزابنگھا بھی رکھا جا سکتا ہے۔

لباس گرمی چار کرتے دو سوتی (بائیں کٹی ہوئیں) گرمیوں کے چار پاجامے دو سوتی، یا چار دھوتی، ایک کمبل، دو جانگئے دو سوتی، یا دو کچھ، دو چادریں

لباس سردی ایک اون کا کوٹ بند گلے والا، ایک اون کا پاجامہ ایک فلالین کی قمیص، دو سوتی جانگئے، دو جوڑی اونی جراب، ایک کمبل مزید، سپرنٹنڈنٹ چاہے تو اے کلاس قیدی کو کسی کپڑے کے پہننے سے منع کر سکتا ہے۔

برتن و خوراک خوراک دس آنہ روزانہ جس میں، دس چھٹانک آٹا دونوں وقت کا، پاؤ بھر سبزی، اور سبزی کی قیمت کا گوشت، دال، چھٹانک بھر گھی، مصالحہ اور چھٹانک آدھ سیر دودھ دیا جاتا تھا۔ یہ راشن، ایک پیتل کی تھالی، دو قلعی دار کٹوریاں، ایک گلاس، ایک پیتل کا لوٹا، ایک قلعی دار چمچا۔ پندرہ دن میں ایک صابن کی ٹکیہ، نیم کی داتن ایک روزانہ اور اپنے خرچ پر لے، بی کلاس والے تیل، شیشہ، برش، کنگا،

ٹوتھ پوڈر، برش وغیرہ منگا سکتے ہیں۔

بی کلاس نظربند کا سامان بی کلاس نظربندوں کے سامان کی یہ لسٹ تھی:۔

ایک چارپائی، ایک لمبی میز، اس کے ساتھ بنچ، چادر دوسوتی، کرتے چار دوسوتی، پجامے یا چار دھوتی، دوسوتی جانگئے۔ یا کچھ دسکھوں کے لئے) دوسوتی تولئے۔ دوسوتی دو چادریں، دوسوتی دوپٹے یا پگڑی پانچ گزی، ایک تکیہ گھانس دار، دو تکئے غلاف، ایک دری دو چادریں، دو بنیان، ایک جوتی دیسی، ایک کمبل۔

سردی کا لباس ایک کمبل اور ایک کمبل کوٹ، کپڑے اور کمبل کی نوعیت سی کلاس کے کپڑے۔

خوراک و برتن خوراک آٹھ آنہ یومیہ، اس کے ساتھ ایک قلعی دار تھالی، ایک قلعی دار کٹوری، ایک گلاس، ایک چمچا صابن پندرہ دن میں ایک ٹکیہ۔

نظربندوں کو ان لسٹوں کے مطابق ایک دن بھی سامان نہیں دیا گیا کسی سے کلاس نظربند نے اور نہ بی کلاس نظربند نے جوتی کی تو کبھی شکل دیکھی نہیں ہے۔ ان کو مندرجہ بالا اشیاء کے ملنے میں بڑی دقتیں ہوتی تھیں اور اس کے دینے سے گریز کیا جاتا تھا۔ اگر بہت زور دیا جاتا تو ایک ایک چیز بمشکل ملتی تھی۔

دس آنے اور آٹھ آنہ یومیہ کی خوراک کا راشن بھی اپنی مرضی کی متعینہ

قیمتوں سے لگا کر دیا جاتا تھا ۔ جس میں ہر چیز نکمی اور ناکارہ ہوتی تھی ۔ دودھ سپریٹا ملا ، گھی بناسپتی ، اور قیمت ناقص دودھ و گھی کی لی جاتی تھی ۔ گویا ۵ ، ۱ اور ۴ آنہ کی یومیہ خوراک دی جاتی تھی ۔ نصف رقم کے حصہ دار جیل افسران ہوتے تھے ۔

کارخانہ میں سخت نگرانی نہ تھی ۔ ہر نظر بند کے پاس لکھنے پڑھنے کا سامان تھا ۔ ایئر میل باقاعدہ روزانہ آتی اور جاتی تھی ۔ گھروں سے ہر نظر بند کا کھانا آتا تھا ۔ دو وقتہ اسی ذریعے سے پیغام رسانی ہو جاتی تھی ۔ اور انواع و اقسام کی نعمتیں کھانے کو مل جاتی تھیں ۔

نظر بند اپنی نگرانی میں جیل والوں سے لیکر قیدیوں سے تقسیم کرواتے تھے ۔ اور کسی قسم کی ملاوٹ اور خرابی پیدا نہ ہونے دیتے تھے ۔ دودھ خراب آتا واپس ہوتا ۔ آٹا ملاوٹی دیا جاتا ۔ تو وہ لیا جاتا تھا ۔ سبزی پر روزانہ جھگڑا ہوتا تھا ۔ گھیا ، گھیا ہی ملنے لگا تو اسٹرائک کی دھمکی ۔ کھانا چھوڑنے کا ڈراوا پہنچایا اور معاملہ طے ہوا ۔ غرض صبح و شام کوئی نہ کوئی چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی ۔

اولڈ سنٹرل ملتان جیل

۲۶ راگست کو مولانا نورالدین بہاری فریدالحق نصاری ، ڈاکٹر سید محمد دیر سنگھ میر مشتاق احمد ، حکیم خلیل الرحمن ، پنڈت نتر لچھمن شرما ۔ مسٹر کنہیا سنگھ مسٹر آر ، سی اگروال ، وغیرہ نظر بندوں کا پہلا چالان شاہ پور جیل روانہ کر دیا گیا تھا ، ۴ ستمبر کو شریمتی ستیہ وتی ، مسٹر خورشید احمد کاظمی ،

لالہ دیش بندھو گپتا۔ پنڈت منو دیو شاستری۔ مسٹر آمن۔ لالہ عجب رائے، سردار دیوان سنگھ۔ مسٹر یروپ، مسٹر لال جرنلسٹ، ڈاکٹر گجرال۔ مکند لال جوہری، مسٹر اجیت داس گپتا، سوامی سرداپا نند چوہدری بہاری۔ مسٹر جوتی پرکاش، لالہ اونکار ناتھ، برج کشن چاندی والے۔ اور راقم الحروف وغیرہ کا دوسرا چالان ملتان اولڈ سنٹرل ملتان جیل میں کر دیا گیا۔ جن کو دہلی جیل سے بلا ہتھکڑی لگائے دہلی اسٹیشن تک پولس لاری میں جو جنگلے دار تھی لے گئے اور ریل کے مخصوص قیدیوں کے سلاخدار ڈبوں میں بند کر کے ملتان بھیجا گیا۔

گاندھی ٹوپی پہننا ممنوع

ملتان جیل کے دروازہ کے اندر پہنچے تو جیل افسران کا حکم ملا کہ گاندھی ٹوپیاں اتار دو۔ گاندھی ٹوپی جیل میں پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ حکم کون برداشت کر سکتا تھا اجتماعی اور متفقہ طور پر انکار رہا۔ جواب ملا زبردستی کی جائے گی کہا گیا منظور ہے جو ظلم چاہے کرو لیکن یہ توہین برداشت نہیں ہو سکتی۔ حیل و حجت سے سمجھایا گیا کہ بیشتر نظر بند ٹوپیاں دے چکے ہیں دفتر میں جمع ہیں تم کیوں انکار کرتے ہو۔ یوں کام نہیں چلے گا۔ اسی کشمکش میں دو تین گھنٹے گذر گئے۔ کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ آخر بطور پروٹسٹ ملے ہوا

سلہ اولڈ سنٹرل ملتان جیل کی عمارت کا نقشہ "جیل کی عمارتیں" کے عنوان میں دیکھئے۔ نیز ہسپتال کا انتظام "علاج" کے عنوان میں دیکھئے۔

کہ ہم اپنا کپڑا کوئی نہ پہنتے، تمام کپڑے اور سامان جیل افسران کے حوالے کئے۔ اور جیل کے اندر داخل ہو گئے۔

مہنت کی شان

اس قافلہ کے آگے آگے سردار دیوان سنگھ مفتوں مہنت بنے خراماں چل رہے تھے۔ اور یہ قوی الجثہ انسان لنگوٹ باندھے کپڑوں کو نذر افسران کئے ہوئے ساتھیوں کو ہنساتا ہوا رندانہ تبسم کے ساتھ فیل مست کو شرمارہا تھا۔ وہ دلفریب سماں جب کبھی خیال و ذہن میں آتا ہے۔ تو بھلائے نہیں بھولتا۔ کیا صحبت تھی اور آپس کا اتحاد تھا۔ برہنگی میں خوش و خرم تھے۔ لیکن جھکنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پندرہ سولہ روز کے بعد انسپکٹر جنرل کی چٹھی آئی کہ گاندھی کیپ کے اوڑھنے کی پابندی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

کلاس کا خاتمہ

ایک امتحان سے واسطہ پڑا ہی تھا کہ دوسرا امتحان لیا جانے لگا۔ کورنیشن والی ہمیں کوٹھریوں میں داخل ہوئے تو بتایا گیا۔ یہاں اے، بی، کلاس کا جھگڑا نہیں ہے۔ اور نہ خوراک آٹھ آنہ اور دس آنہ ہے۔ بلکہ ۶ آنہ یومیہ کی خوراک ہے اور نہ کپڑوں اور سامان کی لمبی چوڑی لسٹ ہے۔ سی کلاس کا سلوک کیا جائیگا۔ روٹی بھی سی کلاس کی سی ملے گی اور کپڑے بھی سی کلاس والے دئے جائیں گے۔ ہاں سبزی میں تیل نہیں گھی ملیگا۔ اور آدھ سیر دودھ دیا جائیگا۔ سونے کے لئے کھڈیاں ہیں۔ چارپائیاں نہیں ہیں۔ پوچھا گیا کہ ہم کو دہلی میں اے، بی کلاس دی گئی تھی اور ہمارے ٹکٹوں پر بھی اے، بی کلاس درج ہے۔

توہم کو یہاں کیوں لائے، بی کلاس نہیں دیجاتی۔ اور اچھا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا بتایا گیا کہ ہم کو یہی حکم ہے یہی کریں گے اور آپ کے اعتراضات کو افسران تک پہنچا دیں گے۔ اس جیل میں نظربند اور پولٹیکل قیدی تقریباً آٹھ سو تھے۔

رات ہوئی ایک ایک کوٹھریوں میں جاکر لیٹ گئے۔ مچھروں، کھٹملوں اور چیونٹوں نے پریشان کیا تو باہر آبیٹھے۔ نیند کس کو آتی تھی رات بھر جاگے۔ پیٹ خالی، روٹی کس سے کھائی جاتی تھی۔ شکل بھی دیکھنی محال تھی دو دو نوالے جبراً کھانے اور صبر و شکر کرکے لیٹ گئے تھے۔ صبح ہوئی چنے بھی ندارد، دودھ کی شکل دیکھنے سے قے آتی تھی۔ آنکھیں بند کیں اور پی گئے۔ دوپہر ہوئی پھر سیاہ دال میں سبزی آئی۔ بڑے بڑے روٹ ملے۔ یوں ہی کے یوں ہی رکھے رہے۔ دل سخت کیا تو سبزی کو چکھا نہ چلی تو احتجاج کرنے کی سوجھی۔ لیڈروں نے مطالبات کی لسٹ تیار کی۔ ہم نے ایپل چلائی۔ جیل کے سلوک کے بارے میں اخبار تیغ دہلی میں یہ آرٹیکل شائع ہوا۔

سپرنٹنڈنٹ ملتان جیل قیدیوں کا دشمن ہے

یوں تو اولڈ سنٹرل جیل بدانتظامیوں میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور قیدی حکام جیل کی فرعونیت کا شکار ہوتے رہتے ہیں میڈیکل آفیسر بھی کھاتے پیتے لوگوں کو مراعات سے نوازتا ہے اور غریبوں اور مفلس مریضوں کو نظرانداز کرتا ہے۔

جیل کا پانی والی ہودیوں میں پانی بھرتا جاتا ہے جس میں غلاظت اور گندگی ہوتی ہے ۔ ہودی کے پانی نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا چار چار پانچ پانچ روز تک ان میں پانی بھرا رہتا ہے قیدی رات کو اسی کے قریب سوتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں انکی صحت و تندرستی خطرے میں ہے ۔ مگر اس مقام کو دیکھنے کے لئے کوئی افسر نہیں آتا اس کے پانی کے نکلنے کے لئے کوئی تجویز نہیں کرتا ۔ دو دو ہفتہ گذر جاتے ہیں مگر قیدیوں کو شکل دیکھنی نصیب نہیں ہوتی ۔ انچارج (کالیہ) خود مختار ہے روزانہ نئے نئے قانون بناتا ہے ۔ اور ان کو اپنے حکم سے ختم کر دیتا ہے ۔

۱۲ ستمبر کو بارک میں جو واقعہ ہوا ہے وہ انکی خود مختاری اور غرور تکبر کا بھانڈا پھوڑنے کے لئے کافی ہے ۔ اسی طرح ایک جرنلسٹ قیدی سے میڈیکل افسر صاحب نے جو گفتگو کی وہ ان کی امراز نوازی کی بین توضیح ہے ۔ کاش انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات ان بدعنوانیوں کی طرف متوجہ ہوں تاکہ بے بس قیدی آئندہ سے مغرور متکبر افسران کے ظلموں کا شکار نہ بن سکیں ۔

(تیغ دہلی ۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء)

ادھر ہڑتال ہونے پر جیل افسران نے لاٹھی چارج کیا ۔ شرارتی اور ایجی ٹیٹر لوگوں کے چالان کی سوچی ۔ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ راقم الحروف کا ایک خط معہ مذکورہ تیغ کے آرٹیکل کی کٹنگ کے پکڑا گیا ۔ پھر کیا تھا ۔ چالان والوں میں ہمارا بھی نام آیا ۔ اور دوسرے دن ۱۰ نظر بند ۷ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو انبالہ روانہ کر دئے گئے ۔ شکر کیا انتہائی بدترین جیل ثابت ہوئی ، اخبار کی شکل

دیکھنی ناممکن ہوگئی تھی۔ لیکن پھر بھی راستے بھر خیال رہا دیکھو کن تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کئے جاتے ہو۔ اور کیسی کیسی سزاؤں کا سامنا ہوتا ہے معتوب ہوا بھی ٹیڑھ بنا کر نکالے گئے ہو۔ یقیناً ستائے جاؤ گے۔ اور ایک ایک چیز کی تلاشی ہوگی۔ نہ کاغذ، نہ قلم نہ سیاہی، نہ پنسل کچھ نہ لے جا سکو گے۔

انبالہ جیل

ان ہی خیالات میں انبالہ جیل رات کے دو بجے پہنچے۔ دروازہ میں قدم رکھا تو کوئی تلاشی نہیں ہوئی۔ نہ کاغذ نہ قلم نہ ہولڈر کچھ نہ چھینا گیا۔ معہ سامان و سرمایہ بخیر و خوبی جیل کی بارکوں میں جیل کے عین دروازوں کے سامنے پہنچا دیے گئے۔ کھڈیاں تازہ تازہ گیلی بنی ہوئیں ان پر ٹیڑیاں رکھی ہوئیں تیار تھیں۔ ستھکے ماندے لیٹے تو کرسیل کر ابنٹھ گئیں۔ کھڈیاں ٹھیک کرائیں بالکل قبروں کی طرح قریب قریب بنی ہوئی تھیں ان کو تڑوا کر چلنے پھرنے کا بیچ میں فاصلہ کرایا۔

چھ آنہ یومیہ کی خوراک

چھ سات روز کے بعد معلوم ہوا کہ خوراک چھ آنہ کے بجائے ۹ آنہ یومیہ ہوگئی ہے۔

اب ہم کو باقاعدہ گوشت بھی ملنے لگا تھا۔ آنہ دو آنہ خوراک سے بچتے تو اس کا پھل وغیرہ منگا لیتے تھے۔ پی پی سے سامان لانے کے لئے جیل کا ایک وارڈر تھا۔ وہ خوب لوٹتا تھا۔ چوگنی اور اٹھگنی قیمت پر سامان لاکر دیتا تھا۔ غریب ایک دفعہ منگا کر دوسری دفعہ نہ منگاتا۔ ضرور تمند پیسہ والے مجبوراً منگاتے اور لٹتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی توجہ دلائی جاتی تو وہ بھی سکوت اختیار کرلیتا تھا۔
پی پی سے صرف صابن، تیل، گڑ منگایا جا سکتا تھا اور کچھ نہیں۔

خط مہینے میں ایک سے زیادہ نہ لکھ سکتے تھے۔ درخواست کی جاتی تو انکار ہوتا۔ وارڈر یہ خدمت انجام دیتا۔ روپیہ لفافہ وصول کرتا۔ اور جیل کے باہر کے لیٹر بکس میں خط ڈال آتا۔ وہ وارڈر کی مزدوری ہوتی اور قیدیوں کا کام انجام پاتا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک دلچسپ اور ناقابل فراموشش واقعہ یہ ہوا۔

دلیری ایک مرتبہ سردار دیوان سنگھ کے پاس دہلی سے اس مضمون کی چٹھی آئی کہ آپ کے دفتر والے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور آپ کا کاغذ بیچ رہے ہیں۔ اس چٹھی کے سلسلہ میں سردار جی نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے بات کی کہ آپ تجارتی خط لکھنے کی مجھ کو اجازت دیں۔ تاکہ میں بنک اور ڈاک خانہ کو منع کر دوں کہ وہ میری ڈاک دفتر والوں کو نہ دیں۔ اور ان کی جگہ یا احباب کے پتہ پر ڈاک روانہ کریں۔ اور انہی کے دستخطوں سے بنک روپیہ بھی نکالا جائے ایسا کرنے سے میں نقصان سے بچ جاؤں گا اگر آپ اجازت نہ دیں گے تو یہ خطوط ایرمیل سے مجبوراً بھیجنے پڑیں گے۔

اس معقول درخواست کا جواب سپرنٹنڈنٹ نے نفی میں ہی دیا جس پر سردار جی نے بنک اور ڈاک خانہ کے نام دو چٹھیاں ہوائی ڈاک سے بھیجدیں۔ وہ ڈاک خانہ اور بنک میں پہنچیں دستخطوں کی تصدیق کے لئے سپرنٹنڈنٹ کے پاس واپس آئیں تو سپرنٹنڈنٹ نے سردار جی سے جواب طلب کیا۔ سردار جی نے وہی مجبوری ظاہر کی۔ اور کہا میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ جو چاہیں کارروائی کریں۔

مجھے یاد ہے سپرنٹنڈنٹ کو جب علیش آیا تو اس وقت سردار جی کے پاس دوست احباب کی بھیجنے والی پوری ڈاک تھی۔ اور ان کا یہ جواب خطرہ سے خالی نہ تھا۔ مگر وہ جواب دینے سے نہیں چوکے اور سپرنٹنڈنٹ خاموش چلتا بنا۔

ملاقات کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ مہینوں ہو گئے تھے احباب و رشتہ داروں کی شکلیں نہ دیکھیں تھیں۔ افسران اس سلسلے میں کچھ رعایت نہ کرتے تھے شروع شروع میں اخبارات پر بھی سخت پابندی تھی کوئی اخبار دیکھنے میں نہ آتا تھا۔ عجیب و غریب خبریں زبانی سننے میں آتی تھیں جو سن لیتے تھے اس پر آمنا و صدقنا کہنا پڑتا تھا۔ اور اسے عجیب انداز سے پھیلایا جاتا تھا خبریں پھیلانیوالی ٹکڑی الگ تھی جس کا کام صرف یہی تھا کہ خبریں بنائے اور اڑائے۔

تفریح نظر بند بارکوں میں رات کے ۶ بجے بند ہو جاتے تھے اور صبح پانچ بجے کھولے جاتے تھے۔ دن بھر جیل کے حالات اور افسران کے طریقہ پر تبصرہ ہوتا تھا چھیڑیں بھی جاری رہتی تھیں۔ رہائی کے مصنوعی وارنٹ آتے تھے۔ اور لوگ رہا ہونے کے لئے جاتے اور بیوقوف بنتے تھے۔ بیوقوف بنانے کے فن کے طاق سردار دیوان سنگھ تھے۔ وہ اپنا شکار آپ تلاش کرتے تھے۔ کبھی اڑا دیتے تھے کہ میری رہائی آگئی ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ بولو کیا پیغام دو گے۔ لوگوں کے پیغام اور چٹھیاں لے لیتے۔ کبھی کسی کے خط میں کسی کی رہائی کا ذکر کرا کے اس سے مٹھائی کھانے کے منصوبے گانٹھتے۔ کبھی کسی کو جیل کے باہر سیر کرانے کے پروگرام بناتے، کبھی گانے کی محفلیں

جتیں، کبھی نقلیں نقل ہارسے اتارنے کی خدمت انجام دیتے، اور سردار جی میر محفل بنے جمے رہتے تھے۔ ان کی جانب سے چائے کا پانی ہوتا آنے والے اپنے ساتھ چینی اور دودھ لاتے تھے۔ اور کمالات دکھاتے تھے۔

ماتمی فضا

کبھی کبھی ایک ماتمی فضا چھا جاتی تھی۔ اپنی تباہی کے دکھڑے روئے جاتے، نقصانات کی فہرست تیار ہوتی، تباہ ہونیوالوں کے نام لکھے جاتے۔ ان کو در بے ملتے جو چرب زبان ہوتا وہی اپنے آپ کو زیادہ مظلوم دکھاتا۔ یہ مرثیہ خوانوں کی محفل نئے نئے مرثیہ تیار کرتی، جب تذکرہ طویل ہو جاتے اور ذہنوں پر مایوسی و نامرادی کی کوفت چھا جاتی تو مستقبل کے لئے اسکیموں کا تانا بنتا۔ اس میں دنیا کو تیاگنے اور دنیاداری کو ختم کرنے کے منصوبے بھی ہوتے تھے، نیز سرمایہ داری کے بڑے بڑے خاکے بھی زور و شور کے ساتھ تیار کئے جاتے تھے۔ کروڑوں سے کم کوئی خیال نہ ہوتا تھا۔ غرض اس طرح دل کو مطمئن کر کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ جیل کی سلاخوں دار کوٹھڑی میں لیٹ جاتے۔ ان محفلوں کی صدارت بھی سردار دیوان سنگھ کو ہی نصیب ہوتی تھی۔

کھانا چکانے اور نہانے دھونے کا یہاں انتہائی معقول انتظام تھا چار بارکوں میں نظر بند اور پولٹیکل قیدی تھے۔ ہر اک بارک میں کچن، غسلخانہ، بیت الخلاء تھا۔ کسی کو نہانے دھونے کی کوئی تکلیف نہ تھی۔

انبالہ جیل کا سامان

انبالہ جیل میں ہی موسم گرما گزرا، شروع شروع

میں جبکہ سردی کم تھی دو کرتے ایک پجامہ دوسوتی ایک پرنہ، ایک چادرہ، ایک لنگوٹ دیا گیا۔ جب سردی زیادہ ہوگئی تو ایک گدا پلنگ پر بچھانے اور ایک اوڑھنے کے لئے رضائی گوٹے بنادی گئی۔ ساتھ میں ایک اونی کرتہ، اور ایک پجامہ اور سی کلاس قیدیوں کے کمبل کا کوٹ جس میں بڑے بڑے لکڑی کے بٹن لگے ہوئے تھے ملے۔ دو ماہ گذرنے کے بعد، انتہائی چیخ و پکار پر چارپائیوں کی شکل دیکھی۔ کھڈیاں ٹوٹیں اور چارپائیاں بچھیں۔

ایڈوائزری بورڈ کی آمد

اس اثناء میں دو مرتبہ جیل ایڈوائزری بورڈ کے ممبران کے درشن بھی ہوئے۔ گرچہ ان کا بائیکاٹ ہوا نعرے لگے پھر بھی وہ آتے رہے۔ ان کا آنا بے معنی ہی ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ آئے گوان سے کہا گیا کہ میڈیکل انتظام انتہائی ناکارہ ہے انھوں نے اس کو سنا، وعدہ اصلاح کیا۔ مگر شرمندۂ ایفا نہ ہوا۔

چونکہ فیروزپور کیمپ دہلی کے نظربندوں اور پولیٹکل قیدیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اس لئے ملتان اور انبالہ جیل سے دہلی والے کو فیروزپور بھیجدئے گئے۔ جن میں نظربندوں کی تعداد تقریباً اسی کے قریب ہوگئی تھی[1]

---

[1] جن کے اکثر نام یہ تھے۔ مولانا نورالدین بہاری۔ مسٹر علم سنگھ، پنڈت منو دیو شاستری مسٹر خورشید احمد کاظمی۔ امداد صابری۔ سردار دیوان سنگھ، مسٹر کے پی شنکر اوکیل لالہ چاندی والے۔ پنڈت شتروگھن شرما۔ اجیت پرشاد گپتا۔ میر مشتاق احمد صاحب مسٹر بسنّ دکر۔ رانچندر شرما۔ مسٹر رتن۔ گوپی ناتھ امن۔ رام لال ورما۔ اجیت ریح۔ مسٹر ٹیکا

(بقیہ صفحہ ۱۰۷)

قدرتی انتقام

انبالہ جیل سے فیروز پور جاتے وقت پولس گارد نے کافی پریشان کیا۔ ایک سخت قسم کے ہیڈ کانسٹبل کے حوالے ہوئے، اس نے کھانے، پینے کی ہر چیز کو ممنوع قرار دیدیا تھا" ہر بات پر ٹوکتا تھا۔ ہر حرکت کو منع کرتا تھا۔ مگر یہ کب باز آنے والے تھے۔ موقع ملا اور دبوچا۔

چنانچہ ان حضرات نے ایک اسٹیشن پر ایک مرغے کو ایک ٹوکری میں بند بلا کرایہ برتھ کے نیچے اپنے پاس رکھ لیا۔ مرغا بولنے اور اذان دینے والا جانور ہے حسب عادت بانگ جو دی تو ساتھی متحیر ہوئے کہ یہاں مرغا کہاں۔ ادھر ادھر دیکھا وہ دوبارہ بولا جانچا تو پتہ لگا کہ ہیڈ کانسٹبل صاحب کی سوغات ہے

(بقیہ فٹ نوٹ۱۸) لالہ پریم بھسن[۱۹] رائے، آر، سی اگروال۔ ڈاکٹر گجرال[۲۰]۔ فریدالحق انصاری[۲۱]۔ نند لال[۲۲] مہتہ۔ ڈاکٹر دیدہ در سنگھ۔ مسٹر پوپڑ۔ کنھیا سنگھ۔ قیم الدین فاروقی۔ مسٹر شام لال مسٹر بھاسکر۔ منظر سعید۔ کندن لال۔ جوتی پرکاش۔ سوامی سروپانند۔ چودھری بہاری مسٹر گامی۔ دمودر داس[۲۳] وید۔ پروفیسر جوہری۔ مسٹر جب سنگھ۔ مسٹر چندو لال۔ مسٹر روپ۔ ڈاکٹر دیدہ در سنگھ۔ حکیم خلیل الرحمٰن۔ لالہ اونکار ناتھ۔ دیسراج آنند۔ مسٹر ایم، ایل شاہ شانتی سروپ۔ وید گرودر نرائن۔ پریم جی۔ مول چند جین۔ سردار جگت سنگھ مسٹر جنت۔ مسٹر مہتہ۔ مسٹر وریندر۔ مسٹر دت۔ مسٹر راج نرائن، مسٹر گووند سرن، مسٹر شو شیل۔ پرمیشری دیال، دیارتھی، نریندر موہن۔ رام نرائن، مشتاق اور ان کے ساتھ جڑے مسٹر نرائن۔ مسٹر شمع دت شاستری۔

وہ دم موس میں سمجھا کہ ہم یہ خلاف قانون طریقہ پر لے جا رہے ہیں۔ اب کیا تھا۔ سب ہکّے بکّے بیٹھے تھے۔ سردار جی کا بھی دم گھٹا جا رہا تھا۔ کچھ بول نہ سکتے تھے۔ تیسری مرتبہ جب اس نے اذان دی تو سردار جی کے اشارہ پر سردار جی کے ساتھی شاستری جی نے ریل کی خطرہ والی زنجیر کھینچ دی۔ زنجیر کا کھینچنا تھا کہ ہیڈ کانسٹیبل نے فوراً وہ مرغا مع ٹوکری کے ریل کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ گاڑی ٹھیری تو گارڈ وہ ٹوکرا لے کر ڈبہ کے سامنے آیا۔ بولا یہ کس کا مرغا ہے۔ سب نے کہا کہ یہ ہیڈ کانسٹیبل کا ہے جو ملا کرا یہ لے جا رہا تھا۔ اور اب اس نے قانون سے بچنے کے لئے یہ کارروائی کی ہے کہ اس کو پھینک دیا ہے۔

گارڈ نے مختصر سی شہادت لیکر گاڑی چلائی۔ ہیڈ کانسٹیبل کو دیکھو تو بڑے معصوم بنے بیٹھے تھے۔ ایک ایک کی خوشامد شروع کر دی تھی۔ کوئی روک کوئی ممانعت نہ تھی۔ سب نے خوب کھایا خوب پیا، ہر اسٹیشن پر تھیلے خطوط خریدے اور اسٹیشنوں پر ڈالے پھر راستہ میں کوئی ممانعت نہیں ہوئی۔

فیروزپور کیمپ جیل

فیروز کیمپ میں انبالہ جیل کے دہلی والے نظربندوں کا چالان ۲۷ فروری ۴۲ء کو پہنچا جیل کی چھوٹی ڈیوڑھی میں قدم رکھا تو پانچ پانچ نظربندوں کی سلسلہ وار تلاشی لی گئی۔ ایک ایک کپڑا دیکھا گیا۔ ایک ایک چیز کھولی گئی۔ جوتا اتروا کر، پگڑی کھلوا کر معائنہ کیا۔ کتابیں سب قبضہ میں کر لیں۔ ہولڈر فاؤنٹین کاغذ پنسل بحق سرکار ضبط ہوئیں۔ جامہ تلاشی بھی کی سینہ، بغل اور رانوں پر ہاتھ پھیرا غرض رعب د

دبدبہ جمانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن لے جانے والے نہ چوکے، پھر بھی
ممنوعہ اشیاء اندر گئیں.

ہوائی ڈاک چلی، بڑی نگرانی اور انتہائی سخت پابندی لگی ہر اک
وارڈر کو ہدایتیں تھیں کہ کوئی خط نہ لے جانے پائے ورنہ برطرف کر دیے
جاؤ گے. بیڑیاں ناپید ہو گئیں لانیوالے وارڈوں کی کیا مجال تھی جو لا سکیں
دو تین ہفتے کربلائی گذرے، لت والے جیسے بول گئے، لیکن تا بکے.
راستہ کھلا، کش لگے، دھوئیں اڑے اور وارڈروں کی جیبیں گرم ہوئیں.

سپرنٹنڈنٹ کے دورہ کا دن آیا. بڑے جاہ و جلال سے ساتھ
مسٹر مٹھو وارد ہوئے. آتے ہی ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، پردے ہٹوائے، ہر
جگہ پابندی لگائی، سانس لینا مشکل کر دیا جنگ چھڑنی تھی چھڑی، ڈپٹی
کمشنر آیا تو "ہندوستان کو خالی کر دو" کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے.
انتقامی دور شروع ہوا. تنہائی کی کوٹھری لے جائے گئے. بھوک ہڑتال
کی دھمکی ملی تو نرم ہوئے، تنہائی کی کوٹھریاں خالی ہوئیں. کیمپ میں لائے
گئے. کچھ دن اچھے گذرے، پی. بی. کے سامان پر جھڑپ ہوئی،
ادویات کے ویرنگانے پر میر مشتاق احمد نے بارک میں بند ہونے سے انکار
کر دیا. خوشامدیں ہوئیں بند کرنے کے جتن کئے گئے لیکن رات کے تین بجے
تک مکمل بیٹ پٹ چلتی رہی. اور میر صاحب بارکوں کے باہر ٹہلتے رہے. آخر
جیلر آیا دوائیاں منگانے کا وعدہ کر گیا جب قصہ نمٹا.
خطوں کی تقسیم میں ستایا جانے لگا تو ناراضگی کی لہر دوڑ گئی فضا [illegible]

انہی دنوں دوبارہ ڈپٹی کمشنر دورہ پر آیا ۔ پھر کیا تھا بقول شخصے ایسے وقت کا انتظار تھا پھر نعرے لگ گئے اس مرتبہ سپرنٹنڈنٹ نے پھر قید تنہائی کی کوٹھریوں میں بند کیا ۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے کافی دب گیا ۔ مگر منتظر رہا کہ کوئی شرارت پکڑے اور سختی کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا مسٹر شانتی رام ہوئے ڈیوڑھی میں جا رہے تھے کہ ان کی تلاشی لی گئی کسی مخبر کی خبر پر انکی جوتی کے تلے ادھڑوائے گئے اس میں سے چٹھیاں ملیں ۔ شانتی روک لئے گئے اور جن جن کی چٹھیاں تھیں ان کے دو ماہ تک خط آنے اور جانے بند کر دئے ان خطوں میں راقم الحروف کا بھی خط تھا ۔

ہیڈ وارڈر کی شرارت

ان تمام شرارتوں میں ہیڈ وارڈر کا ہاتھ تھا جو فطرتاً ذلیل اور کمینہ آدمی تھا اسکو پریشان کرنے اور ستانے میں بہت مزہ آتا تھا ۔ چنانچہ اس کا دستور یہ تھا کہ وہ بلا وجہ سپرنٹنڈنٹ کے کان بھرتا رہتا تھا ۔ ایک مرتبہ اس نے سپرنٹنڈنٹ کو بتایا کہ کیمپ کے دائرہ میں بہت نیچے ایک جہاز آیا ۔ اور اس نے مسٹر پٹنائک ٹائیلٹ (نظر بند) سے بات چیت کی کہ آپ مطمئن رہئے ہم آپ کو چھڑا کر لے جائیں گے ۔ ایک دو روز میں ایک سیڑھی پھینکیں گے اس پر چڑھ کر آپ آجائیں ۔

حیرت ہے کہ اس داستان پر یقین کر کے سپرنٹنڈنٹ نے مسٹر پٹنائک کے پیچھے دو نمبردار نگراں بھی لگا دئے جوان کے سایہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے ۔ دن رات ان کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے ۔

دوسرا قصہ یہی ہیڈ جمعدار نے یہ بنایا کہ خود ایک جمعدار کے ذریعہ مسٹر پٹنایک سے یہ کہلا کے بھیجا کہ جیل کے سامنے بائسکوپ کے پاس آپکی بیوی کھڑی ہیں آپ ان کو بارک کی چھت پر چڑھ کر دیکھ لیں مسٹر پٹنا ئک اس فریب میں آکر اوپر چڑھنے لگے، پیچھے سے یہ ہیڈ جمعدار چلایا آخر شرمندہ ہوکر مسٹر پٹنائک نیچے اتر آئے۔ اور جمعدار سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ خبر مجھ کو ہیڈ جمعدار نے دی تھی اور تاکیداً آپ سے کہنے کو کہا تھا۔

تیسرا قصہ گڑھا کہ اس ہیڈ وارڈر نے سپرنٹنڈنٹ کو یہ خبر دی کہ جیل کے بائسکوپ کے سامنے اور جیل دیوار کے قریب نظر بندوں کے رشتہ دار خطوط لکھ لکھ کے جیل میں پھینکتے ہیں اور نظر بند جیل کی چھت پر چڑھ کر ان سے باتیں کرتے ہیں۔

اس واقعہ کی تصدیق کے لئے سپرنٹنڈنٹ نے ایک جمعدار جیل کی دیوار پر مقرر کیا جس نے دس روز ڈیوٹی دے کر رپورٹ کی کہ یہاں کوئی غیر آدمی دیوار کے پاس نہیں آتا۔ اور نہ کوئی باتیں ہوتی ہیں۔

اس قسم کی غیر معقول شکایتوں کا نتیجہ تھا کہ مسٹر مٹو قیدیوں سے ہر وقت برگشتہ رہتے تھے۔ ان پر قسم قسم کی نگرانیاں لگاتے اور سختیاں کرتے تھے۔ وہ جبتک فیروز پور جیل میں رہے انھوں نے نظر بندوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ کبھی ان کے خطوط روکے، کبھی ان کے پارسل واپس کئے، کبھی کسی چیز کی ممانعت کی۔ کبھی کھیل کود پر پابندی لگائی۔ کبھی حکم ہوا کہ صبح و شام کی پرا تھنا مت کرو۔ نعرے مت لگاؤ۔

قیدیوں کو بھی ایک مشغل ہاتھ لگ گیا تھا۔ وہ مفت میں نئے شوشے چھوڑتے۔ پروگرام بنتا کہ ہر مہینہ کی ۹ تاریخ کو صبح پربھات پھیری ہو۔ اور ترنگے جھنڈے کی سلامی کی جائے۔ وہ روزانہ تقریریں کرتے، مشاعرہ جماتے، اور جیل افسران کے قبضہ و اقتدار کو خاک میں ملاتے رہتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ تنگ کرتا تو راشن کے لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ جس پر اس کو ڈھیلا ہونا پڑتا تھا۔

انسپکٹر جنرل کی آمد

چنانچہ انہی تنازعات میں انسپکٹر جنرل کا نزول ہوا۔ قیدی جلے بیٹھے تھے، سپرنٹنڈنٹ کی شکایتیں ہوئیں بتایا گیا کہ ہماری عزت بھی محفوظ نہیں ہے انسپکٹر نے پوچھا کیوں تو تفصیل ظاہر کی گئی کہ ہمارے پرائیوٹ خطوں کو انچارج دیکھتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ میں ان خطوں کو لطف اور مزہ لینے اور راز معلوم کرنے کے لئے پڑھتا ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ سے یہ شکایت کہی جا چکی ہے لیکن وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور ہماری ذلت کے در پے ہے۔

ان شکایتوں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا، انچارج درست ہوئے۔ خطوط باقاعدہ ملنے لگے، کھیل بھی کھیلے جانے لگے۔ اور معلوم ہوا کہ حکومت پنجاب نے نظربندوں کی سوا روپیہ روزانہ اور چودہ آنہ پولیٹیکل قیدیوں کی خوراک کر دی ہے۔ اور پی، پی سے کھانے پینے، اور پھلوں کو منگوانے کی بھی اجازت دیدی ہے۔

پی، پی کا سامان

پی، پی سے اجازت ملنے کو حکام نے اپنے اقتدار پہ

ایک ضرب کاری لگی اور ان کے بارے میں انسپکٹر جنرل کو اپنی دقتیں لکھیں کا سٹاف پی، پی کے طویل حساب نہیں رکھ سکتا۔ رقم مقرر کی جائے تاکہ حساب رکھنے میں سہولت ہو۔ جواب میں پانچ روپیہ ماہوار کی اشیا منگانے کا حکم ہوا۔ قیدیوں نے اس کو بیکار سمجھا۔ لیکن کیا کرتے۔ قہر درویش برجانِ درویش تسلیم کیا۔

آٹھ خط

مسٹر مٹو کا تبادلہ ہونے والا تھا کہ پنجاب اسمبلی میں اعلان ہوا کہ نظر بند مہینے میں آٹھ خط اپنے رشتہ داروں کو لکھ سکتے ہیں اور سولہ خط آمدہ لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس اعلان کے مطابق نظر بندوں کو آٹھ خط جیل کے خرچ پر دئے جانے لگے۔ اس میں بھی مسٹر مٹو نے سرکاری ذہانت سے کام لیا اور سرکاری خرچ کم کرنا چاہا اور اس سرکلر کا یہ مفہوم نکالا کہ دو کارڈ ملنے چاہئیں لفافہ نہیں۔ اس پر نظر بند معترض ہوئے۔ احتجاجاً قدم اٹھانا چاہتے تھے کہ سپرنٹنڈنٹ ایک خط اور ایک لفافہ دینے پر تیار ہو گیا۔ معاملہ اسی پر طے ہو گیا۔

الاؤنس

نظر بندوں کے لئے قانون ہے کہ ان کے گھر والوں کو گھر کے خرچ کے لئے حکومت الاؤنس دے تاکہ گھر والے مالی پریشانی سے بچ جائیں۔ اس قانون کے مطابق ہر نظر بند نے کم و بیش حکومت کو درخواست دی اور الاؤنس کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ درخواستیں ۹۹ فی صدی نامنظور ہوئیں اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دی گئیں۔

الاؤنس لینے والوں میں مسٹر منو یوشا ستری اور کچھ دن شاید پنڈت شتروگھن جی شرما کا نام رہا۔ یہ لوگ یقیناً مستحق تھے۔ اُن کو ملا صحیح ملا۔ مگر جن اور مستحقوں کو نہیں ملا۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ مسٹر حکم سنگھ کے دو بچے ایک بیوی ہیں

بچے پڑھتے ہیں۔ ان کی پڑھائی اور بیوی کے گذارہ کے لئے الاؤنس نہ دینا ستم ظریفی سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح مسٹر چوپڑہ کی بیوی بھی الاؤنس کی مستحق تھیں۔ بیماری کی حالت میں انہوں نے الاؤنس طلب کیا تو انکار کر دیا گیا۔ نہ معلوم کیا معیار حکومت نے مقرر کیا تھا۔

مشترکہ کچن

ملتان، انبالہ جیل کے تجربوں اور کوششوں نے آخر نظر بندوں اور پولٹیکل قیدیوں سے ایک ایسا اقدام کرالیا تھا جس سے جیل حکام متحیر تھے۔ ہمیشہ سے ان کا دستور یہ چلا آرہا تھا کہ وہ پولٹیکل قیدیوں اور نظر بندوں میں اختلاف ڈالوا کر دو ٹکڑیاں بنوا دیا کرتے تھے اور باہمی نزاع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس شرارت کا سد باب کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ نظر بند اور پولٹیکل قیدی مشترکہ کچن قائم کریں اور جو چیز خوراک کی آئے اس کو تمام پر تقسیم کرلیں تاکہ جیل والوں کو آپس میں نفاق ڈلوانے کا موقع نہ ملے یہ اقدام نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ نفاق انگیز شکل ختم ہو گئی تھی نظر بندوں کے سوا روپیہ میں سے چودہ آنے خوراک میں لگ جاتے تھے اور بقایا جو بچتا تھا اس میں پھل بادام وغیرہ منگا کر تمام نظر بندوں اور پولٹیکل قیدیوں کو تقسیم کر دئے جاتے تھے۔

مصروفیات

دہلی کے نظر بند دہلی جیل، ملتان جیل اور انبالہ جیل میں اجتماعی صورت سے نہیں رہے۔ اور ایک فیروز پور کیمپ جیل ہی ایسا مقام تھا جہاں تمام دہلی والے ایک جگہ تھے اور ان کو کافی وقت گذارنے کے لئے وہاں رکھا گیا تھا۔ چنانچہ وہ جب کل ایک جگہ جمع ہو گئے

اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ یہاں سے ہم کو کسی دوسری جیل میں منتقل نہیں کیا جائے گا تو انہوں نے وہاں دلچسپیاں بڑھانی شروع کیں اور نئے پروگرام بنائے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مصروفیتیں مہیا کر لیا کرتا تھا۔

کھیل تاش کے کھلاڑی صبح اٹھ کر کھیلتے کھیلتے شام کر دیتے تھے، نہ کھانے کا ہوش، نہ پینے کا خیال۔ ہر وقت تاش اور شطرنج کھیلنے میں مگن رہتے۔ کبھی کبھی ہار جیت بھی ہو جاتی۔ شام کو والی بال کا کھیل جمتا، گیم ہوتے، پارٹی بندی کے جوش و خروش ظاہر ہوتے۔ کسی دن آٹا باٹا کھیل کھیلا جاتا تھا۔ اناڑیوں کا مذاق اڑتا، بے ڈھنگے لوگ تماش بینوں کی تفریح کا سامان بنتے، کہنے والے نہ چوکتے۔ کاغذ کے پٹھے بازوں کا مشاعروں میں نقشہ کھینچا جاتا تھا۔ ایک دل جلے نے کیا خوب کہا تھا۔

کھیلتا ہوں میں، نٹوں کو مات کرتا ہوں ۔۔۔ دوڑتا ہوں، انگلیوں سے بات کرتا ہوں

گیم کر دوں، آرزو یہ تنگ کرتی ہے ۔۔۔ اس لئے آگے اچھلکے دانت کرتا ہوں

مشاعرے مشاعرہ باز مشاعروں کی تیاریاں کرتے، انجمن ہیو قوفان کا قیام ہوتا۔ صدرِ محترم شکل و صورت کے اعتبار سے منتخب ہوتے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور خوب جچتے۔ کسی پر ناراض ہوتے تو آنکھوں کے ساتھ دانتوں کی چمک بھی اپنا رنگ دکھاتی۔ جیتے جی جنازہ نکلوانے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا ؎

ماں لولیڈر کا لو جنازہ جس طرح ۔۔۔ لیڈری پر ہو رہی ہے جاں نثاری آج کل

ہفتہ کے ہفتہ مشاعرہ ہوتا، لوگوں کو خطاب دئے جاتے، ڈاکٹر رتن لال شاردا۔

اور میر مشتاق اس پارٹی کے روح رواں تھے۔ ان پر ہر وقت مشاعرہ سوار رہتا تھا۔ ہر شخص کو شاعر بنانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ بھجن منڈلی ہر لمحہ بھگوان کی چرن لیتی تھی۔ ہر ساعت اس کی مالا جپی جاتی تھی۔

مشاعرہ میں جیل افسروں کو نہ بخشا جاتا تھا جیل کی بدانتظامیوں کے خاکے کھینچے جاتے تھے۔ دوست احباب بھی زد میں آتے تھے۔ پھبتیاں کسی کو نہ بخشتی تھیں۔ ایک محفل میں ایک نوجوان نے خوش الحانی کے ساتھ یہ نظم سنائی ؎

قوم کے سیوک ادیب لکھنوی ہیں باکمال — وہ بنے ہیں حامئ سرمایہ داری آجکل
زر پرستوں کی برائی کیجئے ہونگے خفا — بے غرض کرتے نہیں ہیں پاسداری آجکل
قوم کا سرمایہ چپٹ ہو یا وطن پر کچھ بنے — واسطہ اس سے نہیں ہے پاس یاری آجکل

نظم کے ایک ایک مصرعہ پر دل کھول کے داد ملی، سمجھنے والوں نے سمجھا اور جاننے والوں نے جانا کہ خوب ہوئی۔ اچھے اکڑو خاں کی اکڑ نکالی۔ اچھے پھندے میں پھنسے لیکن یہ سب کچھ کہنا اور سمجھنا تفریح تھی۔ کوئی کسی سے ذاتی مخاصمت یا کسی کے دل دکھانے کے لئے نہیں کہتا تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا وہ سب سے زیادہ خوش ہوتا اور محفل کی جان بنتا تھا۔ چنانچہ محفل کے چند ہیرو تھے وہ جیل کی زندگی بنے ہوئے تھے۔ مسمریزم کے کمالات دکھانا انہی کا کام تھا۔ وہ جس بات میں حصہ لیتے سب اس میں لگ جاتے، آنکھیں بند کرا کے لکڑیوں سے مٹکے پھڑواتے، ایک ٹانگ کی دوڑ کراتے، تاش کی پتہ بازی دکھلاتے، ہفتوں ان چیزوں کی تیاری کرتے، اور پھر داد لیتے۔

ڈرامہ | کسی کو لڑکی کسی کو لڑکا کسی کو لکڑہارا بنا کر لکڑہارے کا کھیل دکھاتے

اور پوڈر، رنگ، روغن، کپڑے وغیرہ مہیا کرتے اور اسٹیج بنا کر چراغ اللہ دین کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ یہ جیل رہل سل گھر بنا ہوا تھا۔ مسٹر بھاسکر اور مسٹر جوہری کے زنانہ پارٹ پر ہر شخص شیدا تھا۔ مسٹر بھینت، مسٹر بنیہ، مسٹر پٹنائک دیوانہ وار کمپنی کی شہرت کو چار چاند لگانے میں مصروف نظر آتے تھے۔

پیٹ پوجا

کھاؤ پیر طبقہ کسی بات سے کوئی واسطہ نہ رکھتا تھا۔ اس کو کچن سلامت رہے اور اس کی انچارجی ملے۔ اس کو ان محفلوں سے صرف اس قدر دلچسپی رہتی تھی کہ جب کچن انچارج کے انتخاب کی میٹنگ ہوتی تو وہ اس میں آجاتے ورنہ کوئی سروکار نہ رکھتے۔ وہ دودھ بنواتے، چا چھتے، بٹواتے، اس کے جھگڑے چکواتے جیلر سے راشن کی کمی و بیشی پر لڑتے، لکڑی گیلی ہے، گھی خراب ہے، آٹا نکما ہے، سبزی بدتر ہے۔ کے شکوے ورد زبان رہتے اور یوں ہی دن بھر چخ چخ پٹ پٹ کر کے گنتی کے بعد بمشکل تمام آٹھ گھنٹے سوتے سوتے میں بھی متعلقین کو ڈانٹتے جھڑکتے اور جلد کام کرنے کی تاکید فرماتے تھے اس گروپ کے کرتا دھرتا و دیارتھی جی ہی تھے۔

سیوا

سیوکوں کا گروپ صبح گنتی دینے کے بعد پربھات پھیری کرتا، نظمیں گا گا کر تمام جیل میں گشت لگا کر سنائی جاتیں، آٹھ نو بجے جھنڈے کی سلامی کرتا، دو تین گھنٹے چرخہ کاتتا، دوپہر کو اشنان گھر اور بیت الخلا کی صفائی کی خدمت انجام دیتا۔ شام ہوتی تو جھنڈے کی سلامی ہوتی۔ اور قومی نعرے لگائے جاتے تھے۔ جھنڈے کی سلامی کے انچارج مسٹر اجیت داس گپتا تھے یہ بیچارے بنگالی ہیں "یہ جھانڈا کی سلامی" بڑے دلچسپ لہجہ سے

رہنے تھے اور لوگ اس میں لطف لیتے تھے :

ہون مذہبی لوگ ہون کا سامان جمع کرتے۔ ہون کی کنڈلی بنانے اور اس میں شرکت کے لئے دعوت دینے میں کافی وقت صرف کرتے تھے۔ دیانندجی کے فلسفہ پر بحثیں ہوتیں۔ آزاد خیال اور مذہبی لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کبھی دلچسپ اور کبھی تلخی کا باعث بن جاتی تھیں۔ جیل کے ماحول سے ثابت ہوا کہ کانگریسی ہندو طبقہ ابھی تک مذہب کا دیوانہ ہے۔ اور مذہبی ہے۔ ہون میں کم و بیش ہر خیال کا ہندو شامل ہوتا تھا۔ مگر ایسی تعداد بھی تھی جو ہون پر یقین نہ رکھتی تھی اور اس کو پولٹیکل اعتبار سے صحیح نہیں سمجھتی تھی۔

رہائیاں رہائیوں کے مذاق تو ہر وقت ہوتے تھے۔ کسی نہ کسی کو بیوقوف بناکر تفریح کی جاتی تھی۔ لیکن واقعی جب کوئی رہا ہوتا تھا تو اس کو دعوت دی جاتی۔ اس کی تعریف و توصیف میں تقریریں ہوتیں اور جیل میں آنے کے مقاصد اور باہر جاکر پروگرام کا ذکر کیا جاتا۔ زیادہ مالدار اور اثر رسوخ کا مالک ہوتا تو دونوں سے دعوتیں کھا جاتا ورنہ چند دوست دعوتیں کرکے رخصت کرتے۔ چٹھیوں کے پشتارے باندھ دیتے اور ملنے جلنے والوں کو اس کے ذریعہ پیغام پہنچاتے تھے۔

شروع شروع میں چٹھیاں خوب گئیں مگر جب شانتی جی کا واقعہ ہوگیا تو ان کی معافی ضبط کر دی گئی تو انتہائی احتیاط برتی جانے لگی۔

رہائیوں کے وقت ایک دلچسپ کیفیت ہر شخص کو محسوس ہوتی تھی ہر شخص رہا ہونے والے سے ملتا اور اپنے پیغامات پہنچانے کی یاد دہانی کراتا تھا

رہا ہونے والے کے دوست و احباب غمگین سے نظر آتے تھے۔ وہ اس کو چھوڑنا بھی نہ چاہتے تھے اور نہ رہائی میں مخل ہو سکتے تھے۔ جبراً قہراً الو داع کرتے اور چلتے چلتے دروازے سے نکلتے وقت "پیچھے گھوم" کا فلک شگاف نعرہ مخلصانہ طریقہ سے لگاتے تھے۔

رہائی کے بعد رہا ہونے والے کے دوست احباب جیل کی چھتوں پر رونق افروز ہوتے۔ چوروں کی طرح چڑھتے اور بیتابوں کی طرح سڑک پر نگاہ ڈالتے۔ رہا ہونے والا وہاں موجود ہوتا تو وہ رومال ہلا دیتا۔ جس کا مطلب یہ لیا جاتا کہ تمھاری چیزیں جیل کے دروازے سے باہر محفوظ پہنچ گئیں۔

رہائی یا قید پرچہ آیا کہ مسٹر درگا داس کھنہ کی درخواست ہیبس کارپس منظور ہو گئی ان کو رہائی کے لئے ڈیوڑھی بھیجا جائے۔ چنانچہ اس خبر نے کیمپ میں ایک ہلچل سی مچا دی، فوراً دعوت کی تیاری ہوئی۔ ساتھیوں نے ایڈریس دینے اور تہنیت نامے لکھنے شروع کر دئے۔ سامان کی لسٹیں بنیں۔ گھڑائیاں چڑھیں اور آناً فاناً میں سامانِ دعوت تیار ہونا شروع ہو گیا۔ دریاں بچھیں، دسترخوان آئے، گویوں نے الاپنا شروع کیا۔ مسخروں نے قہقہوں کی دنیا پیدا کی۔ پیٹ میں بڑنے کا دور آیا۔ چھینا جھپٹی ہوئی، کسی نے منھ بنایا۔ ہڈیوں کے ڈھانچے نے دانت نکالا۔ پرانے بھڑووں کی طرح بڑبڑانا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی تازہ نظم سنائی ہے۔ ماشاءاللہ، سبحان اللہ، واہ واہ، مکرر، سہ کرر، چہار کرر کی صدائیں بلند ہوئیں۔ کچھ نہیں سمجھے۔ اور ہو کا اصرار جاری ہوا۔ میر صاحب آدھمکے انہوں نے جو کہا تھا وہ نمایا حکیم خلیل الرحمٰن

بھی حضرتِ ذوق کی طرح قصیدہ خواں ہوئے۔

ڈیوڑھی پر لکھن جی کے رشتہ دار، بیوی بچے انتظار کر رہے تھے۔ اسلئے ان کے جانے میں عجلت برتی گئی۔ وہ گئے۔ بیوی نے دیکھا۔ بچے چمٹے کہ اب ابا جان کی گودی میں بیٹھیں گے۔ ان سے روزانہ چیزیں کھائیں گے۔ کھلونے لیں گے۔ یہ دلچسپ پرلطف منظر جاری تھا کہ پولیس افسران نے ایک ہاتھ میں رہائی کا وارنٹ دیا اور دوسرے ہاتھ میں ۱۲۹ میں نظر بند ہونے کا حکم پکڑا دیا۔

خوشی غم میں بدل گئی۔ بچہ رونے لگا۔ بہادر باپ نے تھپڑ مارا کہ چپ رہ، خوشی کا موقعہ ہے رونے کا نہیں۔ تو کس باپ کا بیٹا ہے۔ روتا ہے۔ یہ کہہ کر سب ملنے جلنے والوں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر لکھن جی خوش و خرم جیل کے اندر چلے آئے۔

جتھیداری

انبالہ جیل سے ہمارا چالان فیروز پور کیمپ میں پہنچا تو وہاں حکم سنگھ جی کی جتھے داری تھی۔ یہ لوگ ملتان جیل سے پہلے جتھے میں آچکے تھے۔ یوں تو انبالہ جیل میں بھی جتھے داری شروع ہو گئی تھی اور ملتان جیل میں بھی جتھے داری تھی۔ انبالہ جیل کی ناقص جتھے داری ہونے اور ملتان جیل میں کم مدت رہنے کی وجہ سے ہمارا ان جتھے داریوں سے خاص تعلق نہیں رہا۔ ہاں فیروز پور جیل میں رہے وہاں جتھے داری کے نظام کو چلانا پڑا۔

جتھے دار قیدیوں میں سے چنا جاتا تھا۔ تمام قیدی جمع ہو جاتے تھے اور اس کو چن لیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ بیرک دار جتھے دار منتخب ہوتے اور وہ منتخب جتھے دار اپنے اندر سے ہیڈ جتھے دار منتخب کر لیتے تھے۔ کچن کا

انچارج الگ ہوتا تھا۔ اس کے ماتحت چھوٹے کچن کے انچارج ہوتے تھے۔ کچن انچارج چھوٹے انچارجوں کو اپنی موجودگی میں ان کے کچن کا راشن دلوا تا تھا۔ اپنے سامنے تلواتا اور دیکھ بھال کر کے حساب سے تقسیم کراتا تھا۔ ہیڈ کچن انچارج کی مرضی کے بغیر راشن واپس نہ ہوتا تھا۔ واپس کرنا ہوتا تو ہیڈ کچن انچارج ہیڈ جتھے دار کو اطلاع کرتا۔ وہ جیل حکام سے بات کرتا۔ ان تک شکایتیں پہنچاتا اور ان کو دور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔

جیل حکام کی بدعنوانیوں کے خلاف عملی قدم اٹھانے کے لئے قیدیوں کی جنرل میٹنگ ہوتی تھی۔ اس میں طے کیا جاتا تھا کہ کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ اس میں پارٹی بازی ہوتی۔ جتھے داری احتیاطاً یا حفاظتاً عام طور پر عملی قدم اٹھانے کی مخالف ہوتی۔ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتی۔ اور عملاً ایسی معلوم ہونے لگتی کہ یہ جیل حکام کی وکیل ہے اور ان کی وکالت کر رہی ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔ گرفتار ہوئے۔ چہار دیواری میں بند ہو گئے اب یہاں آرام و سکون، سکوت سے زندگی گذارنی چاہئے۔ جو پابندی ہو اس کو قبول کرنا چاہئے اور ایجی ٹیشن سے دور رہ کر زندگی بتانی چاہئے۔

دوسرا گروپ اس نظریہ کا حامی نہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جب ہم باہر حاکمانہ ذلیل کن ذہنیت کے خاتمہ کی جدوجہد کی پاداش میں جیل کے اندر بھیجے گئے ہیں تو پھر ہم اس ذلیل ذہنیت کے سامنے جیل کے اندر کیوں جھکیں۔ اور اپنی خودداری کو کیوں ٹھیس لگائیں۔

فیروز پور جیل کے ایام میں تین جتھے داریاں وجود میں آئیں۔ اول

حکم سنگھ جی، دوم میر مشتاق احمد، سوم ڈاکٹر بدھ ویر سنگھ کی۔ موخر الذکر جھتے داری بالکل رجعت پسندانہ ذہنیت رکھتی تھی۔ اس دور میں پولیٹیکل قیدیوں کی بری طرح مٹی پلید ہوئی۔ جیل کے جمعدار راج کرتے تھے۔ ہیڈ جمعدار نا خدا بنا ہوا تھا۔ وہ جھتے دار کو ڈانٹ دیتا تھا۔ وہ غریب خاموش سنتا تھا۔

راشن دینے والے نمبردار کم راشن تول دیتے تھے اور کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی تھی۔ طرح طرح کی پابندیاں لگادی گئی تھیں۔ دودھ انتہائی خراب آنے لگا تھا۔ گیارہ بجے دن کے اس کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ بارہ ایک بجے روٹی سبزی و سالن کے ساتھ تقسیم ہوتا تھا۔ گویا پانی کی جگہ استعمال کرنے کی چیز دودھ کو تصور کیا جاتا تھا۔

البتہ چند لوگ ایسے ضرور تھے جن کو باقاعدہ ڈاک مل جاتی تھی۔ دن میں دو خط سپیشل طریقہ سے جاتے اور دو آتے تھے۔ اور تمام مٹھائی اور پھلوں کے پارسل ان کو مل جاتے تھے۔ وہ کتابیں پڑھتے اور دوسرے ایک ایک چیز کیلئے ترستے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ آتا تو اس کے ساتھ جھتے دار ایک ملازم کی طرح چلتا، جی حضوری کا بازار گرم ہوتا۔ اس کو فکر رہتا کہ کوئی سپرنٹنڈنٹ سے ذاتی شکایت نہ کردے۔ اگر کوئی شکایت کرتا تو وہ سپرنٹنڈنٹ سے اس کی تردید کر دیتا۔ لکڑی گیلی اور خراب آتی تو خاموشی سے لے لیتا۔ دوسرے پی پی کی چیزوں سے محروم ہوتے۔ لیکن وہ ضرورت کی اشیاء گھی وغیرہ منگانے سے نہ چوکتا۔ اس جھتے داری میں دو بیرک جھتے دار مسٹر خورشید احمد کاظمی اور پنڈت شترو گھن شرما تھے۔ یہ یقیناً اس قابل تھے کہ ان کی محنت و کام کی تعریف کی جائے۔ یہ لوگ اگر اس جھتے داری

میں نہ ہوتے تو یہ جھنڈے داری جماعتی عزت و وقار کو بری طرح کا دھکا لگا دیتی۔ اور جیل میں بُرے داغوں نیلام کراتی۔

یہ خامیاں حکم سنگھ جی اور میر صاحب کی جھنڈے داری میں قطعاً نہ تھیں۔ یہ خوددار لوگ اپنی خودداری کو کسی قیمت پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے یہ ہر وقت عملی قدم اٹھانے کے لئے تیار رہتے۔ ان کو جھنڈے داری کی بھی پرواہ نہ تھی جھنڈے داری ان کے پیچھے پھرتی تھی۔ حکام ٹھکراتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنی جھنڈے داری کیلئے بیڑیاں، پھلکیاں اور ریکوڑیاں نہیں بانٹیں۔

ہمارا ڈاک گھر

دہلی جیل اور انبالہ جیل میں، لکھنے پڑھنے کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہی وہ جیلیں ہیں جہاں "تاریخ جرم و سزا" کے اوراق لکھے گئے۔ انبالہ جیل میں ہسپتال کے فارم اور ردی جس کے ایک طرف لکھا ہوا ہوتا تھا کام میں آتی تھی۔ لکھی ہوئی طرف لئی لگا کر اس کو چپکا دیتے تھے۔ ان کاموں میں منشی عبدالقدیر صاحب بہت دلچسپی لیتے تھے اور بہترین معاون ثابت ہوتے تھے۔ انبالہ جیل میں مختصر سی لائبریری بھی ہے۔ لیکن جتنی کتابیں ہیں وہ تمام کارآمد ہیں۔ ان کتابوں سے ہم کو کافی مدد ملی۔ خاص طور پر مسٹر بارکر انسپکٹر جنرل جیل پنجاب کی تصنیف امپرزمنٹ، مسٹر سلیمن کی تصنیف پبلز اینڈ ریکولیکشن، اور دارالحکومت دہلی مصنفہ مولانا بشیر احمد ہمیشہ مطالعہ میں رہیں امپرزمنٹ کا اردو ترجمہ انبالہ جیل میں ہی پروفیسر کمار کی مدد سے کیا گیا۔

فیروز پور کیمپ میں کاغذ، پنسل، سیاہی، قلم، دوات پر سخت پابندی تھی۔ کوئی ان چیزوں کو اپنے پاس نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کا رکھنا خلاف قانون تھا

کتابیں بھی چار پانچ مہینے نہیں دی گئی تھیں۔ ذاتی کتابیں بھی ضبط تھیں۔ایسی صورت میں لکھنے پڑھنے کا کام مفقود تھا۔ بہت چھپ چھپا کے چھٹی پتری لکھی جاتی تھی مہینہ کا خط لکھنے کے لئے نمبردار دفتر سے دوات قلم لاتا اور اپنے سامنے خط لکھوا کر لے جاتا۔ کاغذ کی شکل دیکھنے میں نہ آتی تھی۔ کوڑی پر کاغذ کی شکل دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ ایک طرف لکھا ہوا کاغذ اٹھا لیا جاتا تھا اور سوغات سمجھ کر اس کو غنیمت کر رکھتے تھے۔

لفافہ بنانے کے لئے شروع میں لئی اور گوند نصیب نہ ہوا تو سلسلے توڑ کر استعمال کئے ان سے لفافے بنائے کبھی کبھی آٹا گوندھا اور موٹا بھدا لفافہ بنا کر روانہ کیا۔ لفافہ کی وضع عجیب ہوتی تھی۔ چار انگل سے بڑے نہ ہوتے تھے۔

میرے لئے یہ شکل کچھ عرصہ رہی۔ اس کے بعد قلم سرکنڈے کی بنائی اور پتی لگا کر کام چلانا شروع کیا۔ دوات کے لئے ایک شیشی مل گئی۔ دفتر سے نمبردار سیاہی لانے لگا چٹھیاں تیار ہونے لگیں۔ غرض ایرمیل کا انتظام ہوا۔ "نوسیل" نے ڈاک گھر کا خطاب پایا۔ اس میں ایک پیسہ، دو پیسہ، تین پیسہ، چار پیسہ اور چھ پیسے تک کے ٹکٹ لفافے ملنے لگے۔ باقاعدہ ایک کٹیہ بن گیا۔ چغل خور نے چغلی کھائی کہ قلم دوات فلاں سیل میں رکھی ہے۔ جمعدار آ دھمکا۔ دوات مانگی۔ پکڑوا دی پھر ایک شیشی لی دوات کا کام چلنے لگا اور ایسا چلا کہ سب نے دیکھا کہ قلم دوات رکھی ہے۔ اور لکھنے والا لکھ رہا ہے۔ اور کچھ بس نہیں چلتا۔

مٹھائیاں | کچن پہلے تین تھے میٹ (گوشت) کچن۔ ویجی ٹیبل (سبزی) کچن۔

یہ دونوں کچن نظر بندوں کے تھے۔ تیسرا کچن قیدیوں کا تھا۔ بعد میں دو کچن رہ گئے ایک گوشت دوسرا سبزی والا۔ ان کچنوں کے انچارج ادلتے بدلتے رہتے تھے۔ اور لوگ اس جگہ کے لئے خواہشمند رہتے تھے۔ جو ہٹتا تھا وہ الزام سے نہ بچتا الزام لگتا تھا کہ گھی کم خرچ کرتے ہیں۔ اپنے ٹولے کے لئے رکھتے ہیں۔ روٹیاں خشک رہتی ہیں۔ دودھ میں پانی ملایا جاتا ہے۔ روٹیاں بلا سکی دی جاتی ہیں اور اپنوں کو سینک سینک کر دیتے ہیں۔

گوشت بنانے اور مچھلی کے تیار کرنے میں کاظمی صاحب اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ وہ کچنوں کے ہیڈ انچارج تھے۔ جب کبھی سالن بنانے بیٹھتے خوب بناتے۔ ان کے طفیل نت نئی چیزیں کھانے کو مل جاتی تھیں۔ میر صاحب بھی اچھے خانساماں ثابت ہوتے تھے۔ آلو کے چاول کا پلاؤ وہی بناتے تھے۔ رمن جی اور شاستری جی گھی بچانے میں کمال رکھتے تھے۔ مٹھائیاں ان کے دور میں خوب بنتیں اور لوگ پیٹ بھر بھر کر کھاتے تھے۔ اور پنڈت شروگھن مٹھائی کی تیاری میں رت جگہ مناتے تھے۔

مٹھائیوں کے استاد شتروگھن جی تھے۔ ان کے بغیر مٹھائیوں کا بننا مشکل ہوتا تھا۔ ان کی مٹھائی کھا کر دہلی والوں کو دہلی کی مٹھائیاں یاد آجاتی تھیں۔ اُن کے دوسرے ساتھی مٹھائی بنانے کے مسٹر کنھیا لال عرف کنّی تھے۔ قد کے اعتبار سے چھوٹی بالوشاہی یا متھری جچتے تھے۔ پہلوانی میں ہمارے استاد بھائی تھے۔

گنے کی چوری | پھلوں کے سلسلہ میں جماعتیں بندھی ہوئی تھیں۔ کوئی

گنّے منگاتا تھا، کوئی کیلے کا شائق تھا۔ اس کے لئے کیلے آتے تھے۔ کوئی آم کا ذوق رکھتا تھا تو آم لائے جاتے تھے۔ ایک کے حصہ میں ایک چیز آتی تھی (خواہ گنا لے لو، یا آم و کیلا کھا لو۔ بعض طبیعتیں دوسری چیزیں دیکھ کر للچا جاتیں۔ اس کے اڑانے کی فکر کرتیں۔

ایک مرتبہ دس پندرہ گنّے آئے۔ شریر ٹکڑی کو کوئی دوسری چیز ملی تھی۔ گنّے کی فکر ہوئی تو رات کو دو گنّے اڑا کر کھا گئی۔ اور ستم ظریفی یہ کی کہ گنّے کے چھلکے بقایا گنوں پر چوس کر ڈال دئے۔ یہ واردات رات کو ہوئی تھی۔ حضرت شیخ سازش میں شامل تھے اور گنّے کے مالکوں کو گفتگو میں منہمک کئے ہوئے تھے ان کی برکت سے کامیابی ہوئی۔

صبح ہوئی تو چھلکوں نے چغلی کھا دی، سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ اچھی چخ ہوئی۔

اسی چخ چخ میں رہا ہونے کی خبر آئی۔ پہلے ہفتے میں تین نظر بند رہا ہوئے۔ چار ہفتوں میں چالیس کی تعداد چھوڑ دی گئی۔ مسٹر منٹو کے تبادلہ کے دن بھی آ گئے۔ سردار دیوان سنگھ بھی چالیس میں رل مل کر نظر بندوں کا ساتھ چھوٹ گئے۔ جاتے ہی وظائف شروع کئے اور دو ماہ کے بعد راقم الحروف کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ یعنی راقم الحروف ۳۰ نومبر ۲۴ء کو دہلی جیل سے رہا کر دیا گیا اور علاقہ ممبئی میں پابند کر دیا گیا۔

اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ کوئی ملاقات نہیں ہوئی لیکن

اپریل ۱۹۴۲ء میں ملاقات کی نظربندوں کو اجازت ہوگئی ہے جو ہر ماہ میں دو مرتبہ مل سکتے ہیں۔

اِس عرصہ میں نظربندوں کے خطوط لکھنے پر پابندی بھی لگائی گئی تھی۔ کہ وہ مقررہ الفاظ سے زیادہ نہ لکھیں۔ اس پر نظربندوں نے احتجاجاً خط لکھنا بند کر دیا تھا مگر بعد میں کچھ مطالبات تسلیم ہونے کے بعد لکھنا شروع کر دیا تھا۔

سیاسی قیدیوں کی قسمیں

یہ تو آپ نے جیل کے سلوک کی روئیداد پڑھی جو حکومت کی جانب سے قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن بذاتِ خود سیاسی قیدی کیا ہوتے ہیں اور کن کن نظریات کے ماتحت جیلوں میں آتے ہیں۔ اور کس طرح اور کن صورتوں میں زندگی گذارتے ہیں اس کی داستان بھی دلچسپی اور سبق سے خالی نہیں ہے۔ ہم نے سیاسی قیدیوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اول لیڈر، دوئم ڈکٹیٹر، سوئم والنٹیئر۔ لیجئے، دیکھئے قسم اول کا سیاسی قیدی جو لیڈر کہلاتا ہے۔

لیڈر

بارکوں کے سامنے قیدیوں کی ٹکڑیوں سے الگ تھلگ منہ بنائے۔ قیدیوں پر نفرت کی نگاہ ڈالے ہوئے ایک سفید پوش انسان کھڑا ہے اس کا لباس سادہ مگر فاخرہ ہے۔ اس کا چہرہ پررونق ہے، وہ بھی قیدی ہے۔ لیکن پونجی پتی اور سرمایہ داری کا طرہ لگائے ہوئے ہے،

اس کو اپنے ساتھی غریب پولیٹیکل قیدیوں سے نفرت ہے کہ ان کے منہ سے بدبُو آتی ہے وہ ان سے ہمکلام ہونا اپنی توہین تصور کرتا ہے: کیونکہ وہ آداب محفل نہیں آتے۔ گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور گنوار پن برتتے ہیں۔

وہ ان سے میل جول رکھنے کا روادار نہیں ہے۔ اس لئے وہ منہ پھٹ اور بدتمیز ہوتے ہیں۔ محفل و مقام و محل کی تمیز کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ اُن سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔"

اُن کے ساتھ رہنے سے وہ اپنے آپ کو ایک بلاؤ مصیبت میں سمجھتا ہے۔ ان کی ضروریات کی اشیاء کے حصول میں جو دقتیں ہوتی ہیں۔ اُن کی جدّ و جہد سے وہ الگ رہتا ہے۔ وہ ایجی ٹیشن کے نام سے کانپتا ہے۔ نعروں سے تھرّاتا ہے۔ جلسوں اور مشاورت کی میٹنگوں اور ہنگاموں کو غنڈہ ازم سے تعبیر کرتا ہے۔'

اس لئے کچھ ہم پلہ اور کچھ خوشامدیوں کو ساتھ میں لے کر ایک محفوظ و تنہا مقام پر رہنے کا متمنی ہوتا ہے۔ مگر اس نفرت و حقارت کا اظہار قیدیوں پر نہیں ہونے دیتا اور ان کو فریب میں رکھنے کے لئے سگرٹیں اور بیڑیاں روزانہ مقررہ تعداد میں تقسیم کرتا ہے تاکہ اس کی قوم پروری اور وطن نوازی مسلّم سمجھی جائے اور کسی قسم کی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

وہ ہر تحریک کا لیڈر رہتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس کو قیدیوں کے مطالبات سے ہمدردی ہے بلکہ جیل حکام کو خوش کرنے' اور ان کو پریشانیوں سے دور رکھنے کے لئے اپنی قیادت کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس کی لیڈری ہر ایجی ٹیشن کی تمام پابندیوں سے پاک و صاف رہتی ہے۔ اگر فیصلہ ہو جائے کہ ہسپتال سے دوا نہ لی جائے گی اور ہسپتال کا بائیکاٹ کیا جائے گا تو وہ اس پابندی کا پابند نہ رہے گا بلکہ وہ دوائیوں کو منگا کر شیر مادر سمجھ کر فراہم کرے گا۔

یہ سرمایہ دار لیڈر جو سیٹھ جی یا لالہ جی یا میاں جی کے خطابوں سے
پکارے جاتے ہیں دن بھر کسی نہ کسی کام میں مصروف ومنہمک نظر آتے ہیں
چنانچہ ان کا معمول یہ ہوتا ہے کہ وہ صبح اُٹھتے ہی جمعدار کا انتظار کرتے ہیں
جو ڈاک لاتا ہے اور پھل، مکھن بھی ٹوکری میں پوشیدہ طور پر دے جاتا ہے
اور دوسرے تیسرے روز بیڑیوں کے بنڈل اور سگریٹ کے ڈبے بھی
پہنچا دیتا ہے۔ جس کے محنتانہ میں سیٹھ جی سے اس کو پچیس روپے ماہوار
ملتے ہیں اور سرکاری تنخواہ اٹھارہ روپیہ وصول کرتا ہے۔ ظاہر ہے جو
زائد دے گا اس کی وفاداری کی جائے گی۔

چنانچہ سیٹھ جی کی طرف سے اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ دن میں کسی وقت
شہر میں جائے جہاں سے سیٹھ جی کی ڈاک لے کر سیٹھ جی کو صبح دم پہنچا دے۔
سیٹھ جی ایک گھنٹہ کے قریب ڈاک دیکھتے اور اس کا جواب تیار کرکے
رکھتے کہ نو دس بجے کا ٹائم ہو جاتا۔ ہسپتال جاتے، ڈاکٹروں کے ارد گرد پھرتے
لیڈرانہ خوشامد ہوتی۔ ٹکٹ پر پی پی کے ذریعہ مقوی ادویات منگانے کی سفارش
کراتے۔ نیبو، پیاز کے لئے جھگڑتے اور گھنٹوں میڈیکل آفیسر کے پاس بیٹھتے۔
یوں سیٹھ جی بارہ بجے کے قریب وہاں سے اُٹھتے۔ کھانا کھاتے۔ کلّہ
ولّہ کرتے کہ اتنی دیر میں جمعدار نیفہ سنبھالے ہوئے آجاتا اور آڑ میں ہو کر
نیفہ سے اخبار نکال کر دیتا ہوا چلتا بنتا۔ سیٹھ جی کافی دیر اخبار پڑھتے۔ گھنٹہ
تین بجاتا تو وہ ڈیوڑھی جاتے۔ کلاس کی گڑبڑ ہوتی تو اس کے لئے کوشش
کرتے کہ ان کو وہی سپیشل کلاس مل جائے اور وہی تمام رعایتیں حاصل

ہو جائیں جو ان کو حاصل تھیں۔

شروع میں سیٹھ جی یہ بھی کوشش کرتے کہ ان کے دوست احباب سے پوشیدہ طور پر دفتر یا ڈیوڑھی کے کسی حصہ میں ملاقات کرا دی جائے جس میں وہ کامیاب ہوتے اور پانچ بجے تک ڈیوڑھی سے واپس ہوتے۔ کھانا کھانے اور ہضم کرنے کے لئے نصف گھنٹہ ٹہلتے۔ پھر پرارتھنا میں جا شامل ہوتے جس میں ایک خوش الحان نوجوان جھنڈے کی سلامی کا دفتری گیت گاتا۔ وہ ایک مصرعہ پڑھتا تو دوسرے اس کو بلند آواز سے دہراتے لیکن سیٹھ جی منھ بنائے خاموش کھڑے رہتے۔ گیت ختم ہو جاتا تو ہمدردانہ اور مظلومانہ صورت بنا کر دردناک تقریر کا سلسلہ شروع کرتے۔ افسرانِ جیل کی نالائقیوں اور شرارتوں اور ان سے قیدیوں کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کی من گھڑت داستان سنانے اور مقطع کا بند یہ ہوتا کہ ہم کو ایک کمیٹی کے سپرد یہ معاملات کر دینے چاہئیں۔ کمیٹی بنتی اور ہر تین چار ہفتوں کے بعد باہمی ممبران کے اختلافات میں فنا ہو جاتی۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہتا۔ ان میں قیدی کے قید کا کافی حصہ کٹ جاتا۔

اس طرح سیٹھ جی اپنی لیڈری جیل حکام اور قیدی دونوں میں چلاتے۔ اگر سیٹھ جی کو زیادہ پریشان کیا جاتا تو وہ کسی دوسری جیل میں تبادلہ کرا لیتے تھے۔ مگر کوشش یہی ہوتی تھی کہ قیدیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیں۔ اور ان میں ہر دلعزیز ہوں۔ ان کو اپنی عزت کا زیادہ خیال لگا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی نظر بندی کے زمانہ میں کسی مشقتی قیدی نے ان کو قیدی کہدیا تو آگ بگولہ

ہو گئے مارنے کے لئے سر پر چڑھ گئے۔ لوگوں نے بچایا اور حال پوچھا تو آپ غصہ سے کانپ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ قیدی کہتا ہے۔ قیدی نظر بند کہہ بدتمیز تو ہین کرتا ہے توہین۔

دوستوں نے دریافت کیا کہ اس میں آپ کی کیا توہین ہوئی۔ کیا آپ قیدی نہیں رہ چکے تو فرمایا اتنی قیدیں کاٹنے کے بعد اس درجہ پر پہنچے۔ اب بھی قیدی کے قیدی رہیں گے۔ اب ہم نظر بند ہیں۔ سرکار کے خاص مہمان ہیں۔ شاہی قیدی ہیں۔ سرکار کی عنایت ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو بلا سبب گرائے کوئی گولی چلائے یہ شرف بخشا۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ اعزاز کہاں۔ اب راجہ دیکھیں کیسے مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کی ضمانت ضبط نہ ہوئی تو بات نہیں۔ شاہی قیدی۔ اور اس کا خوف۔ دیکھیں کون راجہ جی کو ووٹ دیتا ہے

سیٹھ جی ان ہی خیالات میں رات کا کافی حصہ کاٹتے۔ دوستوں میں کسی کو میونسپل کمشنر، کسی کو صوبہ کانگریس کمیٹی کا صدر، کسی کو جنرل سکریٹری کسی کو ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بنانے کے منصوبے باندھتے اور گھنٹوں اسی فکر میں گذار دیتے کہ فلاں ممبر کو کس طرح گرایا جائے۔ کس طرح اس کے علاقہ پر اثر و رسوخ جمایا جائے۔ اور کس کس ساتھی کو کس علاقہ سے کھڑا کیا جائے۔

سیٹھ جی جب یہ تمام خیالات پکا چکتے اور تھک جاتے تو ممبری کے امیدوار ساتھیوں کو سونے اور آرام کرنے کا پیغام دیتے۔ وہ ان دلچسپ اور خوش آئند خوابوں کے سامنے اس مردہ پوزیشن کو دیکھ کر کسمسانے

سے تھے۔ مگر اتنی دیر میں سیٹھ جی ایک دو کروٹیں لے کر خرّاٹے بھرنے لگتے اور سو جاتے

سیٹھ جی قسم کے لیڈر قیدی عمر میں صرف دو تین مرتبہ "جیل یاترا" کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ ورنہ ممبر بنے کرسی حاصل کی تو جیل جانے کو حماقت سمجھتے ہیں۔ پھر ان کے نعرے یہ ہوتے ہیں کہ ہم جیل چلے گئے تو پیچھے کون کام کرے گا۔ کون چندہ لائے گا۔ دفتر کیسے چلیگا جماعت کو کون سنبھالے گا۔ ہمارا باہر رہنا جماعت کے مفاد اور اس کی زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہے' ورنہ جماعت مُردہ ہو جائے گی اور دفن ہونے کے برابر پہنچ جائے گی۔

ڈکٹیٹر دوسرے قسم کے قیدی ڈکٹیٹرانہ شان کے مالک ہوتے ہیں۔ جو صبح اُٹھتے ہی نعرے بازی شروع کر دیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر معمولی معمولی شکایت پر ہنگامہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کسی نظام میں چلنا نہیں چاہتے۔ لیڈرشپ کے خلاف بغاوت کرتے رہتے ہیں۔ مطالبات کی منظوری مکمل چاہتے ہیں۔ ادھورے مطالبات کے تسلیم ہونے پر ایجی ٹیشن کو ختم کرنا موت سمجھتے ہیں۔ ہر ایجی ٹیشن کے خاتمہ پر انتہائی اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ایجی ٹیشن کو اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایجی ٹیشن کچھ عرصہ کے بعد اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

وہ جیل میں مشترکہ نظام چاہتے ہیں۔ امتیازات کے دشمن اور کلاسوں کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک قیدیوں کو اے' بی کلاس میں رکھنا اور ان میں تفریق پیدا کرنا انتہائی غیر اصولا پن ہے اور تفریق کا باعث ہے۔ وہ سب کے

لئے ایک ہی قسم کا کھانا۔ ایک ہی قسم کے کپڑے۔ ایک ہی قسم کی قیام گاہ چاہتے ہیں
ان میں سے ہر شخص خود کو اسٹالن لینن سمجھتا ہے۔ ان کے گروپ میں سے
اگر کوئی بی کلاس میں جاتا ہے تو اس پر "مردہ باد" اور "شیم شیم" کے نعرے لگائے
جاتے ہیں۔ لیکن کوئی بی کلاس جانے سے انکار نہیں کرتا اور شیم کے نعرے سنتا
اور ہنستا ہوا بی اور اے کلاس کو منظور کر لیتا ہے۔

ان لوگوں کا قول ہے کہ جہاں بیٹھو چین سے نہ بیٹھو۔ عمل میں زندگی ہے
روٹی، دال، بھاجی آئے تو اس میں سقم نکالو۔ دودھ آئے تو اس کو نہ لو۔ ادویات
دی جائیں تو ان کی خرابی ظاہر کرو۔ گنتی میں گڑبڑ کرو۔ مہینہ میں ایک دو مرتبہ
بھوک ہڑتال کو لازمی کر لو۔ جیل حکام کی اعانت مت کرو۔ ان سے گفتگو کرنا ترک
کردو۔ وہ آئیں تو خاموش اور گم سُم رہو۔

اگر کچن وغیرہ کا ان ہنگاموں سے اپنے ہاتھ میں انتظام آجائے تو اپنے
خیال کے لوگوں کو ہر جگہ مقرر کرو۔ دودھ۔ گھی۔ قند۔ گڑ۔ بچاؤ۔ ان کی فروختگی
کرو۔ حلوے بناؤ۔ اور اگر راز طشت از بام ہونے لگے تو جیل حکام پر جُرم دھرا
رکھ کر علیحدہ ہو جاؤ۔ اور پھر دوسروں کے ہاتھوں میں گئے ہوئے انتظام کو ناقص
و ناکارہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ ایک ایک کی قلعی کھولو۔ اور اگر کوئی سرمایہ
دار لیڈر ہاتھ لگ جائے تو اس کو نہ بخشو۔ بیوقوف بناؤ اور اپنی طاقت کا سکہ
اس قدر جما لو کہ وقت ضرورت کام آئے۔ اور بلا تمھاری مدد اور مشورہ کے کچھ
نہ کر سکے۔ اور جب چاہو اس کو بیچ ادھر میں چھوڑ دو۔ ایک دو جھٹکے لگنے کے
بعد سنبھالا دو۔ اس طرح بہلاتے رہو۔ ان کا ہر قدم تجارتی ہوتا ہے۔ ان سے

تجارتی سلوک رکھو اور نچانے نہ ہو۔

چنانچہ یہ ڈکٹیٹرانہ ٹائپ کا گروپ مذکورہ باتوں پر عمل کرتا ہے۔ جب کچن پر قبضہ ہو جاتا ہے تو ایک آنہ سیر بھاؤ پر دودھ فروخت کرتا ہے۔ دو دو سیر گھی کے حلوے بناتا اور پراٹھے تیار کرتا ہے۔ اور روزانہ ہی لیڈرشپ کو پریشان کرنے کے لئے کم و بیش کسی نہ کسی قیدی سے ایک دو وقت کی ہڑتال کراتا ہے۔ ہر بارک میں ان کے گروپ کے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ڈکٹیٹر کو روزانہ کی مکمل رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ ان کی پالیسی میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ادلتی بدلتی رہتی ہے دو دو گھنٹے اور ایک ایک دن میں پالیسی کا تبدیل کرنا ان کے ہاں عیب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ حکومت کے حامی ہوتے ہیں تو حکومت کی حمایت میں غیر ذمہ دار پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ قیدیوں کو معافیاں منگوانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کی اسکیمیں بناتے ہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ اپنے ہم خیالوں کی کچھ تعداد دیکھتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں۔ اور عام قیدیوں کے سے خیالات بنائے رکھتے ہیں۔

عام طور پر ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔ مگر غل غپاڑے سے بڑھنا چاہتے ہیں۔ رومان والی باتیں لوگوں کو اچھی لگتی ہیں۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے صفر ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا فلسفہ ان کے دماغ کے فکرو تدبر کا ثمرہ نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر کا مرہون منت ہوتا ہے۔ وہ ریکارڈ ہیں جو سب جگہ ایک ہی چیز ب الاپتے ہیں۔

اس گروپ سے لیڈر لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ اس لئے کہ منہ پھٹ

اوصاف کو ہوتے ہیں۔ لیڈر شپ کے لوگ نہ ہوں تو یہ گروپ زندہ نہیں رہ سکتا۔ والنٹیرز قیدیوں کا تیسرا گروپ والنٹیرز کا ہوتا ہے جو رضاکارانہ طور پر جیل کی زندگی گذارتا ہے۔ اس کو تصنع و بناوٹ آرام وسکون اور نام آوری سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ نعرے لگاتا ہوا مجمع میں پکڑا جاتا ہے۔ اور دو ہی پیشیوں میں بلا وکیل، بلا ہار، بلا نعروں اور بلا یار و مددگار کے تنہا عدالت سے مقدمہ کا فیصلہ کرا کے جیل پہنچا دیا جاتا ہے۔ جس کے نام اور سزا کی خبر سے اخباروں کے کالم بھی خالی ہوتے ہیں۔

ان کی لغت میں اے بی کلاس کے کوئی الفاظ نہیں۔ اور نہ وہ کبھی اس کے شرمندۂ معنٰی ہوئے۔ جب گئے تیل کی جلی بھنی کیڑوں والی سبزیاں اور کچی دال، خاک بھری روٹی کھائی زمین پر سوئے۔ پھٹے پرانے ٹاٹ نما کپڑے پہنے، ہر کڑی مشقت کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ جب لیڈر کو اپنی لیڈری کی حفاظت کی ضرورت پڑی تو انہوں نے گنتی نہ دے کر، روٹی نہ کھا کر حکم عدولی کر کے اپنی کمر پر تیس تیس قصوری بینتیں کھا کر، جیلوں میں بند ہو کر اور دو دو تین تین مہینے دھوپ کی ایک شعاع تک نہ دیکھ کر ان کی لیڈری چمکائی۔

ان کو سینکڑوں میل کے فاصلہ والی جیلوں میں تبدیل کیا جاتا۔ جہاں ان کو برسوں اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں بیوی بچوں سے ملاقات تو ملاقات، ان کی شکل و صورت تک دیکھنا نصیب نہ ہوتی۔ گھر کی کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ رہتا تو بیوی بچے تڑپ تڑپ کر جاں دیتے۔ گھرانے کے گھرانے تباہ ہوتے۔ حکومت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے کوئی اُن کی

بیوی کی نعش تک کو ہاتھ نہ لگاتا۔ مسجد کے ملا، مندر کے پجاری اور گردواروں کے گرنتھی، لامذہب، بے دین! اور ناستک کہکر مذہبی ہمدردی سے محروم کرتے۔ بھنگی اور چمار ان کی لاشوں کو اٹھاکر دفناتے یا جلاتے۔ مگر وہ جیلوں میں مست رہتے۔ انہوں نے کبھی پر دل پر رہائی کی خواہش نہیں کی۔ کبھی خوف زدہ بد دل نہ ہوتے۔ مرد عالی ہمت دوسروں کے لئے مصیبت اٹھاتے تھے جتنے کہ لیڈروں کو مکھن، دودھ، پھل، ڈبل روٹی کی ضرورت پڑتی تو مصنوعی بیمار پڑکے ان کے لئے ان اشیاء کے نقشے مہیا کرتے۔ تاکہ ان کے نازک دل پر میل نہ آئے اور ان کی لیڈری سلامت رہے۔

مگر یہ میڈیکل مراعات لیڈروں کے اشارے اور ان کی رشوت کے زور پر کی جاتیں۔ لیکن فی الواقع یہ قیدی بیمار پڑتے تو ان کو ہفتوں نہیں آغاز بیماری پر نہیں بلکہ بیماری کے پلنے اور مہینوں گذر جانے کے بعد بھی ادویات نہ دی جاتیں۔ ان کو ہسپتال تک دیکھنا نصیب نہ ہوتا ان کے ساتھ کوئی ہمدردانہ سلوک نہ کیا جاتا۔ لیکن وہ بھی ملال وافسوس نہ کرتے اور ہر حال میں مگن رہتے۔

ان کا روزانہ کا پروگرام یہ ہوتا کہ وہ صبح اٹھتے، گنتی دیتے اور لائن میں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ کارخانہ کا رخ کرتے، بیت الخلاء جاتے، فارغ ہوتے گجائی کرتے، آٹا پیستے، کولھو چلاتے، بان بٹتے، بوجھ اٹھاتے، یا مونجھ کوٹتے جس سے ہاتھوں میں چھالے پڑجاتے مگر مشقت سے نہ گھبراتے۔ نمبردار، جمعدار، ہیڈوارڈر یکے بعد دیگر آتے، کوئی دھونس دیتا، کوئی خوشامد کرتا۔

کوئی گالیوں سے ہمکلام ہوتا۔ اس طرح کریدتا، جانچتا کہ کیسی آسامی ہے، نہ کچھ جان پاتا تو نظر انداز کر دیتا مگر پوری مشقت لینے کی فکر رہتی پیشیوں پر پیشیاں ہوتیں مگر ارادوں میں کوئی تزلزل نہ آتا۔ تو حکام جیل کی ضد کام کرتی اکڑ نے جھکانا چاہتے۔ دن کو مشقت، رات کو اذیت پہنچانے کے لئے سخت سے سخت سزائیں تجویز کرتے۔ دو دو ماہ تک کھڑی بیڑی اور ڈنڈا بیڑیاں لگائی جاتیں۔ وہ اس کو بھی برداشت کرتے۔

غرض انکی تمام قربانیاں خالص ملک و قوم کے لئے ہوتیں۔ وہ کبھی جیل میں جاکر سزا کاٹ کر اسمبلی کے ممبر یا میونسپل کمشنر بننے کے خواہش مند نہ ہوتے نہ کبھی ان کے دل میں کرسی نشین ہونے کی تمنائیں چٹکیاں لیتیں۔ ان کی ایک ہی منزلِ مقصود ہوتی آزادیٔ قوم، اور دین انسانیت کا بول بالا۔ اور ایک ہی مطمحِ نظر رہتا، خدمتِ خلق۔

جیل کی شاعری

یہی وہ ماحول تھا جس سے متأثر ہو کر فیروز پور کیمپ جیل کے مشاعروں میں حسب ذیل نظمیں پڑھی گئیں۔ اور رہبرانِ قوم کے نقائص کے مرثیئے لکھے گئے۔

بنئے[1] کی جیل یاترا

وہ زر کھینچو مروت سے جو عاری بنئے[1] ہیں　　انہوں نے آدمیت کے جنازے ہی نکالے ہیں
انہیں انسانی ہمدردی سے کچھ بھی واسطہ کیوں ہو　　انہیں چلو لہو کا چاہئے، زہریلے کالے ہیں

---

[1] بنئیوں سے مراد ہندو قوم کی مخصوص برادری نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہندو مسلمان اس سے مراد ہیں جو غریبوں کا خون اپنے مکر و فریب و چالاکی سے چوسنا جائز سمجھتے ہیں اور ان کو اپنا تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں

قفس کی یہ کی ما یہ ترا ہمنگی نہیں پڑتی کسی صورت
وہ ملتی بیٹھے بنتے ہیں بدلتے چولے چالے ہیں

وہ ٹولی اک بنا کر قیدیوں پر بار بنتے ہیں
حقوقِ جیل پر ان کے وہ برساتے گدالے ہیں

مٹھائی لو پھلوں کی ٹوکری طوقِ غلامی ہے
کمرآتی ہے کھاتے ہیں یہی منگوانے والے ہیں

اسیروں کی اعانت کیلئے رقمیں یہ لیتے ہیں
مدد ان کی نہیں کرتے اڑاتے تر نوالے ہیں

نہ قومی یہاں پتا ہے چھلکی اور بکوڑی کا
نہ درد قوم ہے دل میں دلوں پر ان کے تالے ہیں

حسابی ہیں بنا لیں گے یہ کھاتے اپنے مطلب کے
یہ حق جن کا ہے بیچارے وہ اللہ کے حوالے ہیں

یہ چھپے ہیں مگن ہیں جشن میں ساتھی نہ کیوں روئیں
نہیں تھا اعتماد ان پر وہ نکلے دل کے کالے ہیں

مٹانا ہے یہودی ذہنیت بنیوں کو بھارت سے
یہی شیطانی آلے ہیں یہی ظلمت کے جالے ہیں

بنئے کی وطن پرستی

یہی وہ سورما ہیں قوم اور ملت کے شیدائی
نظر آتے ہیں غنڈے اور لٹیرے بدچلن ان کو

یہی ہیں انقلابی ور غلاتے ہیں غریبوں کو
دلاتے ہیں وطن کے نام پر دار و رسن ان کو

کماتے ہیں وہ صدقہ ہیں انھیں معصوم جانوں کے
ملا کرتا ہے یونہی گوہرِ گنگ و جمن ان کو

بلندی ان کو ملتی ہے شہیدوں کے تصدق میں
بناتا صاحبِ دولت ہے عہدِ پرفتن ان کو

یہ سرخی اور اکڑ پامالئے گلشن کی ہے ممنون
ابھر کر خوار کرتا ہے یہ ان کا بانکپن ان کو

وہ قابو قوم پر اپنا ہی پاتے ہیں گھمنڈی ہیں
ذرا دیکھو تماشا اور کر دو موج زن ان کو

یہ سب کچھ ہیں مگر واللہ نہیں بھارت کے شیدائی
یہ دیوانے ہیں دولت کے ملا خونی دہن ان کو

بغاوت کے زمانہ میں مخالف ہیں بغاوت کے
نہیں بھاتی ہے راہِ پرخطر، منزل کٹھن ان کو

نکالے پوسٹر جالوں کی بازی لگ رہی تھی جب
بنایا روحِ آبائی نے ہی ملت شکن ان کو

لڑانا ان کا شیوہ ہے بھڑانا ان کی عادت ہے
پسندیدہ نہ ہرگز ہے خلوصِ انجمن ان کو

وہ بد ذوقی معاذ اللہ معطل ذہن ہو جائیں
کیا بدنام جس نے مردہ خور و گور کن ان کو

وہ دیتے جان ہیں دمڑی پہ، دمڑی انکا ایماں ہے
تمول میں معاون ہوتا ہے۔ تاز کفن ان کو

وہ انسانی لہو کے لوتھڑوں کو ہضم کرتے ہیں
بناتی ہے مہاجن عادتِ زاغ و زغن ان کو

عجب ڈھانچہ ہے شیطانی مجسم مکر و عیاری
چڑھاتا ہے عروجِ بام پر غبنِ وطن ان کو

گھی چور ٹولا

قوم کے خادم ہیں گھی کی چوری شیوہ ہے ہمارا
عمر یوں کٹتی ہے جیلوں میں یہ پیشہ ہے ہمارا

چوری کی جان ہے گھی، گھی نہیں تو کچھ نہیں پھر
گھی کہن سے گرا اڑائیں کنبہ پلتا ہے ہمارا

کنبہ ہم نے جیل میں خدمت گذاروں کا بنا کر
قوم کا لقمہ بنایا، قوم لقمہ ہے ہمارا

دوستوں کو لطف آتا چورما کھاتے کھلاتے

ہیر ناہنجار نے ہی کھولا عقدہ ہے ہمارا

ڈاکٹر لالے، حکیم و پنڈت و بیرسٹر و وید

اِن مقدس ہستیوں سے ٹولہ چلتا ہے ہمارا

یہ فرشتہ شکل رشیوں اور نبیوں کے پجاری

خود بدی کے مرتکب ہوں ان کو خطرہ ہے ہمارا

قوم کے غم میں مٹاپا کس قدر ہے اُن پہ چھایا

رہنما ہی قوم بیکس کا جنازہ ہے ہمارا

قوم میں نفرت نہ کیوں ہو، اعتمادِ قوم ہو کیوں

آزمودہ ان کا ہر اک شری چرکہ ہے ہمارا

ڈاکٹر ہی سرغنہ تھے، لالہ کو تھا گھی کھلانا

اس لئے جائز دلیرانہ یہ سرقہ ہے ہمارا

گھی کا سرقہ کیوں نہ کرتے، کھانے لقمہ کیوں پیاری

جان و ایمان سب ہے واری لالہ قبلہ ہے ہمارا

صابری کیوں ٹولے گئے رہبر کے پیچھے تو پڑا ہے
بخش دے ان کو یہ پیرِ شوخ قبلہ ہے ہمارا

ہماری کمزوریاں

ان ہی کمزوریوں کا ذکر مفکر احرار مولانا افضل حق نے اپنی تصنیف "میرے افسانہ" میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ یہ واقعات و نکتہ چینی ۲۲ء کے جیل کے ماحول پر ہیں۔

میرے مزاج کا عجب عالم ہے کہ مختصر و مختص حلقۂ احباب میں میں حسن پرست کی طرح بیباک پُرتپاک اور عوام میں محجوب اور شرمسار ہوں تاہم دوست اور دشمن کو میں نگاہ میں چھانتا ہوں۔ اور ان کے عیب و ثواب کو جانتا ہوں۔ میری نکتہ چینی موجبِ دل شکنی نہ ہو تو بتاؤں کہ طلب صادق کے لئے جس جذبۂ صادق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے ہمارا دامن خالی تھا۔ جیل کو کھیل سمجھ کر اندر آنا آسان ہے۔ بہادروں کی طرح دلیری سے بسر کرنا مشکل ہے۔ اگر باہر حکام کے سامنے گردن فرازی کا ثبوت دے کر جیل میں سرفگندہ ہونا ہو تو اس شوقِ قید سے گھر کا آرام ملک کے لئے زیادہ مفید ہے ان خیالاتِ پراگندہ کو مختصر

کرنے سے میری یہ مراد ہے کہ ہمیں اپنی کمزوریوں کا صاف اظہار کر کے آئندہ محتاط رہنا چاہیئے۔ تاکہ دشمن نظر میں ذلیل و حقیر نہ ہوں۔ یہ سیاسی قیدیوں کے عظمِ صمیم کی تفصیل تو عرض ہو چکی۔ اب ان کے قلبِ عمیم کا ذکرِ خیر کرتا ہوں۔

ملک کی خاطر گھر کی راحت جب جیل کی مصیبت کے عوض فروخت کر دی تو کسی کی چشمِ کرم کا کوئی منتظر کیوں ہو مگر افسوس کا مقام ہے کہ بعض احباب کی ضروریات اور خواہشات ان کی غیرتِ قومی سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسلئے حکام جیل کی خوشنودیٔ مزاج کو اسی طرح حاصل کرتے تھے۔ جس طرح باہر کے خوشامد پسند، بعض کی بھوک جیل کی مجوزہ خوراک سے زیادہ تھی۔ انہیں جیلر کی آنکھ سے شناسا اور لنگری قیدی سے گڑگڑانا پڑتا۔ تب کہیں جا کر دو کے بجائے تین روٹیاں ملتیں۔ ہر وقت یہی ڈر رہتا کہ کہیں کوئی ملازم ناراض نہ ہو جائے۔ کچھ لوگوں کو بازاری چیزوں کا ایسا چسکا تھا کہ مزے دار چیز نہ ملنے سے منہ کیا زندگی کا مزہ پھیکا ہو جاتا تھا۔ بعض بتیس دانت کی چکی ہر وقت چلانے کے عادی تھے۔ وہ خوشامد سے باہر سے اشیاء منگاتے۔ دربان کی منت کر کے اندر لاتے۔ تلاشی کے خوف سے جمعدار داروغہ کی بات بات پر ہاں سے ہاں ملاتے۔ وہ ذرا مسکرائے

میں تو یہ بھی دانت نکال دیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے
دیدہ دلیر ہوتے ہیں کہ جب تک چیز پاس پڑی ہے۔ اور
تلاشی کا خوف دامن گیر ہے تب تک منہ دبائے بیٹھے رہتے
ہیں۔ جب حلق سے نیچے اتری تو طوطے کی طرح آنکھیں پھیر
لیتے اور خواہ مخواہ ملازمانِ جیل سے الجھتے۔ جب کھانے کے
مرض کا دورہ ہوتا تو گر یہ مسکین بن کر الو سیدھا کرنا چاہتے
اس دورنگی سے ہمارے دفاع کو بہت صدمہ پہنچتا تھا جب
روٹی کے ساتھ سالن تقسیم ہوتا تھا تو بعض بھوکی طبیعت کے
ایسے عجز کی صورت بنا کر لب ڈھیلے کر کے اپنے حق سے زیادہ
مانگتے کہ پاس کھڑے بیٹھے کو شرم آتی۔ جب دلیہ لیا جاتا جو
بیمار و کمزور نہیں وہ بھی اٹھ اٹھ کر دوڑتے۔ اندر آنے سے
پہلے ہی فقیروں کی طرح ٹھوٹھا خیرات کے لئے بڑھاتے ہیں
قسمت کا ہوا تو تھوڑا بہت دوسروں کا پیٹ کاٹ کر شرم
شرماتے قیدی نے دیا یا ورنہ اکثر شرمندہ کرتے ہیں کہ تم بھی
ناحق لیڈر کہلاتے ہو مگر ان کی ڈھٹائی کی یہ کیفیت ہے کہ
دوسرے دن پھر دلیہ کے انتظار میں باٹی صاف کرتے دکھائی
دیتے ہیں۔ سالن اور چنے کے لئے اور ڈال اور ڈال کا تقاضہ
ہے۔ یہ چھوٹا سا اصرار تو بڑے بڑے بھی بے تکلف کر دیتے
ہیں لیڈر کے متبرک اور پر عظمت نام کو جس طرح جیل میں بدنام

کیا جاتا ہے اس سے افسوس ہوتا ہے کیونکہ قیدی ہر چھوٹے بڑے سیاسی قیدی کو لیڈر کہکر پکارتے ہیں۔ حالانکہ ہم خود گم کردہ رہبری کند کے مصداق بن رہے ہیں۔

جن کی جیب خرید کر اشیاء منگوانے کی متحمل نہیں ہوتی وہ بھلے چنگے بیمار بن کر ہسپتال داخل ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ بایں امید کہ ڈبل روٹی اڑائیں گے' یا دودھ چاول کھائیں گے۔ مگر ڈاکٹران کی اصل مرضی کو پا جاتا ہے اور کسٹر آئل پلاتا ہے۔ پانی میں ساگودانہ پکا کر کھلاتا ہے۔ روزے بخشوانے جاتے ہیں۔ نمازیں گلے ڈلواتے ہیں۔ اسہال سے جان نڈھال ہوتی ہے۔ جھوٹ کا سچ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر تنگ کرنے کیلئے کہتا ہے کہ ایک ماہ متواتر تمہیں زیرِ علاج رہنا پڑے گا۔ وہ منتوں پر آجاتا ہے کہ چھوڑو بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا ہے۔ غرض اب ڈاکٹر بیماری پر اصرار کرتا ہے اور قیدی بیمار ہونے سے انکار کرتا ہے۔ آخر ناک رگڑ کر ہسپتال سے نکلتا ہے۔

ضمیمہ

۱۹۴۲ء کی تحریک کے مخصوص نظربندانِ دہلی کے مختصر حالات

اجیت داس گپتا — آپ مزدور ورکر ہیں۔ کمیونسٹ خیالات کے زبردست حامی، مگر ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے مخالف ہیں اور دہلی کے مشہور ورکر چند دبی بی کے دست راست ہیں آپ کے کام کا حلقہ مزدور ایریا سبزی منڈی وغیرہ ہے آپ نے ہی ورکرز لیگ دہلی اور ٹریڈ یونین صوبہ دہلی اور دوسری مزدوروں کی جماعتیں بنائیں۔

آصف علی — دہلی کے مشہور و معروف لیڈر اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی اور سنٹرل اسمبلی کے ممبر ہیں اور اعلیٰ درجے کی مقرر اور کامیاب بیرسٹر ہیں۔ آپ کی بیوی ارونا آصف علی کو دہلی کی پولیس مفرور قرار دے چکی ہے۔ اور اس کی اصطلاح میں وہ دو سال سے لاپتہ ہیں۔

آر، سی، اگروال — آپ کا پورا نام رام چرن اگروال ہے۔ آپ کی سیاسی زندگی پانچ چار سال کی ہے۔ ۱۹۴۰ء کی تحریک میں سزا پائی اور ۱۹۴۲ء میں نظربند ہوئے۔ نظربندی کے وقت آپ صوبہ کانگریس کمیٹی دہلی کے خزانچی تھے۔ چندہ جمع کرنے میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ آجکل آپ تھانے

میں حاضری دیکر ملکی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

امداد صابری

خلاصۂ زندگی

مت پر ملاحظہ ہو۔

امن لکھنوی

لالہ گوپی ناتھ امن، لکھنؤ کے مشہور ادیب اور اخبار تیج کے پرانے سب ایڈیٹر ہیں۔ آپ کے دور میں اخبار تیج کو دار پروپیگنڈہ کے سلسلہ میں حتمعہ خوشنودی ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ نظر بند ہوئے۔ رہا ہونے کے بعد آپ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ آپ اچھے شاعر اور کانگریس کے پرانے کارکن ہیں۔ آپ جیل کی انجمن بیوتوفان کے صدر محترم تھے۔

انند جی

بیول راج انند پرانے اور تجربہ کار تاجر اور افریقہ کے سیاح ہیں ملک کی محبت میں پہلا پرچہ کا نظربندی لگا۔ جوشیلے اور گاندھی ازم کے حامی ہیں جیل میں بھی تجارتی کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ تمام پی پی کے سامان منگانے کے انچارج آپ ہی تھے۔

اوکار ناتھ

دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر اور دہلی کے سرگرم کانگریسی کارکن ہیں۔ مطلب سب کمیٹی کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ جیل میں افسران کی دوستی کو ملک کی آزادی سمجھتے ہیں۔ دائمی مریض ہیں اور بنسی خاص قسم کی ہنستے ہیں

ایم، ایل شاہ

دہلی کلاتھ مل کے ڈائنگ ماسٹر تھے۔ نظربندی سے کچھ عرصہ پہلے آپ پر مزدور تحریک کے سلسلہ میں مزدوروں نے حملہ کیا تھا۔ آپ مزدور ہڑتالیوں کے سخت مخالف ہیں۔ جیل میں اکثر آپ نے ہڑتالوں کے خلاف لیکچر دیئے۔ اور مزدوروں کی ہڑتالوں کو احمقانہ حرکت سے تعبیر کیا۔

قد و قامت کے اعتبار سے پتلے دبلے ہیں جیل کے ڈرامے میں نازک اندام نازو ادا کی پتلی شوخ میتی ریوا کا پارٹ ادا کر چکے ہیں۔ کامیاب ایکٹر بھی ہیں اور رنگ سازی میں کمال رکھتے ہیں۔ آپ کے مکان سے دہلی کلاتھ ملز نہایت سنید ہو ~~ہے~~ آپ سٹہ بازی کے پرزور حامی ہیں اور اس کو ملک کے لیے انتہائی مفید سمجھتے ہیں

برج کشن چاندی والے آپ پکے گاندھی بھگت ہیں۔ نمک مرچ اور چینی کا استعمال نہیں کرتے۔ ابلی ہوئی سبزی کھاتے ہیں جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ سچائی یعنی ست کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھار ریل چلانے کا کام انجام دیتے تھے۔

بسر ور کر آپ نیو دہلی کے پرانے تاجر ہیں۔ اونچے اخلاق کے مالک ہیں آپ کی وسعت قلبی کا ہر شخص معترف ہے۔ آپ کو اکثر جیل کے ساتھی محبت میں پتا جی کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ ساتھیوں کی بدقسمتی کہ آپ نظربندی کے دوران میں ہمیشہ بیمار رہے۔ آپ کی ہمدردی میں ناقص علاج کے خلاف تمام نظربندوں نے بھوک ہڑتال بھی کی تھی۔

بہاری کانگریس کا عمر بھر کا ساتھی، بڑا نا اور ضعیف العمر دیہات کا بہترین کارکن اور کسانوں کا ہر دلعزیز چودھری ہے۔ آپ کا تکیہ کلام "میرے صاحب" سنے تھے۔ آپ کو اپنی رہائی پر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ رہائی کے نام سے جلتے تھے

پاربتی دیوی آپ ۴۲ء کی تحریک کی ڈکٹیٹر تھیں۔ آپ نے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ آپ کانگریس کے کاموں میں عرصہ سے حصہ لیتی

رہی ہیں۔ اور کافی مرتبہ جیل جا چکی ہیں۔ آپ سیٹھ رام کی قریبی رشتہ دار ہیں۔

پٹنایک صرف شبہ کے شکار، دلچسپ مزاح پسند، کھیلوں کے شائق قوی اور طویل القامت انسان ہیں۔ اور کامیاب ٹائیکیٹ ہیں۔ لوگوں سے ہمدردی کرنا ان پر ترس کھانا آپ کا کام ہے اور ویسے بھی ہوائی پنچھی کے خطاب کے لیے موزوں ہیں

پھول چند جین آپ ۱۹۳۰ء میں دہلی ضلع کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری تھے آپ نے اس کے بعد مالی پوزیشن کے بڑھانے پر توجہ دی آج سیٹھ جی کے نام سے پکارے جاتے ہیں جیل میں انہی کے سکہ کا راج ہے۔ شریر اور چالاک پوری آپ کے ہی قبضہ و تصرف میں ہے۔ اور یہ ان کی عنایت ہے۔ کہ لوگوں کو بیڑیوں کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

پنتھ موہن چند منتو "جیل کے تفریح پسند طبقہ کا ہیرو۔ مزاح کرنے میں کامل حکیم جی کی نقل اتارنے اور دوائی فروشوں کی طرح لیکچر دینے کا استاد تھا "ہنجوں" آپ کی ایجاد تھی۔ آپ دہلی کلاتھ مل میں چھوٹے ماسٹر تھے۔ آپ نے دہلی سی، آئی، ڈی سے دہلی کے قلعہ میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔

پریم جیس رائے حکومت آپ کا دہشت پسندوں میں شمار کرتی ہے پرانے پرامن کانگریسی ہیں۔ تیز طبیعت اور ہوشیار عقل کے مالک ہیں بردبار، اور سمجھدار ہیں۔ حاضر جوابی میں جواب نہیں رکھتے۔ بات کی تہ کو جلد پہنچ جاتے ہیں۔

ان پر یہ مثل صادق آتی ہے ؎

اے تیزیٔ طبع تو برمن بلا شدی

جوتی پرشاد — آپ اچھوت ادھار کے زبردست حامی اور پکے گاندھی وادی ہیں۔ مخلص اور بے لوث سیوک ہیں۔ خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔ طبیعت انتہائی سادہ ہے۔ ست کا خیال ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے سچے پجاری ہیں۔ برج کشن جی نہیں بلکہ جوتی پرکاش جی دہلی کے گاندھی کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ آپ دو برس کے بعد نظر بندی سے رہا ہوئے تو تھانہ مہرولی میں حاضری کی پابندی کو گوارا نہ کیا۔ اور جیل چلے گئے۔

جوہری — امریک سنگھ کے پہلے دوست، ہر وقت ہا! پانی کے خوف سے لرزاں و نالاں، بالی بال کے بہترین کھلاڑی، اور جیل کے ڈرامے "شاہی لکڑہارے" کی مشہور رانی اور مسٹر شنکر کو گھائل کرنے والے پروفیسر تھے۔

چندو لال — بہترین گوئیے، خوش مزاج اور ہردلعزیز ساتھی ہیں۔ کانگریس کے پرانے کام کرنے والے، جیلوں کے دفتروں پر قبضہ رکھنے والے، بہترین اردو کے مترجم ہیں۔ آپ کا سنہ ۴۲ء کی تحریک میں مفرور ہونے کا وارنٹ نکلا تھا۔

چمن لال جرنلسٹ — اچھا ایکٹر، باتونی، قصہ گو، منہ پھٹ، بے لحاظ، خوبصورت کھلونا، معلومات کا مرقع۔ اور پرانا کانگریسی۔ آج کل امریکہ والوں کو بیوقوف بنانے گئے ہیں۔

حکم سنگھ — آل انڈیا فارورڈ بلاک کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر، دہلی فارورڈ بلاک کے جنرل سکریٹری، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر اور کسانوں اور مزدوروں کے لیڈر رہیں۔ آپ پر مسلسل پانچ چھ سال سے تقریر کرنے پر پابندی ہے۔ ادبیات

کے لئے آپ کو حکومت انتہائی خطرناک سمجھتی ہے۔ آپ انتہائی خوددار اور غیرمتزلزل دل کے مالک ہیں اور عمر کا کافی حصہ ملکی خدمت میں گذارا ہے۔ اور زیادہ تر جیل میں رہے ہیں۔

شفیق الرحمان آپ صوبہ کانگریس کمیٹی کے ممبر ہیں، کامیاب حکیم ہیں۔ اچھے مقرر اور اچھے شاعر ہیں۔ دیوانوں کے دیوان اذبر یاد ہیں۔ جیل میں بیمار ہیں اور اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں۔ لحیم و شحیم آدمی ہیں۔ پولیس نے ۱۹۴۲ء کی تحریک کے سلسلے میں آپ پر مقدمہ چلایا تھا۔ جس میں عدالت ماتحت نے دو سال کی سزا دی لیکن سشن نے بری کر دیا تھا۔

خورشید احمد کاظمی صوبہ فارورڈ بلاک دہلی کے سابق صدر، اور دہلی صوبہ کانگریس کمیٹی ۱۹۳۱ء کے ممبر تھے آپ نے ۱۹۴۰ء میں تین سال کی سزا پائی تھی۔ شاہ پور جیل میں رہے۔ جہاں کی تحصید اے آپ کو ملی۔ اس سلسلے میں آپ نے جیل کی ہر سزا پائی۔ بیڑی ہتھکڑی ڈنڈا بیڑی سب لگی۔ آپ انتہائی سنجیدہ پالیسی کے حامی، شر کے مخالف، معاملہ فہم، نرم گرم کام چلانے والے، دوست نواز سخی داتا، دل کے صاف، اور زبان کے میٹھے ہیں۔

دیوان سنگھ اڈیٹر ریاست دوستوں کے دوست، جیل والوں کے لیے انتہائی خطرہ کا باعث، ایرسیل کے انسپکٹر جنرل تھے، انکی تلاشی میں کبھی کچھ نہیں ملا۔ خرچ کے لیے روپیہ کی جیل میں کبھی کمی نہیں رہی بیڑیاں پہنتے نہیں۔ مگر تقسیم کا مقدس کام انجام دیتے تھے۔ کبھی ایمانداروں کی ٹولی کے سردار نظر آتے اور تمام بے ایمانی سے حاصل کی ہوئی چیزیں پھینکدیتے تھے

اور کبھی بڑے بڑے جیل افسروں کے کان کاٹتے اور ان کے جوتے لگاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کی کسرت یادگار حیثیت رکھتی تھی۔ پیٹ کو کم کرنا چاہتے تھے۔ ہر وقت اس کو بجاتے اور پھدکاتے رہتے تھے اور دریافت بھی جاری رہتی تھی کہ دیکھو میرا پیٹ کتنا کم ہو گیا ہے۔

آپ کا نظر بندی میں مالی نقصان کافی ہوا۔ اخبار کی ضمانت ضبط کی گئی۔ اخبار ریاست بند ہوا۔ مگر آپ بد دل نہ ہوئے۔ نظر بندی سے فارغ ہوئے تو دوبارہ ریاست کو جاری کیا۔ جو آج کل نکل رہا ہے۔ اور پہلی سی شان سے نکل رہا ہے۔

دیش بندھو گپتا

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر اور پنجاب اسمبلی کے ممبر اور تیج اخبار کے مینجنگ ڈائرکٹر ہیں آپ ملتان جیل تک ہمارے ساتھ رہے۔ بیمار ہونے پر لاہور سنٹرل جیل میں تبدیل کر دیئے گئے۔

رام لال ورما

اخبار تیج کے اڈیٹر ہیں جیل میں آپ کی شاعری زوروں پر رہی۔ اچھے انشا پرداز ہیں۔ منخنی سے آدمی ہیں۔ کپڑے دھونے میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور صابن بچانا فن سمجھتے تھے۔ کبھی نثریہ اشعار بھی خوب فرماتے تھے۔

روپ نرائن

جوشیلا نوجوان، بھائی جی کے جادو کا شکار، ارادہ کا مضبوط اور بے لوث کام کرنے والا کانگریسی ہے۔ یہ ان بہادر لوگوں میں سے ہے جنھوں نے تھانہ کی حاضری کی بے عزتی کو گوارا نہ کیا۔ اور جیل جانا پسند کیا۔

رتن لال شاردا

ایک پرمذاق فتنہ، شریروں کا سردار۔ کم ہمتوں کا دل بڑھانے والا، اپنے ظرافت کے بل بوتے پر جیل کی زندگی کو خوشگوار

بنانے والا، ضرورت کے وقت کے شاعر، ڈرامے کے وقت ایکٹر، خدمت کے وقت سچا پکا کانگریسی سیوک، ہر فن مولا، پھن کا سب سے پہلا اور کامیاب انچارج جو الزام سے مبرا اور دھبہ سے پاک وصاف رہا۔ دہلی میں ڈاکٹری کرتا ہے۔ اور دستِ شفا کا مالک ہے۔ غریب پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ کیوں نہ دوڑیں۔ غریبوں کا ہی خواہ اور ہمدرد ہے۔

رام نرائن مشتاق آپ لکھنوی ہیں اور شاعر ہیں اور دہلی کے بہانے کاتب ہیں کچھ بینائی میں فرق آگیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے زندگی میں تین لاکھ شعر کہے ہیں۔ آپ نے جیل میں بہت سے لوگوں کو شاعر بنایا۔ اصلاحیں دیں۔ مشاعروں میں آپ کے شاگرد کثرت سے نظر آتے تھے۔ شعر کثرت سے کہتے تھے۔ ملنسار آدمی ہیں۔ لکھنؤ کی شرافت جھلکتی ہے۔

رمن جی ضلع کانگریس کمیٹی ۳۰ء کے صدر، اور صوبہ کانگریس کمیٹی ۲۱ء کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ معتدل پالیسی کے آدمی ہیں۔ مخالفت سے آپ کو چڑ ہے۔ دشمن کو بھی برا بھلا کہنا پسند نہیں کرتے۔ خط لمبے لکھنے کے عادی ہیں۔ مگر خط نہ لکھنے والوں میں سے ہیں۔ جو برسراقتدار آتا ہے۔ اس کے ساتھ کام کرنا فرض سمجھتے ہیں۔

ستیش مہتا انتہا پسندوں کا انتہا پسند سردار، تقریر کرتے وقت بے آپے ہونے والا مخلص کارکن۔ مجسم ایثار قربانی، تکیہ کلام "خون کا بدلہ خون" شکل بھی قریب قریب خونی کی سی ہے۔ دہلی میں آزاد بھارت کی بنیاد ڈالی۔ جس کی تحریک میں کافی اشخاص نے حصہ لیا، اور جیل کی چار دیواری دیکھی۔

ستیہ وتی آپ نے نو دس مرتبہ سیاسی تحریکوں میں سزا پائی اور جیلوں میں زیادہ تر زندگی بتائی۔ اور دائم المریض ہوئیں ۱۹۴۲ء کی تحریک میں آپ کا پورا خاندان ماں، بھی (مسٹر چمن لال جرنلسٹ) لڑکی اور لڑکا شامل ہوئے اور جیل کی چار دیواری میں بند کئے گئے۔ اب آپ ایک پھیپڑے سے جی رہی ہیں اور دوسرا پھیپڑا آپریشن کے ذریعے نکالدیا گیا ہے میڈیکل گراونڈ پر رہا کی گئیں ہیں۔ پرجوش تقریر کرتی ہیں جو موثر ہوتی ہے۔

سری اوم استوا آپ سے جیل میں ہی واقفیت ہوئی آپ یو۔پی کے رہنے والے ہیں۔ سنجیدہ اور متین آدمی ہیں آپ کی گرفتاری دہلی کے ایک طوائف کے کوٹھے پر ہوئی۔ جماعتی نظام وحکم کے ماتحت طوائف کے ہاں مقیم ہوئے تھے۔ طوائف سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپکا نام جگدیش پرشاد ہے۔

سوامی بسنت ناتھ ملکی خدمت کے لیے خود کو تیاگ دیا ہے۔ کئی بار جیل جا چکے ہیں۔ نریلہ آشرم میں رہتے ہیں۔ دیہاتوں کا سدھار کرتے ہیں ہمدردی عادت ثانی ہے۔ کسی جھگڑے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

سوامی سروپانند گاندھی بھگت ہیں۔ گاندھی جی کے آشرم میں رہ چکے ہیں دن رات کانگریس کا کام کرنا انکا کام ہے۔ ایسے ہی مخلص لوگوں کی بدولت کانگریس آج ملک پر چھائی ہوئی ہے۔ اور مخالفوں سے اپنا لوہا منوا رہی ہے۔

شتر گھن شرما آپ دہلی صوبہ کانگریس کمیٹی ۱۹۴۲ء کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ دہلی کی دیہات میں کانگریس کا پرچار کرنا آپ ہی کے

لوگوں کا کام ہے۔ دن رات سائیکل پر سوار ہو کے دیہات کا گشت لگاتے تھے۔ چھ سات مرتبہ جیل جا چکے ہیں بہت سخت سے سخت سزا بھگت چکے ہیں۔ غرض ایک سچے، پکے مخلص ملک کے دیوانے اور پروانے ہیں۔

شمع دت خاموش اور ٹھوس کام کرنیوالے، کہتے کم تھے اور کرتے زیادہ تھے۔ دیہات آپ کا والہ و شیدا تھا۔ ان کے لئے خود بھی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور ان ہی کی مصیبتوں میں کام آکر ان کو اپنا بناتے ہیں۔ آپ تجربہ کار دیدہ ہیں۔

شنکرا پورا نام کے۔ پی۔ شنکرا ہے۔ آپ لفنٹسٹ گروپ دہلی کے جنرل سکرٹری سٹوڈینٹس فیڈریشن کے بانی اور وکیل ہیں۔ دو ماہ ۴۰ء میں نظر بند رہے۔ اور اب پھر نظر بند کئے گئے تھے۔ جیل میں آپ نے سیاسی لیکچر دیکر بہت بڑی سیاسی خدمت انجام دی ہے۔

شوشیل کمار یہ بیس بائیس برس کی عمر کا نوجوان شوخ و شریر چند دن میں جیل پر چھا گیا۔ سردار جی بھی طواف کاٹنے لگے۔ اس غریب پر یہ الزام تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھی مسٹر دت، اور پروفیسر جوہری نے دہلی سینماؤں میں بم رکھکر چھڑوائے تھے۔

گجرال دہلی کے کامیاب و مقبول و ہر دلعزیز ڈاکٹر ہیں۔ آپ کی بدولت جیل کے ساتھیوں کو جیل کے میڈیکل اسٹاف سے کافی سہولتیں حاصل ہوگئی تھیں۔ آپ خود بھی بہت سے ساتھیوں کا علاج کرتے تھے۔ آپ انتہائی خوش مزاج اور تفریح پسند ہیں۔

فریدالحق انصاری ڈاکٹر انصاری کے بھانجے اور ہندوستان کی سوشلسٹ

پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام زندگی سیاسی گذاری، اصول کے پکے، اور ضد کے مضبوط ہیں بے نیازی عادت ہے۔ خانگی زندگی میں دنیا داری چھوئی تک نہیں طمع، لالچ طبیعت میں بالکل نہیں ہے۔ ورثہ میں جو ملا تھا اس کو جس بے نیازی سے ٹھکرایا وہ آپ کا ہی حصّہ ہے۔ ایسے کیرکٹر کے انسان بہت کم ملتے ہیں۔

کنھیا سنگھ جیل میں آزادانہ اور بے خوف زندگی گذارنے والے، سال بھر نظر بند رہے۔ تھانہ کی حاضری کو نہ مانا دوبارہ جیل میں گئے ہوئے ہیں کئی بار جیل جا چکے ہیں۔ جیل کی زندگی بہت پسند کرتے ہیں۔

گامی صابن کے تاجر، کپڑوں کے میل آتارتے آتارتے انسانی دلوں کے میل آتارنے لگے تو نظر بند کر دیئے گئے جیل میں خود دارانہ زندگی گذاری۔ افسران کے سامنے نہ جھکے اور کال کوٹھری میں رہنا پسند کیا۔

مظہر سعید آپ مولانا احمد سعید کے صاحبزادے ہیں جوشیلے اور مخلص کارکن ہیں۔ دوست نواز، اور آزاد خیال ہیں۔ تنگ نظری اور حسد چھوا تک نہیں۔ کسی کی کامیابی کو دیکھکر خوش ہوتے ہیں جلتے نہیں۔ دہلی مسلم مجلس کے سکرٹری ہیں۔

منو دیو شاستری آپ دہلی صوبہ فارورڈ بلاک ۱۹۴۱ء کے صدر اور بھارتیہ کالج کے پرنسپل تھے۔ پڑھانے میں ید طولی رکھتے ہیں سنسکرت اور ہندی کے ماہر ہیں۔ آپ نے جیل والوں کا دیوالہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ اور جیل کی تمام تندرستی کے خود ٹھیکیدار بن گئے تھے۔ اور اپنے دوستانہ گھونسوں سے کمزور ساتھیوں کا کچومر نکالنے کی کوشش کرتے تھے حکومت

سے الاؤنس بھی وصول کرتے تھے۔ ان کی شاستراہت (مناظرہ) سے لوگ بھاگتے تھے یعنی کے زبردست بہاری اور پکے آریہ سماجی ہیں۔

مولانا نورالدین بہاری قربانی بیچتے، اٹل اَنا دے، اور پختہ رائے کے مالک، علماء کے طبقہ میں بے نیاز، اور صدقہ وخیرات وزکوٰۃ کی زندگی سے کوسوں دور۔ اور خدا و رسول کے نام کو بیچنے کے گناہ کے کبھی مرتکب نہیں ہوئے عمر بھر مفت قرآن کی تفسیر سنائی اور مفت وعظ کہا۔ خود کمائی کی اور اپنی سیدھی سادی زندگی چلائی۔

عدم تعاون کی تحریک میں ڈھائی سو روپیہ کی بہ فیسری پہلات ماری اور جیل کی سزا بھگتی۔ ہر تحریک میں آگے آگے رہے اور کبھی جیل کی مصیبتوں سے نہ گھبرائے۔ بیوی کا انتقال بھی ایام قید میں ہوا۔ جوتے کا کارخانہ چلایا۔ وہ تحریک کے نذر ہوا۔ بٹوہ کا کام کیا وہ نظر بندی نے ختم کیا۔ اور مالی اعتبار سے تباہ ہوئے۔ آپ جمعیۃ العلماء ہند کے سکرٹری کئی سال رہ چکے ہیں۔ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر ہیں۔

میر مشتاق احمد آپ کی جیل یاترا آبائی چیز ہے۔ آپ کے والد میر عبدالستار بھی کانگریسی لیڈر تھے اور انبالہ میں رہ چکے تھے۔ اسٹوڈنس، اور دیہاتی سیاسی کاموں سے آپ کو دلچسپی ہے۔ نیو دہلی کے سیاسی ناخدا ہیں۔ نیو دہلی میں جو کچھ سیاسی زندگی پائی جاتی ہے اس میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ کی جیل کی زندگی خود دارانہ اور بیباکانہ رہی ہے۔

میمو بائی آپ عورتوں کی تنظیم اور ان میں اصلاح کے جذبہ کو زندہ کرنے کی

حامی ہیں۔ دن رات عورتوں میں کام کرتی ہیں۔ ان میں قومی ذہنیت پیدا کرنا آپ کا کام ہے۔ عمر سیاسی کاموں میں گذاری۔ کافی عمر کا حصہ جیل میں کاٹا

نرائنم آپ کا پورا نام دیتہ نرائنم ہے۔ آپ ہندوستان ٹائمز ویکلی کے اڈیٹر ہیں۔ لطیف طبیعت، اور سنجیدہ عادت کے مالک ہیں قابلیت و لیاقت کے اعتبار سے اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ بہترین انگریزی ادیب ہیں معلومات کا گنجینہ ہیں۔

یدھرویرسنگھ ضلع کانگریس کمیٹی ۱۹۳۶ء کے صدر رہ چکے ہیں۔ دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر ہیں۔ کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے ہومیو پیتھک کے اچھے ڈاکٹر ہیں۔ پرمذاق آدمی ہیں رجعت پسندی سے آگے نہیں بڑھ

"جیل کے اہم ساتھی"

مذکورہ پچاس اشخاص وہ لوگ ہیں جو دہلی سے گرفتار ہوکے نظر بند کئے گئے اور دہلی کے نظربند کہلائے۔ دہلی کے کل نظر بند تقریباً اسی تھے۔ بقایا حضرات کے حالات سے واقفیت نہ ہونیکی وجہ سے کچھ نہ لکھا جاسکا۔ ذیل میں ان حضرات کا ذکر ہے جن سے جیل کی زندگی میں واسطہ پڑا اگرچہ یہ لوگ دہلی کے نظربند نہ تھے لیکن انکو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں بعض وہ حضرات بھی ہیں جو دہلی کے ہیں لیکن نظربند نہیں بلکہ پولیٹیکل قیدی کی حیثیت سے جیل کے ساتھی رہے،

امی لال چراغ دہلی کے رہنے والے دیہات کے سیاسی کارکن ہیں۔ دو تین مرتبہ سزا پا چکے ہیں ۱۹۴۲ء میں علاقہ چراغ دہلی میں رہنے کی پابندی کو توڑنے کے جرم میں دو سال کی سزا پائی تھی آپ دہلی صوبہ فارورڈ بلاک